سالکانِ طریقت کے لئے دستور العمل

ذخیرۃ الملوک

تصنیف:

امیرِ کبیر سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

جامع المنقول والمعقول حاوی الفروع والاصول

ابو العلاء محمد محی الدین جہانگیر

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز

سالکانِ طریقت کے لئے دستور العمل

ذخیرۃ الملوک

تصنیف:

امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

جامع المنقول والمعقول حاوی الفروع والاصول

ابو العلاء محمد محی الدین جہانگیر

فاروق احمد

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز
11۔ گنج بخش روڈ لاہور
042-7313885

﴿جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں﴾

نام کتاب	——	ذخیرۃ الملوک (اُردو)
مصنف	——	امیر کبیر سیدعلی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم	——	محمد محی الدین جہانگیر
اشاعت اوّل	——	شوال المکرم ۱۴۲۸ھ/نومبر 2007ء
تعداد صفحات	——	۴۰۰
تعداد	——	۱۱۰۰
باہتمام	——	سید محمد شجاعت رسول شاہ قادری
ناشر	——	نوریہ رضویہ پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور
کمپوزنگ	——	ورڈز میکر
مطبع	——	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
کمپیوٹر کوڈ	——	1N-125
قیمت	——	[redacted] روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
انفال سنٹر اردو بازار کراچی
021-2630411

مکتبہ غوثیہ ہول سیل
پرانی سبزی منڈی کراچی
021-4910584

مکتبة المدينه
فیضان مدینہ کراچی
021-4126999

احمد بک کارپوریشن
اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی
051-5558320\

اسلامک بک کارپوریشن
اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی
051-5536111

مكتبة المدينه
اندرون بوہڑ گیٹ ملتان

مکتبہ رضویہ
آرام باغ روڈ کراچی
021-2216464

مکتبہ ضیائیہ
بوہڑ بازار راولپنڈی

مکتبہ بستان العلوم
کدھالہ آزاد کشمیر

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز داتا گنج بخش روڈ لاہور فون 7313885-7070063

مکتبہ نوریہ رضویہ، بغدادی جامع مسجد گلبرگ اے فیصل آباد فون: 2626046

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھم

صلِّ علیٰ سیّدنا ومولانا محمّدٍ وعلیٰ آلہٖ

وصحبہٖ وبارک وسلّم

مولاے صلِّ وسلِّم دائمًا ابدًا

علیٰ حبیبک خیرِ الخلقِ کلّھمِ

محمّدٌ سیّدُ الکونینِ والثّقلینِ

والفریقینِ من عُربٍ ومن عجمِ

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
عرضِ مصنف	۱۹
وجہ تسمیہ	۲۱
پہلا باب	۲۲
ایمان کے احکام	
تمہید	۲۲
حدیث نبوی ﷺ	۲۲
ایمان کے بنیادی اصول	۲۴
ایمان کے ارکان	۲۵
معرفتِ الٰہیہ	۲۶
عامۃ المسلمین کا ایمان	۲۷
ذات باری کی کبریائی	۲۸
صفاتِ الٰہیہ	۲۹
ایمان بالکتب	۲۹
ایمان کی شاخیں	۳۱
حدیث نبوی ﷺ	۳۲
امانت کی تلقین	۳۲
عدم ایمان	۳۳
شراب کی مذمت	۳۳
حدیث نبوی ﷺ	۳۴
حدیث نبوی ﷺ	۳۴
حدیث نبوی ﷺ	۳۴
حدیث نبوی ﷺ	۳۵
حدیث نبوی ﷺ	۳۵
حدیث نبوی ﷺ	۳۶
حدیث نبوی ﷺ	۳۶
اضافے کی وضاحت	۳۷
حدیث نبوی ﷺ	۳۸
حدیث نبوی ﷺ	۳۸
حدیث نبوی ﷺ	۳۸
حضرت عبداللہ کی روایت	۳۹
۹۹ بڑے سانپ	۳۹
حدیث نبوی ﷺ	۴۰
ایمان کی حقیقت	۴۰
توحید کا تیر	۴۱
دنیا کی دھوکہ بازی	۴۱
لا الٰہ کی حقیقت	۴۳
لم سن کا انجام	۴۳
حضرت ابودرداء کی قسم	۴۴
حضرت یحییٰ علیہ السلام	۴۴
حضرت زکریا علیہ السلام کا فرمان	۴۴

عنوان	صفحہ
حضرت ابراہیم علیہ السلام	۴۵
حضرت عمر کا واقعہ	"
حضرت ابوعبیدہ بن جراح کا واقعہ	"
عطاء سلمی کا واقعہ	"
نفسانی خواہشات کے پیروکار	۴۶
نگران فرشتے	۴۸
شیخ کیتانی کا واقعہ	"
قیامت کی ہولناکی	۴۹
داؤد طائی کا بیان	"
دوسرا باب	۵۱
حقوق بندگی کی ادائیگی کا بیان	
سب سے افضل نماز ہے	"
دوسرا مرتبہ زکوٰۃ کا ہے	"
نماز کا بیان	۵۲
کبیرہ گناہ کون سے ہیں؟	۵۵
شیخ ابوطالب مکی کا بیان	"
حضرت ابو ۔۔ رضی اللہ عنہ	۵۷
احیاء العلوم کی روایت	۵۸
نماز کی مثال	"
نماز کی معنوی حیثیت	۵۹
آخرت میں کامیابی	۶۰
طہارت کے مراتب	۶۱
باطنی عورت	"
سورہ فاتحہ کی کیفیت	۶۲
حضرت طلحہ کا واقعہ	۶۴
امام زین العابدین کا طرزِ عمل	"
سیدہ عائشہ صدیقہ کا بیان	"
حضرت موسیٰ کی طرف وحی	۶۵
نماز میں ارتکاز	۶۶
غافل کا ذکرِ الٰہی	۶۷
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل	"
زکوٰۃ کے احکام	۶۹
حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	"
حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	۷۲
زکوٰۃ کی معرفت	"
اہل ایمان کی اقسام	۷۴
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا واقعہ	"
عام مسلمان	۷۵
کم ہمت لوگ	۷۶
شکر کی ادائیگی	۷۷
حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	"
پوشیدہ ادائیگی	۷۹
اللہ تعالیٰ کا لطفِ خاص	"
اکابر کا طریقہ کار	۸۰
احسان جتلانے کا مفہوم	۸۱
سلف صالحین کا طریقہ	۸۲

عنوان	صفحہ
چھٹی شرط	۸۲
صاحبِ ثروت کا فرض	۸۳
پاکیزہ چیز کی ادائیگی	۸۴
مہمان نوازی	۸۵
تقویٰ	"
حضرت موسیٰ کا واقعہ	۸۶
علم	۸۷
حدیثِ نبوی ﷺ	"
عفت	۸۸
ضرورت واہمیت	۸۹
قرابت	"
ایک نیک شخص کا واقعہ	۹۰
تیسری قسم	"
روزے کے آداب وحقائق کا بیان	"
حدیثِ نبوی ﷺ	"
حدیثِ نبوی ﷺ	۹۱
روزے کی خصوصیت	"
انسانی ادراکات	"
حدیثِ نبوی ﷺ	۹۲
گفتگو کا خلاصہ	"
روزے کے درجات	۹۶
بایزید بسطامی کا قول	۹۸
حضرت موسیٰ کا واقعہ	"

عنوان	صفحہ
تیسرا باب	۱۰۱
حسن اخلاق کا بیان	
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ	"
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۱۰۵
حضرت عمر بن عبدالعزیز کا واقعہ	"
حضرت لقمان کا واقعہ	۱۰۶
انسان کے دو حقائق	"
شہوت اور غضب	۱۰۷
لوگوں کی اقسام	۱۰۸
اچھے اخلاق	۱۰۹
باطن کی صحت	۱۱۰
حضرت ابو میسر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل	۱۱۲
انسانی اخلاق کی بنیاد	۱۱۳
دنیاوی آزمائش	"
وراق کا قول	۱۱۴
حکایت	۱۱۵
سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان	"
زمانے کے حالات	۱۱۷
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب	۱۱۸
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا واقعہ	"
حضرت ابوبکر کا جواب	"
مالک بن دینار کا واقعہ	۱۱۹
ایک عمدہ مثال	"

عنوان	صفحہ
چوتھا باب	۱۲۱
حقوق العباد کا بیان	
پہلی قسم	"
والدین کے حقوق	"
حکایت	۱۲۴
والدین کی فرمانبرداری کی فضیلت	۱۲۵
دوسری قسم	۱۲۶
میاں بیوی کے حقوق	"
شیطانی حملے سے بچاؤ	۱۲۷
معاشرت	"
حکیم لقمان کا قول	۱۲۸
سیاست	۱۲۹
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان	"
غیرت	۱۳۰
چشم پوشی کی ترغیب	۱۳۱
نفقہ	"
تعلیم	۱۳۲
قسمت	"
سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	۱۳۳
تادیب	"
شوہر کے حقوق	۱۳۴
عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ	"

عنوان	صفحہ
دس حقوق	۱۳۵
تیسری قسم	"
اولاد کے حقوق	"
اولاد امانت ہے	۱۳۶
والدین کے لئے نصیحت	۱۳۷
بچے کی تعلیم وتربیت	۱۳۸
آداب کی تلقین	۱۳۹
دنیا کی حقیقت	"
تستری کا واقعہ	۱۴۰
چوتھی قسم	۱۴۱
غلاموں اور ماتحتوں کے حقوق	"
حضرت عوف رضی اللہ عنہ کا غلام	۱۴۳
غلام کے حقوق	"
پانچویں قسم	۱۴۴
دوست احباب کے حقوق	"
حضرت داؤد کی وحی	۱۴۵
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وحی	"
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان	۱۴۶
ہارون الرشید کا خط	"
شامی بادشاہ کا واقعہ	۱۴۷
جاہل اور احمق میں فرق	۱۴۸
فاسق کی دوستی	۱۴۹

عنوان	صفحہ
بدعتی کی دوستی	۱۴۹
امام جعفر صادقؒ کی نصیحت	"
جھوٹا شخص	"
احمق	"
بخیل	۱۵۰
ڈرپوک	"
فاسق	"
اخوت اور بھائی چارگی کا بیان	"
1- حق مال	"
حضرت خثیمہ کا واقعہ	۱۵۱
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ	"
2- حق معاونت	۱۵۲
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان	"
3- حق زبان	"
4- حق نفرت	۱۵۳
5- حق نصیحت	۱۵۴
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان	"
6- حق معافی	"
حضرت ابوذر غفاری کا فرمان	۱۵۵
7- حق وفا بعد از وفات	۱۵۶
شیخ اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان	"
حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ	۱۵۷
سچی محبت کی نشانی	۱۵۸

عنوان	صفحہ
پانچواں باب	۱۶۰
امور سلطنت کا بیان	
حضرت آدم علیہ السلام کا منصب	۱۶۵
حکایت	۱۶۶
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا	۱۶۷
حکایت	"
شاہی باورچی خانہ	"
چاندی کا فرش	۱۶۸
سبحان اللہ کی فضیلت	۱۶۹
سیّدہ خاتون جنت کا زُہد	"
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۱۷۱
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۱۷۲
ایک عظیم واقعہ	۱۷۳
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زُہد	۱۷۴
زُہد کا دوسرا واقعہ	"
زہد کا تیسرا واقعہ	۱۷۵
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مکتوب گرامی	"
حضرت علی رضی اللہ عنہ اور خوف آخرت	۱۷۶
حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اور مسند خلافت	"
حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا وقت رخصت	۱۷۷
مکتوب اور جوابی مکتوب	"
حکومت اہم ذمہ داری ہے	۱۷۸
حکایت	۱۷۹

عنوان	صفحہ
شرائط سلطنت	۱۸۰
شفیق بلخی کی نصیحت	۱۸۲
حضرت سلیمان کا واقعہ	۱۸۴
(1) شرعی فراست:	۱۸۵
(2) حکیمی فراست:	"
رعایا کے حقوق	۱۸۸
تکبر ناپسندیدہ چیز ہے	۱۸۹
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۱۹۰
شیخ قرطبی کا جواب	"
حضرت داؤد کی ایماء	۱۹۲
ذوالقرنین کی خوبیاں	۱۹۳
جنت کے بالاخانے	۱۹۴
عمدہ سلوک کی فضیلت	"
صلح کروانے کی فضیلت	۱۹۵
پردہ پوشی کی فضیلت	"
حضرت سلیمان علیہ السلام کا معمول	۱۹۹
غریب پروری کی فضیلت	"
اچھے حاکم کی فضیلت	۲۰۰
فلاح عامہ کی فضیلت	۲۰۱
مسجد تعمیر کرنے کی فضیلت	"
نہی عن المنکر	"
خیر خواہی کی فضیلت	۲۰۲
غیر مسلم رعایا کے حقوق	"

عنوان	صفحہ
چھٹا باب	۲۰۵
روحانی سیاست	
ہر شخص نگران ہے	"
عالم صغیر اور عالم کبیر	۲۰۶
روح نائب ہے	۲۰۷
مخلوق کی پانچ اقسام	۲۰۸
عمل کے دس مراحل	۲۱۰
علم کی تین صورتیں	۲۱۲
شیخ رازی کا بیان	۲۱۳
تورات کے الفاظ	"
حدیثِ قدسی	۲۱۴
حکمران کی چار صفات	۲۱۵
روح قدسی کی چار حالتیں	"
باتونی رعایا کی دو اقسام	۲۱۶
روح کی پہلی کیفیت	۲۱۷
روح کی دوسری کیفیت	"
روح کی تیسری کیفیت	۲۱۸
روح کی چوتھی کیفیت	"
سخاوت کی فضیلت	۲۱۹
حدیثِ قدسی	"
سخاوت کے تین پہلو	"
میانہ روی کی فضیلت	۲۲۰
نبی اکرم ﷺ کا جودوسخا	"

عنوان	صفحہ
آفات کے تازیانے	۲۲۲
روح کا بدنیت دشمن	"
(1) مومن محفوظ:	۲۲۳
(2) کافر مشرک:	"
(3) منافق غادر:	"
(4) عاصی مصر:	"
(5) فاسق متلون:	۲۲۴
آخرِ شب کی دُعا	"
موسم بہار:	۲۲۶
موسم گرما:	۲۲۷
موسم خزاں:	۲۲۸
موسم سرما:	"
جوروحانی سلطنت کے اثرات	۲۲۹
حدیثِ نبوی ﷺ	۲۳۰
ساتواں باب	۲۳۴
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بیان	
نہی عن المنکر کی اہمیت	"
امر بالمعروف کی فضیلت	۲۳۶
راستے کا حق	"
عذابِ الٰہی کا نزول	۲۳۷
لوگوں کی خرابی	"
حق گوئی کی ترغیب	۲۳۸
گناہ پر راضی رہنے کی مذمت	۲۳۹
نیک لوگوں کی موجودگی میں عذاب	۲۳۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال	"
ظالم کے سامنے حق گوئی	۲۴۰
گناہ کو کم تر سمجھنے کی مذمت	۲۴۱
دین خیر خواہی کا نام	"
نبی کے حواری	۲۴۲
احتساب کی بحث	۲۴۳
محتسب:	"
مروان کی بدعت	۲۴۴
ابوالحسن نوری کا معمول	"
محتسب:	۲۴۵
ہمارے زمانے کا رواج	۲۴۶
احتساب:	۲۴۷
محتسب کی چار حالتیں	۲۴۸
گناہ کی تین قسمیں	۲۴۹
رکن دوم: احتساب کا عمل	۲۵۰
منکر سے واقفیت:	"
منکر کی تعریف:	"
سختی:	۲۵۱
مٹا دینا:	۲۵۲
اس درجے کے آداب	"
مار پیٹ کا خوف دلانا:	۲۵۳
مار پیٹ کرنا:	۲۵۴

عنوان	صفحہ
لڑائی کرنا	۲۵۴
محتسب علیہ	۲۵۵
احتساب کے وجوب کے دو سبب ہیں	"
مال کی حفاظت کی دو صورتیں	۲۵۶
تکلیف کی تین صورتیں	۲۵۷
محتسب فیہ	۲۵۷
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۲۵۸
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوسرا واقعہ	"
پردہ پوشی کی حد	۲۵۹
اس مسئلے کے احتمالات	۲۶۰
منکرات کی اقسام	۲۶۱
مساجد کے منکرات	"
بازار کے منکرات	۲۶۳
راستے کے منکرات	۲۶۵
حمام کے منکرات	"
ضیافت کے منکرات	۲۶۶
اخراجات کے منکرات	۲۶۷
عام منکرات	"
آٹھواں باب	۲۶۹
شکر کا بیان	
فرمان الٰہی	۲۷۰
ہر رگ میں نعمت ہے	"
دنیا و آخرت کی بھلائی	"
دوست اور نافرمان	۲۷۱
نعمت کا اظہار	"
ہر حال میں شکر کرنا	"
شکر کا طریقہ	"
دعا کی فضیلت	۲۷۲
اللہ تعالیٰ پر اعتقاد	"
عبادت اور شکر	"
حضرت داؤد کی طرف وحی	۲۷۳
ناشکری کا وبال	"
دوسروں کی مدد کی ترغیب	"
شکر ایک مقام ہے	۲۷۴
حدیثِ نبوی ﷺ	۲۷۵
حدیث کا مفہوم	"
حضرت موسیٰ کا سوال	۲۷۷
عمل کی تین اقسام	۲۷۸
نعمت کی اقسام	۲۷۹
دو ذیلی اقسام	۲۸۰
لذت کی اقسام	۲۸۱
صدیقین کا شیوہ	"
علم کا کم تر مرتبہ	۲۸۲
دل کی موت	"
انسانوں کے چار مراتب	۲۸۴
آخرت کے مدارج	۲۸۵

عنوان	صفحہ
نعمت کی کیفیات	۲۸۷
موسمی اثرات	۲۸۹
ستاروں کے اثرات	"
ادراک اور حس	۲۹۰
چکھنے کی حس	۲۹۱
دیکھنے کی حس	"
مفلوج شخص کی مثال	۲۹۳
ہاتھ کی حکمت	"
دیگر اعضاء کی حکمت	۲۹۴
نظام انہضام کی حکمت	۲۹۵
کیموس کی وضاحت	۲۹۶
زندگی کی تقسیم	۲۹۷
ہڈیوں کی تقسیم	۲۹۸
حضرت ذوالنون مصری کا واقعہ	۲۹۹
غافلین کی کیفیت	۳۰۱
چند لوگوں کا نصیب	۳۰۲
تجدید دین	۳۰۴
شکر کی دس کیفیات	"
شاکرین کے تین درجات	۳۰۵
جنت کے احوال	۳۰۶
شکر کا تیسرا درجہ	۳۰۸
غافل لوگوں کی کیفیت	"
سانس کی نعمت	۳۰۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مناجات	۳۱۰
ایک بزرگ کی عادت	۳۱۱
ربیع کا معمول	"
نواں باب	۳۱۳
صبر کا بیان	
آداب بندگی	"
ایمان اور صبر	۳۱۴
صبر کا نتیجہ	"
محبوب بندہ	۳۱۵
نابینا کا اجر	"
مصیبت کا اجر	"
جسمانی تکلیف کا اجر	۳۱۶
تکلیف کی حکمت	"
پسندیدہ گھونٹ	۳۱۷
صبر کا اجر	"
سابقہ لوگوں کا صبر	۳۱۸
آزمائش کی حکمتیں	"
صبر نصف ایمان ہے	۳۱۹
صبر کی کمی	۳۲۰
جنت کا خزانہ	"
صبر کرنے والا مومن ہے	۳۲۱
صبر کی خوبی	"
تین سو درجات کا حصول	"

عنوان	صفحہ
صبر عبادت ہے	۳۲۲
پریشانی کے بعد آسانی	"
مومن کی دولت	"
حضرت داؤد کی طرف وحی	"
صبر دینی مقام ہے	۳۲۳
انسان اور فرشتے	۳۲۴
جنگ کا محاذ	۳۲۵
صبر و شکر کا تقابل	۳۲۶
پہلا بنیادی اصول	"
انبیاء کی سنت	۳۲۷
قیامت کے دن کا اجر	"
جنت میں داخلہ	۳۲۸
تقابل کا دوسرا پہلو	۳۲۹
اعمال کے اثرات	"
شکر کی صبر پر فضیلت	۳۳۰
صبر کی شکر پر ترجیح	۳۳۱
صبر سے مراد کیا ہے؟	"
کمیاب لوگ	۳۳۲
نفسانی خواہشات کا غلبہ	۳۳۳
مثال کے ذریعے وضاحت	۳۳۴
متوسط طبقے کے لوگ	۳۳۵
دینی جذبے کا غلبہ	۳۳۶
مطیع کی تین حالتیں	"

عنوان	صفحہ
مہاجر کون ہے	۳۳۸
صبر کی مشکل قسم	"
صبر کی ممنوع قسم	۳۳۹
زندگی کی حالت	۳۴۰
فانی دنیا	۳۴۱
ناگوار صورتحال	"
صبر کی اقسام	۳۴۲
نبی اکرم ﷺ کی دُعا	۳۴۳
فرمانِ الٰہی	"
مصیبت پر صبر	۳۴۴
رحم کی فضیلت	"
ظاہری و باطنی صبر	۳۴۶
ہر معاملے میں صبر	۳۴۷
دینی جذبہ کی تقویت	۳۴۸
دل کی خصوصیت	۳۴۹
دسواں باب	۳۵۲
تکبر اور تواضع کا بیان	
فنا اور بقاء	۳۵۳
بزرگ کا قول	"
جہنم کا وبال	۳۵۴
جنت حرام ہونا	"
متکبرین کا انجام	"
متکبرین کا حشر	۳۵۵

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
مرتے دم کیفیت	۳۵۵	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تواضع	۳۶۷
نعمت کا اظہار	"	سادہ لباس پہننے کی فضیلت	۳۶۸
جہنم کا ایندھن	۳۵۶	عمدہ لباس ترک کرنے کی فضیلت	"
شیر کے ذریعے عذاب	"	تکبر کا اظہار	۳۶۹
جنت میں داخلہ منع ہے	"	نسب پر فخر	"
غرور کا انجام	۳۵۷	فخر کا علاج	"
رحمت سے محرومی	"	جہنمی آباؤ اجداد	۳۷۰
ایک شدید وعید	"	اجداد پر فخر کی وعید	۳۷۱
شدید مذمت	۳۵۸	حسن پر تکبر	"
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان	"	طاقت کا تکبر	۳۷۲
تکبر کی اقسام	"	مال کی وجہ سے تکبر	۳۷۳
حقیقت تکبر	۳۵۹	کثرت کی بدولت تکبر	"
نبی اکرم ﷺ کی دعا	"	علم کی وجہ سے تکبر	۳۷۴
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان	"	تکبر علم کے اسباب	۳۷۵
تکبر کی آفت	۳۶۰	قاری کا تکبر کرنا	۳۷۶
بدترین تکبر	۳۶۱	عبادت پر تکبر	۳۷۷
بدبختی کی انتہا	"	عقلمندی کیا ہے؟	۳۸۰
ظاہر و پوشیدہ تکبر	۳۶۲	تواضع کی فضیلت	۳۸۱
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان	۳۶۳	فرشتوں کی دعا	"
نبی اکرم ﷺ کی تواضع	۳۶۴	مقصد کا حصول	"
نبی اکرم ﷺ کی احتیاط	۳۶۴	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد	۳۸۲
اخلاق [illegible]	۳۶۵	ابن مالک کا فرمان	"
خود کام کرنا سنت ہے	۳۶۶	تواضع کے آداب	۳۸۳

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۸۳	غضب کا بیان		
۳۸۴	غصے پر قابو پانے کی فضیلت		
۳۸۵	غضب کا اظہار		
۳۸۶	غصے میں افراط وتفریط		
۳۸۸	غضب کا جوہر		
"	غصے سے نجات کا طریقہ		
۳۹۰	غصے کا علاج		
۳۹۴	تکبر ختم کرنے کا طریقہ		
۳۹۵	انسان کی حیثیت		
۳۹۶	انسان کی درمیانی حالت		
۳۹۷	آخری حالت		
۳۹۸	مقبولانِ بارگاہ اور خوفِ الٰہی		
۴۰۰	حرفِ اختتام		

العقد الثمین من کلام محی الدین

عرض کی گئی..... مطالعہ تصوف کے تمہیدی اصول کیا ہیں؟

ارشاد فرمایا..... عام طور پر قرآن پاک کے بارے میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ صرف تشریعی احکام کا مجموعہ ہے۔ حالانکہ حقیقت ہے کہ قرآن کی صرف 500 آیات ایسی ہیں جو ''فقہی عملی'' احکام سے متعلق ہیں' دیگر آیات میں طبیعات' مابعد الطبیعیات' نفسیات' الٰہیات' تکوینیات وغیرہ جیسے دیگر موضوعات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

اسی طرح احادیث وفقہ کے مجموعہ جات جن ادوار میں مرتب کیے گئے ہیں' ان میں عبادات کی طرف رجحان زیادہ تھا اس لیے احادیث کے مجموعہ جات اور فقہی کتب کے مطالعے سے فوری تاثر یہی سامنے آتا ہے کہ حدیث وفقہ کا موضوع صرف ''عبادات'' ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ عبادات اسلامی تعلیمات کا اہم جزو ہیں' لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلام' محض عبادات کا مجموعہ ہے۔

اگر آپ بنظرِ غائر جائزہ لیں' تو اسلام ایک باقاعدہ نظام ہے جو زندگی کے ہر پہلو اور ہر پہلو کی جملہ جزئیات پر محیط ہے۔ اسلامی علوم وفنون کی ترتیب بندی کے دوران اگر مخصوص پس منظر کی وجہ سے بعض پہلو نمایاں ہو گئے ہیں۔ تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں نکلتا کہ فی نفسہٖ اسلام کی نظر میں دیگر پہلو کم اہم ہیں۔ کیونکہ اسلام ایک ضابطہ ہے' ایک قانون ہے جو اپنی تمام تر جزئیات سمیت قابل احترام اور واجب العمل ہوتا ہے۔

اسلامی علوم وفنون میں تصوف کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے اور عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد صرف ''اخلاقی تعلیمات'' ہونا چاہیے' اور جن حضرات نے تکوینی و طبیعاتی موضوعات پر گفتگو کی ہے انہوں نے درست نہیں کیا۔

حالانکہ یہ ایک بنیادی غلط فہمی ہے کہ تصوف' صوفیاء کہلانے والے کسی مخصوص طبقے' خانقاہ کہلانے والی کسی مخصوص عمارت تک محدود ہے۔ تصوف' ایک ہمہ جہت روایت ہے' جو

ہر مسلمان کی زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہے۔ جیسے فقہ کو آپ نماز اور وضو تک محدود نہیں کر سکتے‘ بالکل اسی طرح آپ تصوف کو محض ’’وجد وحال‘‘ قرار نہیں دے سکتے۔

ہر زمانے کے صوفیاء نے اپنے عہد کے مخصوص رجحانات اور ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف پہلوؤں سے تصانیف مرتب کی ہیں۔ ان میں طبعزاد تصانیف بھی شامل ہیں اور مکتوبات و ملفوظات کے مجموعے بھی ہیں۔ اس لیے ’’فن تصوف‘‘ سے متعلق کسی بھی کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھی جائے‘ کہ کتاب کونسی ہے؟ اس کا مصنف کون ہے؟ اس کے ذاتی رجحانات کیا ہیں؟ کتاب کا عمومی موضوع اور طرز تحریر کیا ہے؟ ’’فن‘‘ کے کون سے پہلوؤں کو اس کتاب میں زیر بحث لایا گیا ہے؟ وغیرہ

اگر آپ اجمالی طور پر تصوف کی تاریخ کا جائزہ لیں تو یہ صورت حال سامنے آئے گی۔

1- ابتدائی زمانے کے صوفیاء تربیتِ نفس پر بہت زیادہ زور دیتے تھے اور علمی طریق کار پر عملی تجربات کو ترجیح دیتے تھے۔

2- پھر تصنیف و تالیف کا دور آیا جس میں انسانی نفسیاتی کمزوریوں‘ ان کے اسباب‘ نتائج اور حل کو موضوعِ بحث بنایا گیا۔

3- پھر تصنیف و تالیف میں قرآنی آیات‘ احادیث نبویہ‘ سلف صالحین کے اقوال و حکایات کے ذریعے وعظ و نصیحت کا طرز اختیار کیا گیا۔

4- پھر شیخ اکبر کا زمانہ آتا ہے جنہوں نے سب سے پہلے باقاعدہ طور پر طبیعات و مابعد الطبیعات کو موضوعِ بحث بنایا۔

5- پھر نقل و حکایت کا زمانہ آیا‘ جس میں متقدمین کے اقوال و احوال پر مشتمل حکایات نقل کرنے کو کافی سمجھا گیا۔ جن میں کرامات کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔

6- چھٹا اور آخری دور اُمتِ مسلمہ کے اجتماعی زوال کا دور ہے جس کا اثر ہر علم اور طبقے پر پڑا۔ تصوف اور صوفیاء بھی ان اجتماعی اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے‘ یہ وہ زمانہ ہے جس میں مخصوص رسوم کو ’’تصوف و طریقت‘‘ اور محض ان رسوم کی مخالفت کو ’’اصلاح و شریعت‘‘ کا نام دیا گیا۔

اب تو ہم گھر سے نکلتے ہیں‘ تو رکھ دیتے ہیں
طاق پر‘ عزتِ سادات بھی‘ دستار کے ساتھ

عرضِ مصنف

بے حد حمد اور بے شمار تعریف اس حقیقی بادشاہ کے لیے مخصوص ہے۔ جس نے حکمی سیاست کے تحت دنیا کی مملکت میں بسنے والوں کے لیے ایک مخصوص نظام عطا کیا۔ وہ ایسا حکیم ہے جس نے معنوی مملکت کو مکارم اخلاق اور محاسن اوصاف کی بنیادوں کے استحکام کا انتظام کیا۔ وہ ایسا قاہر ہے کہ اس کے قہر کا رعب زبردست جابروں کو پست کر دیتا ہے اور وہ ایسا عادل ہے کہ اس کے عدل کی مہربانی ضعیف مظلوموں کی دعاؤں کو اجابت کی بلندی اور قبولیت کے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔

پاکیزہ صلوٰۃ اور ہمیشہ بڑھنے والا درود صاحب لوائے اعظم اور واضع شرع اکرم حضرت محمد ﷺ پر نازل ہو اور آپ ﷺ کے اہل بیت پر نازل ہو کہ وہ ولایت کے انوار کی منزل میں نیز آپ ﷺ کے اصحاب پر نازل ہو کہ وہ ہدایت کے آثار کا مینار ہیں۔

امابعد! بندہ عاجز علی بن شہاب الدین ہمدانی عفی اللہ عنہ بکرمہ و وفقہ بشکر نعمۃ عرض گزار ہے کہ کافی عرصے سے مختلف ملوک و حکام اور معززین دینی امور کی اصلاح کے سلسلے ہی کی کوشش میں مصروف تھے کہ دل کا آئینہ گناہوں اور ناپاکیوں کے غبار سے پاک رکھیں کثر اللہ تعالٰی فی الدنیا امثالھم وحسن فی الأخرۃ مالھم و منالھم واموالھم۔ مجھ سے ان کی محبت کا جو تعلق تھا اس کے باعث یہ حضرات مسلسل اصرار کرتے رہے کہ میں ایک ایسی بلند کتاب ترتیب دوں جس سے ہر خاص و عام مستفید ہو سکے لیکن کچھ ذاتی تردد

اور کچھ حالات کی گردش کے باعث یہ معاملہ تاخیر کا شکار ہوتا رہا لیکن اب ایک قریبی عزیز کے شدید اصرار پر میں نے (اس کتاب کی تصنیف کا) مضبوط ارادہ کیا اور یوں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی بدولت یہ مختصر کتاب مرتب ہوگئی جو ظاہری و باطنی سلطنت کے قواعد اور لوازمات پر مشتمل ہے۔ اس میں حکمرانی سے متعلق احکام بھی بیان کئے گئے ہیں اور دنیا و آخرت کی سعادات کے حصول کے طریق کار کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ میں نے اس کتاب کو دس ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

- پہلے باب میں ایمان، اس کے احکام، شرائط، ایمان میں کمال کے لوازمات کا ذکر کیا گیا ہے جن کے باعث بندہ مومن دنیا و آخرت کے عذاب سے محفوظ ہوکر ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کو حاصل کر لیتا ہے۔
- دوسرے باب میں فرائض بندگی کی ادائیگی اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا تذکرہ ہے۔
- تیسرے باب میں اچھے اخلاق سے متعلق گفتگو کی گئی ہے اور اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ حکام اور سلاطین کو خلفائے راشدین کی سیرت کی پیروی کرنی چاہئے۔
- چوتھے باب میں والدین، میاں بیوی، اولاد، غلاموں اور دوستوں کے حقوق بیان کئے گئے ہیں۔
- پانچویں باب میں ظاہری حکومت کے آداب، شرائط، ذمہ داریوں اور رعایا کے حقوق کا تذکرہ ہے۔
- چھٹے باب میں معنوی سلطنت کی تشریح اور روحانی سلطنت کے اسرار بیان کئے گئے ہیں۔
- ساتویں باب میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر گفتگو کی گئی ہے۔
- آٹھویں باب میں شکر کی حقیقت، اہمیت اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے متعلق بعض دقیق نکات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔
- نویں باب میں صبر اور اس کے لوازمات بیان کئے گئے ہیں۔
- دسویں باب میں غرور، تکبر اور غضب کی مذمت، ان کی حقیقت اور ان سے بچنے کے

طریق کار کی وضاحت کی گئی ہے۔

وجہ تسمیہ

کیونکہ یہ کتاب بعض حکمرانوں کے اصرار پر تحریر کی گئی ہے اس لئے میں نے اس کا نام ''ذخیرۃ الملوک'' تجویز کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے قوی امید ہے کہ وہ اپنے فضل وکرم کی بدولت اس کتاب کو پڑھنے، لکھنے اور عمل کرنے والوں کے لیے ابدی سعادت کا ذخیرہ اور آخرت میں راحت کے حصول کا وسیلہ بنائے گا۔ بیشک وہ دعائیں قبول کرنے والا اور توفیق عطا کرنے والا ہے۔

پہلا باب

ایمان کے احکام

تمہید

اس باب میں ایمان کے احکام، اس کی شرائط، ایمان کے کمال کے لوازمات سمیت اس بات کی وضاحت کی جائے گی کہ ایمان انسان کو ابدی عذاب سے بچانے اور دائمی نعمتوں کے حصول کا بنیادی سبب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

"فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَاؕ"

''پس تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اس نور (یعنی قرآن) پر، جسے ہم نے نازل کیا۔''

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عن عمر بن الخطاب قال بینما نحن عند رسول الله ذات یوم اذدخل علینا رجل شدید بیاض الثیاب شدید سواد الشعر لایری علیه اثر السفر ولا یعرفه منا احد حتی جلس الی النبی واسند رکبتیه الی رکبتیه ووضع کفیه علی فخزیه وقال یا محمد! اخبرنی عن الاسلام قال الاسلام ان تشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله وتقیم الصلوة وتؤتی الزکوة وتصوم رمضان وتحج البیت ان استطعت الیه سبیلا قال صدقت غجبناله بساله واصدقه قال فاخبرنی عن الایمان قال ان تؤمن بالله وملٰکته

وکتبہ ورسولہ والیوم الآخر والقدر خیرہ وشرہ قال صدقت قال فاخبرنی عن الاحسان قال ان تعبد اللّٰہ کانک ترٰہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك وقال فاخبرنی عن الساعة قال ما المسئول عنها باعلم من السائل قال فاخبرنی عن اماراتها قال ان تلد الامة ربتها وان تری الحفاة العراة العالة رعاء الشایت طاولون فی البنیان قال ثم انطلق فلبثت ملیاثم قال لی یاعمر اتدری من السائل قلت اللّٰہ ورسولہ اعلم قال فانہ جبریل اتاکم یعلمکم دینکم۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ایک مرتبہ ہم بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر تھے کہ اسی دوران ایک شخص نمودار ہوا جس نے سفید براق کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس کے بال انتہائی سیاہ تھے، بظاہر اس پر سفر کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے (جس کا مطلب یہ ہے وہ کہ مسافر محسوس نہیں ہوتا تھا) اور ہم میں سے کوئی بھی اسے نہیں جانتا تھا (جس کا مطلب ہے کہ وہ مدینہ منورہ کا رہائشی نہیں تھا) وہ آگے بڑھ کر نبی کریم ﷺ کے قریب آ کر یوں بیٹھ گیا کہ اس نے اپنے دونوں گھٹنے نبی اکرم ﷺ کے گھٹنوں سے ملا دیئے اور اپنے دونوں ہاتھ نبی کریم ﷺ کے زانوؤں پر رکھے، پھر دریافت کیا اے محمد! (ﷺ) مجھے ایمان کے بارے میں بتائیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، آخرت کے دن اور اچھی یا بری تقدیر کے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہونے پر ایمان لاؤ۔ اس نے کہا آپ ﷺ نے سچ فرمایا، پھر وہ بولا اے محمد (ﷺ)! آپ مجھے اسلام کے بارے میں بتائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور بے شک محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (نیز) نماز قائم کرو، زکوٰۃ

ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور اگر استطاعت میسر ہو تو حج کرو، (یہ سن کر) اس نے کہا آپ ﷺ نے سچ فرمایا، ہمیں اس بات پر حیرت ہوئی کہ وہ شخص خود نبی کریم ﷺ سے سوال کرتا ہے اور پھر خود ہی آپ ﷺ کی تصدیق کرتا ہے۔ پھر اس نے عرض کی اے محمد (ﷺ)! آپ مجھے احسان کے بارے میں کچھ بتائیں؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھتے (تو اس بات کا یقین کرلو) کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس نے دوبارہ کہا آپ ﷺ نے سچ فرمایا، پھر اس نے دریافت کیا اے محمد (ﷺ)! آپ مجھے قیامت (کے معین وقت) کے بارے میں بتائیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس سے سوال کیا گیا ہے، اس بارے میں اس کا علم سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں ہے۔ اس شخص نے کہا پھر آپ ﷺ مجھے اس کی علامات کے بارے میں بتائیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب باندی اپنے آقا کو پیدا کرے اور تم ننگے پاؤں چلنے والے، بکریوں کے چرواہے، غریب لوگوں کو بلند عمارتیں (تعمیر کرکے) ان پر فخر کرتے دیکھو (تو سمجھ لو کہ قیامت قریب ہے) پھر وہ شخص چلا گیا۔ کچھ دیر بعد نبی کریم ﷺ نے مجھ سے دریافت کیا اے عمر! تمہیں پتہ ہے کہ یہ شخص کون تھا؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ بہتر جانتے ہیں تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام تھے جو تمہیں دین کی تعلیم دینے کے لیے آئے تھے۔

ایمان کے بنیادی اصول

اس حدیث سے اس بات کی وضاحت ہوجاتی ہے کہ ایمان کی بنیاد چھ اصولوں پر قائم ہے:

(1) معرفت الٰہیہ،

(2) کتب مقدسہ کی معرفت،

(3) انبیاء اور مرسلین کی معرفت،

(4) فرشتوں کے وجود، ان کے درجات کی اقسام اور ان کے طبقات کی معرفت،

(5) حشر و نشر کی معرفت'

(6) دنیا میں پیش آنے والی ہر اچھائی اور برائی تقدیر کی تابع ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ اصولوں پر قائم ہے۔

(1) کلمہ شہادت، (2) نماز، (3) روزہ، (4) زکوٰۃ (5) حج۔

ان پانچ اصولوں میں سے آخری دو یعنی زکوٰۃ اور حج غریب آدمی سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح پانچواں اصول یعنی حج بھی ایک اور صورت میں ساقط ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ اگر حاکم وقت کے حج کرنے کی وجہ سے مملکت میں بدامنی پھیل جانے کا اندیشہ ہو تو اس حاکم سے حج ساقط ہو جاتا ہے۔

ایمان کے ارکان

ملت اسلامیہ کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ ایمان کی اصل دل کی تصدیق ہے لیکن وہ کامل ایمان جس کی وجہ سے دوزخ سے نجات اور جنت کے بلند مراتب کا حصول ممکن ہوگا اور جس کے ذریعے قرب الٰہی نصیب ہو اس کی بنیاد پر 4 اصولوں پر مشتمل ہے جن میں سے ہر ایک کامل ایمان کے رکن کی حیثیت رکھتا ہے اور جس شخص کا ایمان ان چاروں ارکان پر استوار ہو وہ بارگاہ خداوندی کے مقربین میں شامل ہو جاتا ہے۔ (وہ چاروں ارکان درج ذیل ہیں)

—(1) دل کے ذریعے تصدیق،

— (2) زبان کے ہمراہ اقرار،

— (3) جسم کے ذریعے عمل

— (4) سنت کی پیروی۔

جو شخص ان چاروں سے محروم ہو وہ مطلقاً کافر ہے۔ اسی طرح جو شخص زبان سے اقرار

کرتا ہے لیکن اس کا دل تصدیق سے عاری ہو وہ منافق ہے اور منافق کا انجام کافر سے بھی بدتر ہے کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے:

اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ

''منافق دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے''۔

جو شخص زبان سے اقرار کرتا ہے اور دلی طور پر تصدیق بھی کرتا ہے لیکن جسمانی طور پر عمل نہیں کرتا وہ فاسق ہے اور اپنے گناہوں کے حساب سے دوزخ کے عذاب کا ذائقہ چکھے گا جس کی کم از کم مدت ایک لمحہ اور زیادہ سے زیادہ مدت 70 ہزار سال ہے۔ احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہے کہ ایسا شخص اپنے ایمان کے نور کی بدولت آخر کار اس عذاب سے نجات پا جائے۔

جو شخص دل سے تصدق کرتا ہے، زبان سے اقرار کرتا ہے، اپنے اعضاء و جوارح کے ذریعے عمل بھی کرتا ہے لیکن سنت کی پیروی نہیں کرتا، ایسا شخص بدعتی ہے اور بدعتی جہنم کا مستحق ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اھل البدع کلاب اھل النار

بدعتی لوگ، جہنمیوں کے کتے ہیں۔

معرفتِ الٰہیہ

جب آپ کو یہ بات پتہ چل گئی کہ ایمان کی حقیقت 6 اصولوں پر موجود ہے جن میں پہلا اصول معرفت الٰہیہ ہے۔ اب آپ یہ بات سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس دشت کے پیاسوں کی پیاس کبھی ختم نہیں ہوگی اس تمام کائنات کی ایجاد اور جملہ مخلوقات کی تخلیق اسی اصل کی مرہون منت ہے۔ انبیاء و مرسلین، اولیاء و اصفیاء اور فرشتوں، علماء کرام، جنات اور تمام بنی نوع انسان نے معرفت الٰہیہ کے بارے میں جو سمجھا، جو دیکھا، جو جانا اور جو بیان کیا اس کی مثال اللہ تعالیٰ کی عزت وجلال کے سامنے ایسی بھی نہیں ہے جو ایک بیقراں سمندر کے سامنے ایک قطرے کی حیثیت ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَاقَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اس طرح نہیں پہچانا جو پہچاننے کا حق تھا اور نہ ہی وہ اپنے علم کے ذریعے ذات باری تعالیٰ کا احاطہ کر سکتے ہیں۔

جلیل القدر انبیاء اور اکابر اولیاء میں سے ہر ایک کو اس کی ریاضت و مجاہدے کے مطابق معرفت الٰہیہ کے بحر ذخار میں سے ایک چشمے کا مخصوص مشرب عطا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر عارف جو میدان طریقت کا شاہسوار ہو اور عالم حقیقت کا پیشرو ہو، اپنے نفس کے تزکئے اور قلب کے تصفیے کے مطابق معرفت الٰہیہ کے اسرار کے خزانوں میں سے کسی ایک خزانے کے بارے میں اطلاع حاصل کرتا ہے۔ (معرفت الٰہیہ کے) ان سچے موتیوں کو عام لوگوں کے سامنے پیش نہیں کیا جانا چاہئے۔ اسی طرح ان معانی کے نور کی سطوت (عقل کے) اندھوں کو نہیں دکھانی چاہئے۔ اب بوجھ جسے زمین و آسمان نہ اٹھا سکے اسے ایک کم ہمت، کمزور، گھٹیا، مردار دنیا کا کتا کس طرح اٹھا سکتا ہے۔ البتہ عامۃ المسلمین کے ایمان کی درستگی کے لیے (معرفت الٰہیہ کے باب میں) درج ذیل باتوں کا علم ضروری ہے۔

عامۃ المسلمین کا ایمان

اللہ تعالیٰ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اس کی کوئی مثل نہیں ہے۔ وہ ایسا بے نیاز ہے کہ کوئی اس کی ضد نہیں ہے۔ وہ ایسا قدیم ہے جس کی قدامت کا کوئی آغاز نہیں ہے۔ وہ ایسا قیوم ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے، وہ ازل سے ہے اور اس کے اوّل ہونے کی کوئی ابتداء نہیں ہے، وہ ابد تک رہے گا، لیکن اس کے وجود کی کوئی انتہا نہیں ہے، وہ ایسا ظاہر ہے جس کے ظہور کی وضاحت و بیان سے (مخلوقات) عاجز ہیں۔ وہ ایسا باطن ہے جس کے باطن ہونے کے اسرار کی حقیقت تک کسی بھی مخلوق کی رسائی نہیں ہے، وہ ایسا حیی (زندہ) ہے کہ پوری کائنات کا وجود اس کی رحمت کے فیض کا ایک قطرہ ہے، وہ ایسا عالم ہے کہ تمام معلومات اس کے علم کے دائرے کا ایک نقطہ ہیں۔ وہ ایسے ارادہ کا مالک ہے کہ تمام مرادیں (یعنی ہر وہ بات جس کا ارادہ کیا جائے) اس کی مشیت کی کتاب کا ایک حرف ہیں، وہ ایسا قدرت رکھنے والا ہے کہ تمام مقدورات اس کے قبضہ قدرت کے ماتحت ہیں، وہ ایسا سننے والا

ہے کہ مختلف زبانیں، جداگانہ خیالات، ذہن میں آنے سے پہلے اور آواز کی شکل اختیار کرنے سے پہلے ہی اس کے علم میں ہیں، وہ ایسا دیکھنے والا ہے کہ تحت الثریٰ میں حرکت کرتی ہوئی چیونٹی بھی اس سے اوجھل نہیں، وہ ایسا کلام کرنے والا ہے کہ تمام مخلوقات کی گردنوں میں (تکوینی اور تشریعی) احکام کا قلادہ اسی کی صفت گویائی کا نتیجہ ہے، وہ ایسا لطیف ہے کہ اس کی ذات، جسم، جوہر، عرض، صورت، کیفیت، کمیت، مقدار، جہات، اقطار، کیسے، کہاں وغیرہ سے پاک ہے۔ وہ کسی کی مانند نہیں ہے اور کوئی بھی اس کی مانند نہیں ہے۔ وہ کسی مخصوص مقام پر یا کسی مخصوص مکان میں مقید نہیں ہے جبکہ کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جو اس کی قدرت، ارادے اور علم کے احاطے سے خارج ہو۔ اسکی ذات کی ایک مقام کے ساتھ مخصوص ہونے، کسی ایک جگہ ٹھہرنے، لمبائی، قریب ہونے، دور ہونے، زمان و مکان (کی پابندیوں)، حالت کی تبدیلی، حادثات، عوارض، زوال، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی وغیرہ سے منزّہ و مبرا ہے۔

ذات باری کی کبریائی

اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی رفعت و بلندی کا عالم یہ ہے کہ اس کے سامنے عرش، تحت الثریٰ کی مانند پست ہے، لیکن اس کے سامنے عرش کی بلندی اور تحت الثریٰ کی پستی کا حکم یکساں ہے۔ اس رفعت جلال اور عظمت کمال کے باوجود اس کی شان یہ ہے کہ وہ انسان کی اپنی جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہے، دل میں پیدا ہونے والے خیال سے بھی زیادہ دل کے قریب ہے، روح سے زیادہ جسم کے قریب ہے، بینائی سے زیادہ آنکھ کے قریب ہے، سماعت سے زیادہ کان کے قریب ہے، گویائی سے زیادہ زبان کے قریب ہے، اس قربت سے مراد کیا ہے؟ وہ کیفیت جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے، اس سے مراد ہرگز وہ قرب نہیں ہے، جو ہماری ناقص عقول، عرف عام میں مراد لیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی بھی عیب یا نقص کے شائبے سے بھی پاک ہے، اللہ تعالیٰ کبریائی و کمال اور عظمت و جلال کی صفات کے ساتھ آج بھی اسی طرح متصف ہے جیسے ازل میں تھا اور ابدالآباد تک اسی طرح متصف رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کی عظمت، اس کی صفات کے انوار کی شکل میں ہی ظاہر ہوتی ہے اور اس کی صفات کے انوار کا اس وقت تک تصور نہیں کی جاسکتا جب تک اس کی ذات کی تجلیات کا وسیلہ موجود نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر کوئی بھی شخص قرب الٰہی حاصل نہیں کرسکتا اور اسکی مشیت کے بغیر کوئی بھی شخص اسکی صفات کی بابت نہیں جان سکتا۔ اس کی ذات کی تجلیات کا مشاہدہ اس کی معرفت کے نور کے بغیر ممکن نہیں ہے، اگر وہ چاہے تو اپنی جملہ مخلوقات میں سے کم تر مخلوق کو اپنی معرفت عطا فرمادے اور اگر اس کی مرضی نہ ہو تو زمین و آسمان بھی اس کی معرفت کا بوجھ نہ اٹھا پائیں۔

اس دنیا میں کسی بھی شخص کو جو بھی بلائیں، عذاب، رنج، قحط، خوف، مشقت، ذلت اور دیگر مصائب پیش آتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کے عدل کی نشانیاں ہیں۔ اسی طرح جس شخص کو جو بھی راحت، آسانی، فراخی، کامرانی، خوشی، فراغت، امن، سعادت، جیسی نعمتیں نصیب ہوتی ہیں۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح جو کچھ ہوچکا ہے جو ہوگا، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ، پوشیدہ ہو یا ظاہر، کفر ہو یا ایمان، عطا ہو یا حرمان (محرومی) سود (منافع) ہو یا زیاں (خسارہ) فائدہ ہو یا نقصان، غرضیکہ راحت، مشقت، اطاعت، معصیت، دولت، محنت سب کچھ اس کی مشیت اور مقرر کردہ تقدیر کی بدولت ہے کوئی بھی چیز اس کے ارادے اور مشیت سے خارج نہیں ہے اس نے جو چاہا وہ کیا' اور وہ جو چاہے گا کرے گا اس کی مقرر کردہ تقدیر کو کوئی بھی پلٹ نہیں سکتا اور اس کے حکم کو کوئی بھی لوٹا نہیں سکتا۔

صفاتِ الٰہیہ

جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے علم اور قدرت کے اعتبار سے ہر شے کا علم رکھتا ہے، اسی طرح وہ کانوں کے واسطے کے بغیر سمیع، آنکھوں کے واسطے کے بغیر بصیر اور زبان کے واسطے کے بغیر متکلم ہے، نزدیکی و دوری، چھوٹا پن اور بڑا پن، تاریکی و روشنی، سننا، دیکھنا اور بولنا سب اس کے لیے ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں۔

ایمان بالکتب

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو غیب کی جو اطلاعات دی ہیں جیسے جنت کی نعمتیں اور جہنم کا

عذاب، اس طرح حق و باطل میں فرق، بعض اشیاء کا حلال اور بعض دیگر اشیاء کا حرام ہونا، بعض احکام بجالانے کا حکم دینا اور بعض امور کے ارتکاب سے روک دینا، یہ سب کچھ حق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام پر جو کتب نازل فرمائی ہیں وہ سب اس کا کلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات قدیم ہیں، اللہ تعالیٰ کی صفت کلام حروف اور آوازوں کی محتاج نہیں ہے، البتہ اس کلام کو کتابی شکل میں تحریر کیا جاتا ہے، زبان کے ذریعے اسے پڑھا جاتا ہے اور دل میں اسے یاد (حفظ) کیا جاتا ہے، لہٰذا تحریر، قرأت کے الفاظ اور حفظ کرنا یہ سب مخلوق (کے خواص میں سے) ہے، البتہ جسے تحریر، قرأت، حفظ کیا گیا ہے وہ مخلوق نہیں ہے۔
یہ دنیا، عالم بقا (آخرت) کے مسافروں کے لیے ایک سرائے کی حیثیت رکھتی ہے، اور بارگاہ ربّ العزت میں حاضری کے طالبوں کے لیے ایک گزرگاہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہر انسان کو یہاں کچھ وقت گزارنا پڑتا ہے تاکہ اس سرائے میں قیام کی مہلت کے دوران، آخرت کی اس کھیتی میں سے، وہ اپنا زادِ راہ تیار کر لے تاکہ ابدی سعادت حاصل کر سکے اور زادراہ اور سواری کے بغیر وہ قیامت کے (ہولناک) جنگل میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرے۔

انبیاء کرام علیہم السلام نے جن امور کی اطلاع دی ہے انہیں حق سمجھے جیسے زندگی کی مدت، رزق کا مقرر ہونا، قبر کا عذاب، منکر نکیر کے سوالات، قیامت کے دن قبروں سے دوبارہ اٹھایا جانا، حشر و نشر، ترازو، حساب، پل صراط، حوض کوثر، دیدار الٰہی، جنت کے درجات، دوزخ کے گڑھے، انبیاء، اولیاء، علماء کرام اور اہل ایمان کی شفاعت (کا مقبول ہونا) یہ سب حق ہے اور ان سب پر ایمان لانا واجب ہے۔
مخلوق میں انبیاء کرام کو سب سے افضل ماننا چاہئے اور انبیاء میں سے رسل افضل ہیں اور رسولوں میں سے اولوالعزم رسل افضل ہیں جو 6 ہیں یعنی حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد علیہم السلام، پھر حضرت محمد ﷺ تمام انبیاء کے سردار ہیں کیونکہ جب آپ ﷺ کے وجود مسعود کی بدولت درجۂ نبوت اپنے

کمال تک پہنچا تو آپ نے مراتب نبوت کا اختتام فرمایا (یعنی آپ کے بعد کوئی دوسرا شخص نبی نہیں ہوسکتا)۔

انبیاء کرام کے بعد نبی کریم ﷺ کے صحابہ، تمام مخلوق میں سب سے افضل ہیں اور صحابہ کرام میں خلفائے راشدین یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم دیگر تمام صحابہ سے افضل ہیں۔

اجمالی طور پر ایمان کے اصولوں کی اتنی معرفت کا حصول تمام مسلمانوں پر واجب ہے اور جو شخص ایمان کے حقائق کے بارے میں مندرجہ بالا چیزوں کا علم نہیں رکھتا اس کا ایمان خطرے میں ہے، ہم پہلے اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ نیک اعمال، ایمان کے کمال کا ایک حصہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید، فرقان حمید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں ایمان کا ذکر کیا ہے اس کے ہمراہ اعمال صالحہ کا بھی ذکر کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے۔

قرآن مجید میں کئی مقامات پر اسی طرز پر خطاب کیا گیا ہے۔ نیک اعمال کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ خود نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے ایمان کی 70 سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی احادیث منقول ہیں۔ ان احادیث میں مختلف طرح کے اعمال صالحہ کی وضاحت کی گئی ہے۔ بعض احادیث میں ان اعمال کا ذکر کیا گیا ہے جو امر اور نہی سے متعلق ہیں۔ بعض احادیث میں حرام اور مکروہ اعمال سے گریز کی تلقین کی گئی ہے۔ ہم یہاں چند معتبر روایات نقل کریں گے۔

ایمان کی شاخیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ایمان کی شاخیں 70 سے کچھ زیادہ ہیں جن میں سب سے افضل اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اور ایمان کی سب سے ادنیٰ قسم راستے سے نقصان پہنچانے والی چیز کو ہٹا دینا ہے اور حیا بھی ایمان کی

ایک شاخ ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز لوگوں کے لیے نقصان دہ ہو اگر اسکا ارتکاب انسان کی اپنی ذات سے ہو تو اس سے اجتناب کیا جائے اور اگر کوئی دوسرا اس کا مرتکب ہو تو اپنی اہلیت اور طاقت کے مطابق اسے روکا جائے (اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے) کہ انسان اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان موجود راستے کو (خواہشات نفسانیہ کے) کانٹوں، رکاوٹوں اور گرد وغبار سے پاک صاف کر لے۔ یہاں تک کہ کوئی بھی چیز انسان کو اپنے پروردگار کی بندگی سے غافل نہ کر سکے، آپ ﷺ نے حیاء کو ایمان کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حیاء کرے گا وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتا رہے گا۔

حدیثِ نبوی ﷺ

عن فضالة بن عبيد قال قال النبي المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده والمؤمن من امنه الناس علي دمائهم واموالهم والمجاهد من جاهد نفسه في طاعة الله والمهاجر من هجر الخاطايا والذنوب۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس سے لوگوں کے اموال اور ان کی جانیں محفوظ رہیں اور مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے۔ اور مہاجر وہ ہے جو خطائیں اور گناہ ترک کر دے۔

امانت کی تلقین

عن انس بن مالك قال قلما خطبنا رسول الله الاقال لاايمان لمن لاامانة له ولا دين لمن لا عهد له

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ جب بھی خطبہ ارشاد

فرماتے تھے آپ ﷺ یہ ضرور کہا کرتے تھے:

’’جوشخص امانت ادانہیں کرتا اس کا ایمان کامل نہیں ہے اور جوشخص عہد کی پاسداری نہیں کرتا اس کا دین کامل نہیں ہے۔‘‘

عدم ایمان

عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ لایزنی الزانی حین یزنی وھو مومن ولا یشرب الخمر حین یشرب وھومومن ولا یقتل القاتل حین یقتل وھومومن فایاکم ایاکم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا زنا کرنیوالا شخص، زنا کرتے ہوئے مومن نہیں رہتا۔ شرابی، شراب پیتے ہوئے مومن نہیں رہتا۔ قاتل، قتل کرتے ہوئے مومن نہیں رہتا (لہٰذا تم ان سب کاموں سے) بچو، بچو۔‘‘

نبی کریم ﷺ نے دومرتبہ لفظ ’’ایاکم‘‘ (بچو) فرمایا ہے جس کا مقصد انزار (ڈرانے) میں مبالغہ پیدا کرنا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کاموں کا ارتکاب کرکے ایمان کے موتی سے ہاتھ نہ دھو لینا جو ابدی سعادت کے حصول کا سرمایہ ہے اور دائمی عذاب میں گرفتار نہ ہوجانا کیونکہ اس حدیث میں شراب پینے کو دین کے لیے ایک آفت قرار دیا گیا ہے اس لئے ہم اس بارے میں چند دیگر روایات نقل کریں گے۔

شراب کی مذمت

ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا: ’’عنقریب آنے والے وقتوں میں‘‘ سب سے پہلے کام یہ ہوگا کہ اسلام کو یوں الٹادیا جائے گا جیسے برتن میں سے پانی الٹادیا جاتا ہے اور اس کی وجہ شراب نوشی ہوگی۔ صحابہ نے عرض کی، مسلمان بھلاکس طرح شراب پی سکتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسے حرام قرار دیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ اس کا نام تبدیل کرکے اسے پیا کریں گے۔‘‘

اس کا مطلب یہ ہے کہ شراب کے مختلف نام جیسے نبیذ، شیرہ، شربت وغیرہ رکھ کر انہیں

حلال سمجھ کر پیا کریں گے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ کل مسکر خمر و کل مسکر حرام

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن عائشۃ قالت قال رسول اللّٰہ ما اسکر الفرق منہ فملا الکف منہ حرام

ام المؤمنین سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس چیز کا ایک فرق نشہ آور ہو اس کا ایک گھونٹ بھی حرام ہے۔''

ایک فرق 16 رطل پر مشتمل ہوتا ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن جابر ابن عبداللّٰہ الانصاری قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ والہ وسلم کل مسکر حرام وان علی اللّٰہ عھدا لمن یشرب المسکرات یسقینیہ من طینۃ الخبال قالوا یارسول اللّٰہ ! ما طینۃ الخبال ؟ قال ھی عصارۃ اھلِ النار۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جو شخص نشہ آور چیز پی لے گا اللہ تعالیٰ اسے طینت خبال پلائے گا۔ صحابہ نے عرض کیا طینت خبال سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ دوزخیوں کی پیپ اور گندگی ہے۔''

ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم، جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر اس پیپ اور گندگی کا ایک قطرہ زمین پر ٹپکا دیا جائے تو اس کی بدبو سے سب دنیا والے ہلاک ہو جائیں۔''

حدیث نبوی ﷺ

عن عائشة قالت قال رسول اللّٰه علیه السلام من اطعم شارب الخمر لقمة سلط اللّٰه علیه حیة وعقربافی قبره ومن قضی حاجته فقد اعان علی هدم الاسلام ومن جالسه حشره اللّٰه یوم القیامة لاحجة له

ام المؤمنین حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص شرابی کے منہ میں ایک لقمہ ڈالے گا اللہ تعالیٰ قبر میں اس پر سانپ اور بچھو مسلط فرما دے گا۔ جو شخص شرابی کی مدد کرے گا گویا وہ اسلام کی بنیاد کو منہدم کرنے میں مددگار بنے گا اور جو شخص شرابی کی ہم نشینی اختیار کرے گا قیامت کے دن اندھا اٹھایا جائے گا اور اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی (یعنی اللہ تعالیٰ اس کا کوئی بھی عذر قبول نہیں فرمائے گا)۔

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰه، من سلم علی شارب الخمر او صافحه احبط اللّٰه عمله اربعین سنة

حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی شرابی کو سلام کرے یا اس سے مصافحہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے 40 سال کے (نیک) اعمال کو برباد کر دیتا ہے۔

ان روایات میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو کسی شرابی کو سلام کریں، اسے کچھ کھانے

کے لیے دیں، اس کی کوئی ضرورت پوری کریں یا اس کی ہم نشینی اختیار کریں۔ آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ خود شرابی کے وبال کا عالم کیا ہوگا؟

حدیث نبوی ﷺ

عن علی بن ابی طالب قال قال رسول اللّٰہ ما منکم من احد الا وقد کتب اللّٰہ مقعدہ من النار ومقعدہ من الجنۃ قالوا یارسول اللّٰہ افلا نتکل علی کتابنا وندع العمل قال اعملوا فکل فیسر لما خلق لہ اما من کان من اھل السعادۃ فیسر لعمل اھل السعادۃ وامامن کان من اھل الشقاوۃ فیسر لعمل اھل الشقاوۃ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ میں ہر شخص کا مقام مقرر کردیا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا ہم اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر پر اکتفاء کرتے ہوئے نیک عمل کرنا ترک کردیں تو آپ ﷺ نے فرمایا تم عمل کرو۔ ہر شخص اپنے نصیب کے مطابق عمل کر کے مسرور ہوتا ہے جو شخص نیکوکار ہو وہ نیک اعمال سرانجام دے کر خوش ہوتا ہے اور جو بدبخت ہو اسے برے کاموں میں لذت محسوس ہوتی ہے۔

اس حدیث میں اس بات کی وضاحت کردی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے لیے اطاعت و بندگی آسان فرما دیتا ہے اور ایسے شخص کے لیے نافرمانی کے راستے بند کردیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح جو شخص بدبخت ہو اس کے لیے نیک عمل کرنا ناممکن ہوتا ہے اور حقوق بندگی کی ادائیگی یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا اس کے لیے نہایت دشوار ہوتا ہے۔ ایسا شخص شیطان اور خواہشات نفسانیہ کی پیروی کرتے ہوئے گناہوں کا مرتکب ہو کر خوش ہوتا ہے اور دائمی بدبختی کا شکار ہو جاتا ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن عائشۃ قالت قال رسول اللّٰہ ستۃ لعنھم اللّٰہ ولعنتھم وکل

نبی مستجاب الدعوۃ الذائد فی کتاب اللّٰہ المکذب بقدر اللّٰہ والمتسلط بالجبروت لیعز من اذلہ اللّٰہ ویذل من اعزہ اللّٰہ والمستحل لحرم اللّٰہ والمستحل من عترتی ما حرم اللّٰہ والتارك لسنتی۔

ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ، میں (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) اور تمام انبیاء کرام 6 قسم کے لوگوں پر لعنت فرماتے ہیں۔ ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اضافہ کرے، دوسرا وہ جو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر کو جھٹلائے اور تیسرا وہ متکبر شخص جو ان لوگوں کی عزت کرے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ذلیل قرار دیا ہے اور ان لوگوں کی بے حرمتی کرے جنہیں اللہ تعالیٰ نے معزز قرار دیا ہے۔ چوتھا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال سمجھے، پانچواں وہ شخص جو ان چیزوں کو حلال سمجھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے میرے اہل بیت کے لیے حرام قرار دیا ہے اور چھٹا وہ شخص جو میری سنت کا تارک ہو۔

اضافے کی وضاحت

کتاب اللہ میں اضافے کا مطلب یہ ہے کہ جو حکم اللہ تعالیٰ نے ارشاد نہیں فرمایا وہ شخص اپنی شہرت میں اضافے کے لیے اپنی طرف سے گھڑ کر لوگوں کے سامنے بیان کردے۔ تقدیر کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر کو قابل اعتبار سمجھنے کے بجائے دوسروں (یعنی بتوں، دیوی، دیوتاؤں) کو تصرف کا حقدار سمجھے، تیسرے شخص سے مراد وہ حاکم ہے جو نیک لوگوں کو بے عزت سمجھے اور خود ان لوگوں کی عزت کرے جو اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہوں، پانچویں شخص سے مراد وہ شخص ہے جو اہل بیت کے ساتھ خیانت کا مرتکب ہو اور چھٹا شخص وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک کرتے ہوئے بدعت کے راستے پر گامزن ہو۔

حدیث نبوی ﷺ

قال رسول اللہ والذی نفسی بیدہ لایومن عبدحتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہٖ

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ کوئی بھی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن انس رض بن مالك قال قال رسول اللہ مثل المؤمنين فی تراحمھم و توادھم وتعاظفھم کمثل الجسد اذا اشتکی عضو تداعی له سائر الجسد بالسھر والحمی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا اہل ایمان، ایک جسم کی مانند، ایک دوسرے سے محبت لگاؤ اور تعلق رکھتے ہیں (یعنی اگر کوئی ایک عضو بیمار ہوجائے تو پورا جسم بخار اور بے خوابی کا شکار ہوجاتا ہے)۔

اس حدیث میں اہل ایمان کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ جب وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو کسی مصیبت یا پریشانی میں مبتلا دیکھتے ہیں تو اس کا غم اور دکھ اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں اور انہیں بالکل اسی طرح تکلیف محسوس ہوتی ہے جیسے وہ خود اس پریشانی کا شکار ہوں۔

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ آیة المنافق ثلث وان صام وصلی و زعم انه مسلم اذا حدث کذب واذا وعداخلف واذا اؤتمن خان وفی روایة عبداللہ بن عمرو اذ خاصم فجر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا منافق کی نشانیاں تین ہیں۔ جب وہ بولے گا تو جھوٹ بولے گا، وعدے کی خلاف ورزی کرے گا اور جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے گا۔

حضرت عبداللہ کی روایت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی نقل کردہ ایک روایت کے مطابق یہ نشانی بھی ہوگی کہ جب وہ جھگڑے گا تو گالی گلوچ سے کام لے گا۔

اس حدیث میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص نماز، روزے کی پابندی کے باعث بظاہر سچا اور پکا مسلمان ہی کیوں نہ لگتا ہو لیکن اگر اس کے اندر مندرجہ بالا عادات میں سے کوئی ایک عادت بھی پائی جاتی ہو تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ منافق ہے۔

99 بڑے سانپ

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ یسلط علی الکافر فی قبرہ تسعة وتسعون تنینا تھنسه وتلدغه حتی تقوم الساعة لو ان تنینا نفخ فی الارض ما انتت خضرا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کافر شخص پر قبر میں 99 بڑے بڑے سانپ مسلط کئے جائیں گے جو قیامت تک اسے ڈستے رہیں گے۔ ان سانپوں میں سے کوئی ایک سانپ اگر زمین پر اپنا ڈنک مارے تو زمین پر کبھی کوئی سبزہ نہ اگے۔''

اس حدیث میں ان کفار کا ذکر ہے جو دنیا میں زبانی طور پر کہلاتے تھے لیکن عملاً اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ایمان سے ہاتھ دھو لیتے تھے۔ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ ایسے بڑے بڑے زہریلے سانپ مقرر فرمائے گا جن کے زہر کی شدت کا عالم یہ ہوگا کہ اگر ان میں سے کوئی ایک سانپ زمین پر ڈنگ مارے تو روئے زمین پر سبزہ اگنا بند ہو جائے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن عبداللہ بن عمر قال قال رسول اللہ لایومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعالماجئت بہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم کوئی بھی شخص اس وقت کا کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی تعلیمات کے تابع نہ ہوجائیں۔''

اس حدیث میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع نہ بنادے اور اپنے نفس کو احکام باری تعالیٰ کا محکوم نہ کردے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اسی نقطے کی تبلیغ کے لیے مبعوث فرمایا تھا لہٰذا جو شخص شریعت کے احکام اور فقہاء کے اختلاف میں سے صرف اپنی پسند کے احکام پر عمل کرتا ہے اور زیادہ درست اور مبنی بر احتیاط فتاویٰ کو ترک کردیتا ہے ایسا شخص اس سعادت سے محروم رہے گا۔

ایمان کی حقیقت

میرے عزیز! ایمان کی حقیقت عالم جبروت کے سورج کی روشنی کی مانند ہے جو اخلاص کی منزل کی طرف رواں دواں مسافروں (یعنی سالکان طریقت اور صوفیاء) کی جانوں میں، عنایات ربانی کے مشرق سے طلوع ہوکر چمکتا ہے اور ایمان کی حقیقت عالم ملکوت کے اسرار کے سمندروں کا وہ فیض ہے جو وادی صدق (یقین) کے باسیوں کے سینوں کے گلشنوں پر ہدایت کے بادلوں کے واسطے سے برستا ہے۔ (ایمان کی حقیقت) عالم ہویت کے اسرار کا وہ لب لباب ہے جسے عالم علوی کے نقش گروں نے الہام کے قلم سے، تقویٰ کی درسگاہ کے وابستگان کے فہم کی تختی پر کندہ کردیا ہے۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡاِيۡمَانَ

(یہی وہ لوگ ہیں جن کے قلوب میں ایمان راسخ کردیا گیا ہے)

ایمان دریائے وحدت کا وہ گوہر ہے جو سینے کے سمندر کی گہرائی سے نکل کر، توفیق الٰہی کی امواج کے تلاطم کی مدد سے، اعمال صالحہ کی شکل میں اعضاء جسمانی کے ساحل پر نمودار ہوتا ہے۔

ایمان محبت آگ کی وہ چنگاری ہے جو ریاضت کے جنگل کے سوختہ حال درخت کے وجود سے اپنی جھلک دکھاتی ہے۔

ایمان ولایت کے انوار کی وہ چمکتی ہوئی بجلی ہے جو عالمِ قدس سے چل کر، عالمی یقین کے مسافروں کے آئینہ دل میں اپنی چمک دکھاتی ہے۔

توحید کا تیر

یہ سب باتیں وہ شخص سمجھ سکتا ہے جو توحید کے تیر سے وہم کی شیطانی آنکھ پھوڑ چکا ہو اور حرص و ہوس کے خس و خاشاک کو (محبت) شوق کی آگ سے جلا کر بھسم کر چکا ہو جو دنیاوی عقل کو، اغراض کی قینچی سے کتر چکا ہو جو حیرت کے میدان میں، نفس کی شوخی، سرکشی کو، ریاضت کے ذریعے پامال کر چکا ہو اور نفسانی خواہشات کے سر کو مشقت کی سولی پر چڑھا چکا ہو، جو شہوت کے لشکر کو عشق کی تلوار کے ذریعے گھائل کر چکا ہو جو راست بازی کے ذریعے دل کے آئینے کو چمکا چکا ہو، جس نے روح کے باغ کو معارف کے پھولوں سے سجا دیا ہو، جو نفس کے بوجھ اور طبیعت کی گندگی سے آزاد ہو کر اپنے وجود کی شبنم کو احدیت کے سمندر میں گم کر چکا ہو۔

دنیا کی دھوکہ بازی

وہ لوگ جن کی ارواح دنیاوی (محبت) کے میل سے آلودہ ہوں جن کی عقول نفسانی خواہشات کے جنگلوں میں بھٹکتی پھر رہی ہوں، ایک طرف ان کا نفس دنیا کی دھوکہ بازی کا شکار ہوتا ہے جبکہ دوسری طرف ان کا ایمان نفسانی خواہشات اور شیطانی وسوسوں کے چنگل میں پھنسا ہوا ہوتا ہے۔ ایسا شخص ایمان کے انوار کے جمال اور عرفان کے اسرار کی تجلیات کی بابت کیا جان سکتا ہے؟

تا بادیہ درد بپایاں نبری
از ہیچ طرف راہ بہ رماں نبری

تا بر سر نام و کام گامے نزنی
بوئے ز نسیم وصل جاناں نبری

''جب تک درد کے محراب آخر تک نہیں پہنچو گے اس وقت تک علاج کی کوئی صورت سامنے نہیں آسکے گی۔ جب تک تم نام اور مفاد سے پیچھا نہیں چھڑاؤ گے اس وقت تک محبوب (حقیقی) کے کوچے کی ہوا تک نہیں پہنچ سکو گے۔''

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○

''تم کہہ دو! اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، رشتے دار، کمایا ہوا مال، وہ تجارت جس میں کساد (خرابی یا نقصان) کا تمہیں ڈر رہتا ہے، تمہارے پسندیدہ مکانات، تمہیں اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو! یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ (عذاب) لے آئے بے شک اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ آباؤ اجداد، اولاد، بہن بھائیوں، زن و شوہر، اہل خاندان، مال و دولت، تجارت اور گھر بار کو ابدی سعادت کے حصول کے راستے کی خس و خاشاک قرار دیا ہے۔ جو طالب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے ''وَجَاهِدُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ'' (اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس طرح جہاد کرو جو جہاد کرنے کا حق ہے) ابدی سعادت کے راستے کے خس و خاشک کو راستے سے نہیں ہٹائے گا اس وقت تک وہ ایمان کے اسرار کے لطائف کی خوبصورتی اور عالم عرفان کے عطر کی خوشبوؤں سے محروم رہے گا۔ جب تک تجرید اور تفرید کے ذریعے ایمان کے روشن چہرے سے دنیوی خواہشات کے حجابات نہ اٹھائے جائیں۔ اس وقت تک انسان کامل مومن کہلانے کا حقدار نہیں ہو سکتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ"

''اور اس شخص سے زیادہ بڑا ظالم اور کون ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب کرے اور سچ کا انکار کرے۔''

لا الٰہ کی حقیقت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص ہمیشہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتا رہے وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ کسی شخص کی یہ حالت ہو جائے کہ اس کے دنیوی معمولات درست ہوں اور اسے دینی امور میں کمی و کوتاہی کی کوئی پروا نہ ہو اور پھر وہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے تو جھوٹ بول رہا ہے، تو جھوٹ بول رہا ہے، سچ نہیں بول رہا ہے۔''

اس حدیث میں اس شخص کی حالت بیان کی گئی ہے جو دنیا میں خوش و خرم زندگی بسر کر رہا ہو اور اسے اپنے دینی نقصانات کی کوئی پروا نہ ہو۔ ایسی حالت میں جب وہ اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے کا زبانی اقرار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا جواباً ارشاد فرماتا ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو، تمہارا ایمان سچا نہیں ہے کیونکہ ایمان کا نور، تکبر، لالچ اور خواہشات نفسانیہ کی تاریکی کے ساتھ ایک ہی جگہ جمع نہیں ہوسکتا۔ اسی خوف کی بدولت انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے قلوب پر خشیت کی کیفیت غالب رہتی تھی کیونکہ کوئی یہ بات نہیں جانتا کہ جس چیز کو وہ ایمان سمجھ رہا ہے وہ بارگاہ رب العزت میں مقبول بھی ہے یا نہیں ہے۔

کم سن کا انجام

احادیث میں منقول ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک کم سن بچے کی نماز جنازہ پڑھائی (کچھ دیر بعد) ایک صحابی نے کہا یہ معصوم بچہ کتنا خوش نصیب ہے کہ کوئی گناہ کیے بغیر اس دنیا سے رخصت ہوگیا ہے۔ یہ یقیناً جنتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ میں اللہ کا رسول ہوں اور میں یہ نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا۔''

حضرت ابودرداء کی قسم

(نبی کریم ﷺ کے صحابی) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی بھی شخص اس وقت تک اپنے ایمان کی طرف سے بے فکر نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس پر نزع کا عالم طاری نہ ہو جائے اور اس حالت میں بھی وہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو۔

ایک روایت کے مطابق ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے چند حواریوں کو روتے ہوئے دیکھا اور ان سے رونے کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے عرض کی کہ ہم اپنے گناہ یاد کر کے رو رہے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہونے کے باوجود خود اللہ سے ڈرتا رہتا ہوں۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام

منقول ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام خشیت الٰہی کی وجہ سے اس قدر روتے تھے کہ آپ علیہ السلام کے مبارک رخساروں پر مستقل لکیریں قائم ہو گئیں۔ ایک مرتبہ آپ علیہ السلام کے والد حضرت زکریا علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: جان پدر! میں نے اللہ تعالیٰ سے فرزند کے حصول کی دعا کی تھی تا کہ وہ میری آنکھوں کا نور ہو لیکن تمہاری گریہ و زاری کی کثرت کی وجہ سے میں خود نہایت غمگین رہتا ہوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے عرض کی ابا جان! حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے مجھے بتایا ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک گھاٹی ہے جسے وہی شخص عبور کر سکتا ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے روتا رہا ہو۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: میرے بیٹے! اس زندگی میں تم جتنا رو سکتے ہو رو لو کیونکہ قیامت کے دن رونا نصیب نہیں ہوگا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا فرمان

حضرت زکریا علیہ السلام نے مزید ارشاد فرمایا ہر چیز کی کوئی مخصوص نشانی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ڈر اور جنت کے اشتیاق کی علامت و نشانی یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرتے ہوئے درمیان میں پیش آنے والی مشکلات پر صبر کرے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

احادیث میں منقول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زندگی میں تین مرتبہ مصلحت کے پیش نظر بطور توریہ ایسے ذو معنی الفاظ استعمال کیے تھے جن کا مخاطب کوئی اور مفہوم مراد لے اور قائل کی مراد مختلف ہو لیکن اس کے باوجود آپ علیہ السلام اپنے اس عمل پر بہت گریہ و زاری فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی اللہ تعالیٰ نے آپ پر درود بھیجا ہے اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ کیا آپ نے کبھی کسی دوست کو اپنے دوست سے خوفزدہ ہوتے دیکھا ہے؟ (یہاں دوستی کا ذکر اس لئے کیا گیا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشہور لقب خلیل اللہ یعنی اللہ کا دوست ہے) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا (اے جبرائیل علیہ السلام) جب مجھے اپنا وہ عمل یاد آتا ہے تو میں (خشیت الٰہی کی وجہ سے) یہ بات (تھوڑی دیر کے لیے) بھول جاتا ہوں کہ میں اللہ کا دوست ہوں۔

حضرت عمر کا واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ راستے میں ایک پتا پڑا دیکھ کر روتے ہوئے کہا، کتنا اچھا ہوتا؟ اگر عمر بھی ایک پتا ہوتا اور حساب و کتاب کا کوئی خوف نہ ہوتا۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح کا واقعہ

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ روتے ہوئے ارشاد فرمایا کرتے تھے کاش میں ایک بکری ہوتا جسے ذبح کر کے لوگ کھا پی لیتے اور مجھے قبر کے عذاب اور قیامت کی سختی سے نجات مل جاتی ہے۔

عطاء سلمی کا واقعہ

(ایک بزرگ) حضرت عطاء سلمی نے 40 برس تک اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے کبھی آسمان کی طرف نظر اٹھا کے نہیں دیکھا، اس دوران آپ کبھی بھی مسکرائے نہیں، نہ ہی کبھی پیٹ بھر کے کھانا کھایا (آپ کی عاجزی کا عالم یہ تھا) اگر کبھی قحط یا وباء پھیل جاتی تو آپ

فرمایا کرتے یہ سب میرے اعمال کی کوتاہی و خامی کا وبال ہے۔ اے کاش میں مر جاتا اور لوگ جو میری وجہ سے پریشانی کا شکار ہیں انہیں اس مصیبت سے نجات مل جاتی۔

معزز قارئین! آپ نے غور فرمایا انبیاء کرام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء عظام کی خشیت کا عالم اور کیفیت کیا تھی؟ یہ حضرات بارگاہ رب العزت میں نہایت بلند مرتبے پر فائز تھے لیکن سنت الٰہیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب اور برگزیدہ بندے ہر دم، ہر لمحہ اپنے نفس کے محاسبے میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی و عبادت گزاری میں بسر کر دیتے ہیں، وہ اپنے نفس کو ریاضت اور مجاہدے کی بھٹی میں پگھلا دیتے ہیں اور اس سب کے باوجود خشیت الٰہی کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں جاری رہتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو بارگاہ رب العزت میں ایک گناہگار اور کمتر شخص کی مانند تصور کرتے ہیں۔

نفسانی خواہشات کے پیروکار

اس کے برعکس نفسانی خواہشات کے پیروکار بدبخت لوگ ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی میں بسر کر کے اپنے آئینہ دل کو سیاہ کر لیتے ہیں۔ شیطان اور نفس کی پیروی میں مشغول رہتے ہیں۔ دنیائے فانی کی عارضی لذات کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیتے ہیں۔ اپنی خواہشات نفسانیہ کو عملاً اپنا معبود قرار دیتے ہیں اور اس سب کے باوجود اپنے آپ کو سچا اور پکا مسلمان سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ رسمی نماز، روزے پر مغرور ہوتے ہیں اور خام تقلید پر فخر کا اظہار کرتے ہیں اور چار دانگ عالم میں اپنے مسلمان ہونے کا ڈنڈورا پیٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے غافل لوگوں کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا:

الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ ۝

"الٓمّٓ: کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف یہ کہہ دینے سے انہیں چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے اور انہیں آزمائش میں مبتلا نہیں کیا جائے گا حالانکہ ہم نے ان

سے پہلے لوگوں کو بھی آزمائش میں مبتلا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ ظاہر فرما دے گا کہ کون (اپنے دعویٰ ایمان میں) سچا ہے اور یہ بھی ظاہر فرما دے گا کہ کون جھوٹا ہے۔"

معزز قارئین! آپ غور فرمائیں، اگر کسی غلام کو اس کا آقا یہ حکم دے کہ تم نے فلاں کام کرنا ہے اور فلاں کام نہیں کرنا ہے اگر تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی تو میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گا اور پھر کسی شخص کو اس کا نگران مقرر کر دیتا ہے تا کہ اس غلام کے طرزِ عمل کی مستقل نگرانی جاری رہے۔ وہ غلام جب بھی اس نگران کو دیکھتا ہے تو اسے اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ آقا کے حکم کی خلاف ورزی اس کے لیے سراسر نقصان دہ ہے۔ کیا ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کی اسی طرح پیروی نہیں کر سکتے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

"اور تمہارے اندر ایک ایسا گروہ موجود ہونا چاہئے جو بھلائی کی طرف دعوت دے، نیکی کا حکم کرے اور برائی سے منع کرے۔"

وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ

ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے استعمال نہ کرو۔

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

"بے شک شراب، جوا، بت پرستی، فال نکالنا (یہ سب) ناپاک شیطانی کام ہیں۔ ان سے گریز کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

نگران فرشتے

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعمال کی نگرانی کے لیے دو فرشتے مقرر کیے ہیں جو انسانی اعمال کے گواہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور انسان یہ سب کچھ جاننے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہیں کرتا۔ انسان اللہ تعالیٰ کی مشیت کو جانتا ہے لیکن وہ علم جسے ایمان قرار دیا جاسکتا ہے اس سے یہ محروم ہے۔ اور زبان سے یہ جس ایمان کا اقرار کرتا ہے اس کا کوئی بھی اثر اس کے دل میں موجود نہیں ہے۔ انسان یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں جن انعامات کا وعدہ کیا ہے اور جس عذاب کی وعید سنائی ہے وہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے احکام کو نافذ کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور جو اس نے فرمادیا ہے وہ اسی کے مطابق عمل فرمائے گا۔ انسان یہ بھی جانتا ہے کہ آخرت کا عذاب دنیوی عذاب سے کہیں زیادہ سخت ہے اور آخرت کی ہلاکت دنیوی بربادی سے کہیں زیادہ مشکل ہے لیکن شاید انسان کو اس بات کا یقین نہیں کیونکہ اگر اسے ان سب باتوں کا یقین ہوتا تو وہ کبھی بھی اپنے خالق کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتا۔ اگر اس بات کو پیش نظر رکھا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ دنیا کے اکثر لوگ ایمان کی دولت سے محروم ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنَ النَّاسُ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ“
بعض لوگ (زبان سے) یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ درحقیقت وہ مومن نہیں ہیں۔

ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرمایا گیا:

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ
اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر اس طرح ایمان رکھتے ہیں کہ وہ دوسروں کو بھی اس کا شریک مانتے ہیں۔

شیخ کیتانی کا واقعہ

شیخ ابوبکر کیتانی نامی ایک بزرگ کا انتقال ہوگیا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے

ایک مرید نے خواب دیکھا کہ شیخ اپنی قبر کے کنارے کھڑے زار و قطار رو رہے ہیں۔ اس نے دریافت کیا حضرت! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس قبرستان میں ایک ہزار مسلمان کہلانے والے لوگ دفن ہیں جن میں سے 999 حقیقی ایمان کی دولت سے محروم ہیں اور صرف ایک شخص حقیقی مومن ہے۔

قیامت کی ہولناکی

اذا کان یوم القیامة یقول اللّٰه عزوجل یا آدم اخرج بعث من ذریتك قال وما بعث النار قال من کل الف تسعمائة وتسعة فعند ذٰلك یشب الصغیر وتضع کل ذات حمل حملها وتری الناس سکارٰی وما هم بسکارٰی

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دے گا اے آدم! اپنی اولاد میں سے جہنمی لوگوں کو جہنم سے نکال لو۔ حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے یا اللہ! کتنے لوگوں کو نکال لوں؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا 1000 میں سے 999 لوگوں کو نکال لو۔ اس وقت جبکہ ہر بچہ بوڑھا ہو جائے گا جب حاملہ عورت (قیامت کے دن کی سختی اور شدت کی وجہ سے) حمل گرا دے گی اور یوں محسوس ہوگا جیسے لوگ مدہوش ہیں حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے۔

یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں اپنے نفس کا محاسبہ نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے بجائے اپنی نفسانی خواہشات کو مقدم رکھتے تھے جس کی وجہ سے انہیں دوزخ کے عذاب کا شکار ہونا پڑا۔

داؤد طائی کا بیان

ایک مرتبہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا، ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

الایمان ما یورثك النور بعد الظلمات واللین بعد القسوة والسنة بعد البدعة والتلذذ بالعبادة بعدالمجاهدة

ایمان اس کیفیت کا نام ہے جس کی بدولت انسان کا دل گناہ کی تاریکی سے پاک ہوکر معرفت الٰہیہ اور محبت الٰہیہ کے نور سے روشن ہوجائے اور انسان کے دل کی سختی رحمت اور شفقت کی نرمی میں تبدیل ہوجائے۔ انسان بدعت کی پیروی کو ترک کر کے سنت کی پیروی شروع کردے اور انسان کو ریاضت اور مجاہدے میں لذت محسوس ہونے لگے۔

دوسرا باب

حقوق بندگی کی ادائیگی کا بیان

سب سے افضل نماز ہے

حقوق بندگی کی ادائیگی کے بے شمار طریقے ہیں جن میں سے سب سے افضل نماز ہے جو دین کا ستون ہے جسے ترک کرنا دین اور دنیا کا نقصان اٹھانے کے مترادف ہے۔ چنانچہ حدیث نبوی ہے

الصلوۃ عماد الدین فمن اقامها قد اقام الدین و من ترکها فقد هدم الدین

نماز دین کا ستون ہے جس نے اسے قائم کیا اس نے دین قائم کیا اور جس نے اسے ترک کیا اس نے گویا دین کو نقصان پہنچایا۔

دوسرا مرتبہ زکوٰۃ کا ہے

نماز کے بعد دوسرا مرتبہ زکوٰۃ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نماز کو دیگر تمام عبادات سے مقدم رکھا ہے اور قرآن مجید میں جہاں کہیں نماز کا حکم دیا گیا اس کے ہمراہ زکوٰۃ کا بھی حکم دیا گیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ

نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

اس کے بعد تیسرا درجہ روزے کا ہے جو شیطان کے راستے کی ایک بہت بڑی رکاوٹ

ہے اور دوزخ کی آگ کے لیے ڈھال کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس باب میں ہم انہیں تین اقسام سے متعلق گفتگو کریں گے۔

نماز کا بیان

یہاں ہم چند احادیث ذکر کریں گے جن میں نماز کی فرضیت، نماز پڑھنے کا مستحب طریقہ، نماز کے مخصوص اوقات اور نماز میں موجود اسرار وحقائق بیان کیے گئے ہیں۔

✧ عن جابر بن عبداللّٰہ الانصاری قال قال رسول اللّٰہ لیس بین العبد وبین الکفرفرق الاترك الصلوٰۃ

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا:

''کافراور مسلمان کے درمیان (بنیادی) فرق نماز ترک کرنا ہے۔

یعنی مسلمان وقت پر نماز ادا کرتا ہے، نماز کے تمام ارکان صحیح طریقے سے ادا کرتا ہے اور خشوع وخضوع کے ہمراہ نماز پڑھتا ہے اور یہی بات اس کے ایمان کی نشانی ہے۔ اگر وہ ان باتوں کو ترک کردے تو یہ ایمان سے محرومی کی علامت ہوگی۔

✧ عن بریدۃ الاسلمی قال قال رسول اللّٰہ علیہ السلام العھدالذی بیننا وبینھم الصلوٰۃ فمن ترکھا فقد کفر العھد

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہمارے اوران (کفار) کے درمیان فرق نماز ہے جس نے نماز کو ترک کیا وہ (گویا) کافر ہوگیا۔

یعنی کفر کے نزدیک پہنچ گیا اور اس کا ایمان زائل ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ ایمان کا مقدس درخت طاعات کے پانی سے سیراب ہوتا ہے اگر کسی کمزور درخت کو بنجر زمین میں گاڑا جائے جہاں اسے پانی بھی نہ مل سکے تو ایسا درخت برگ وبار پیدا کرنے کی صلاحیت کھودیتا ہے۔

✧ عن عبادۃ بن الصامت قال قال رسول اللّٰہ علیہ السلام

خمس صلوٰت افترضهن اللّٰه تعالیٰ فمن احسن وضوئهن وصلاهن لوقتهن واتم رکوعهن وسجود هن وخشوعهن کان له علی اللّٰه عهد ان یغفرله ومن لم یفعل لیس له علی اللّٰه عهدان شاء غفرله وان عذبه شاء وعذبه

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر 5 نمازیں فرض کی ہیں جو شخص اچھی طرح سے وضو کرکے ان نمازوں کو ان کے مخصوص اوقات میں خشوع وخضوع کے ہمراہ، صحیح طریقے سے رکوع وسجود کرتے ہوئے ادا کرے گا اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنے ذمے لے لی ہے کہ وہ اس شخص کی مغفرت فرمادے گا اور اگر کوئی شخص ایسا نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کے ذمے بھی کچھ نہیں ہوگا۔ اگر وہ چاہے تو اس کی مغفرت فرمادے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے۔

✦ عن ابن مسعود قال قلت یارسول اللّٰه ! ای الاعمال افضل قال الصلوة لوقتهاقلت ثم ای قال برالوالدین قلت ثم ای قال الجهاد فی سبیل اللّٰه

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز کو مقررہ وقت پر ادا کرنا۔ میں نے دریافت کیا پھر اس کے بعد؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماں باپ کی فرمانبرداری۔ میں نے پھر پوچھا، اس کے بعد؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد۔

✦ عن عائشه قالت صلّٰی رسول اللّٰه علیه السلام صلوة لوقتها الآخر مرتین حتی قبضه اللّٰه تعالیٰ۔

ام المؤمنین سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں صرف دومرتبہ نماز آخری وقت میں ادا فرمائی۔

✧ عن ابی بریدة الاسلمی قال کان رسول اللّٰہ یصلی الهجیرة التی تدعونها الاولیٰ حین تدحض الشمس و یصلی العصر ثم یرجع ادرانا الی رحله فی اقصی المدینة و الشمس حیة

حضرت ابو بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز اس وقت ادا فرمایا کرتے جب سورج ڈھل جاتا اور عصر کی نماز اس وقت ادا فرماتے تھے (کہ اس کے بعد) کوئی شخص مدینے کے آخری کنارے کا چکر لگا کر واپس آجائے تو بھی سورج ابھی چمک رہا ہوتا (یعنی غروب نہ ہوا ہوتا)

✧ عن عبداللّٰہ بن عمر قال قال رسول اللّٰہ علیه السلام الوقت الاول من الصلوة رضوان اللّٰہ والوقت الاخر عفو اللّٰہ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نماز کو ابتدائی وقت میں ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے جبکہ آخر میں ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ درگزر فرماتا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ درگزر کسی غلطی پر کیا جاتا ہے جبکہ خوشنودی ہمیشہ کسی اچھائی کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے غلطی کرنے والا بہرحال خطرے کی حالت میں ہوتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کو معافی عطا نہ فرمائے (لہٰذا اس عمل سے گریز کرنا چاہئے)۔

✧ عن ابی ذر قال قال لی رسول اللّٰہ کیف بك یا اباذر اذا کان علیك امراء یمیتون الصلوة او یؤخرون الصلوة (شك الراوی) قلت یارسول اللّٰہ فماتامرنی قال صل الصلوة لوقتها فاذا ادرکت فصل معهم فانهالك نافلةٌ

★ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اس وقت تمہاری حالت کیا ہوگی جب تم پر ایسے حاکم مسلط کردیئے جائیں گے جو نمازیں قضا کریں گے یا انہیں مؤخر کردیں گے (اس میں راوی کو کچھ شک ہے کہ دونوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

کونسی بات ارشاد فرمائی) میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! (ایسی صورتحال میں) میرے لئے کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنی نماز (مستحب) وقت میں ادا کرو پھر اگر تم ان کی جماعت میں شریک ہو جاؤ (تو یہ دوسری نماز تمہارے لئے) نفل شمار ہوگی۔

✧ عن ابی هريرة قال رسول الله عليه السلام الصّلٰوت الخمس والجمعة الى الجمعة ورمضان الى رمضان مكفرات لما بينهن اذا اجتنب الكبائر

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچوں نمازیں (ایک نماز سے دوسری نماز تک) ایک جمعہ سے دوسرے جمع تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک (یہ سب) اپنے درمیان آنے والے تمام (صغیرہ) گناہوں کو ختم کر دیتے ہیں بشرطیکہ وہ شخص کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔

کبیرہ گناہ کون سے ہیں؟

کبیرہ گناہ کتنے ہیں؟ اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے نزدیک کبیرہ گناہ 4 ہیں۔ بعض دیگر صحابہ کے نزدیک ان کی تعداد 9 ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر 7 گناہوں کو کبیرہ شمار کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ان کی تعداد 70 کے لگ بھگ ہے۔

شیخ ابو طالب مکی کا بیان

شیخ ابو طالب مکی فرماتے ہیں یہ گناہوں کے بارے میں مجھے 17 احادیث ملی ہیں۔ ان میں سے 4 دل سے متعلق ہیں۔ 4 زبان سے متعلق ہیں، 3 پیٹ سے متعلق ہیں، 2 شرمگاہ سے متعلق ہیں، 2 ہاتھ سے متعلق ہیں، ایک پاؤں سے متعلق ہے 1 تمام اعضاء سے متعلق ہے۔

درج ذیل 4 گناہ دل سے متعلق ہیں۔

(1) شرک،

(2) گناہ کے اصرار کی نیت،

(3) خدا کی رحمت سے نا میدی

(4) اللہ تعالیٰ کے مواخذے سے بے فکر ہونا۔

درج ذیل 4 گناہ زبان سے متعلق ہیں۔(1) جھوٹی گواہی دینا، (2) زنا کی تہمت لگانا، (3) جھوٹی قسم کھانا (4) جادو کرنا (یعنی منتر پڑھنا)

یہ 3 گناہ پیٹ سے متعلق ہیں:

(1) شراب پینا،

(2) یتیم کا مال کھانا

(3) سود خوری۔

یہ 2 گناہ شرمگاہ سے متعلق ہیں:

(1) زنا

(2) ہم جنس پرستی۔

یہ 2 گناہ ہاتھ سے متعلق ہیں:

(1) ناحق قتل کرنا

(2) چوری کرنا۔

پاؤں سے متعلق گناہ یہ ہے کہ جہاد کے لیے راہ فرار اختیار کی جائے۔

والدین کی نافرمانی پورے جسم کے ذریعے گناہ کرنے کے مترادف ہے۔

شیخ ابوطالب مکی فرماتے ہیں صحیح قول یہ ہے کہ لفظ کبیرہ ایک مبہم لفظ ہے اور احادیث میں کبیرہ گناہوں کی قطعی تعداد بیان نہیں کی گئی بلکہ اس بارے میں منقول روایات باہم متعارض ہیں جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ رسالت مآب ﷺ کی منشاء یہ تھی کہ یہ ابہام باقی رہے کیونکہ اگر ان کی تصریح کر دی جاتی تو لوگ صغیرہ گناہوں کے ارتکاب میں زیادہ مبتلا ہو جاتے جس طرح شب قدر اور اسم اعظم کو مبہم رکھا گیا ہے تا کہ لوگ ان کی تلاش کے لیے

سعی وجدوجہد سے کام لیں۔اسی طرح یہاں بھی ابہام باقی رکھا گیا تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے زیادہ سے زیادہ بچ سکیں۔تاہم ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید یا احادیث مبارکہ میں جن امور کی ممانعت کرتے ہوئے ان کی سزا جہنم قرار دی گئی ہے یا جن گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے حد جاری ہو جاتی ہے وہ تمام کبیرہ گناہ شمار ہوں گے۔البتہ ان کبیرہ گناہوں کے درجات کے درمیان باہم تفاوت پایا جاتا ہے جس کی وضاحت مرأۃ التائبین نامی کتاب میں کر دی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ مسجد کے کونے میں تشریف فرما تھے۔اسی دوران ایک شخص آیا۔اس نے جلدی جلدی نماز پڑھی اور پھر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کو سلام کیا۔آپ ﷺ نے اس کو سلام کا جواب دے کر اسے حکم دیا تم واپس جا کر دوبارہ نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی، وہ واپس گیا دوبارہ نماز ادا کر کے آیا اور سلام کیا۔آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور اسے حکم دیا تم واپس جا کر دوبارہ نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز ادا نہیں کی۔اس نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ مجھے (نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ) سکھائیں۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو سب سے پہلے اچھی طرح وضو کرو پھر قبلہ کی طرف رخ کر کے تکبیر تحریم کہو اور قرآن کی جو آیات تمہیں یاد ہوں ان کی تلاوت کرو پھر پورے اطمینان کے ساتھ رکوع کرو، پھر بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر پورے اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو پھر سیدھے ہو کر بیٹھ جاؤ۔اسی طرح اپنی نماز مکمل کرو۔

یہ حدیث اس امر کی وضاحت کرتی ہے کہ رکوع اور سجود کو اطمینان سے ادا کرنا، (رکوع کے بعد سیدھے کھڑے ہونا) اور دونوں سجدوں کے درمیان سیدھا بیٹھنا نماز کے ارکان میں شامل ہے جبکہ نماز کے کسی رکن کو ترک کر دینا نماز کو فاسد کرنے کے مترادف ہے۔

✧ عن عبداللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ علیہ السلام لاتجزی صلوۃ لایقیم الرجل فیھا صلبہ فی الرکوع والسجود

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ایسی نماز جائز نہیں ہے جس میں رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ اطمینان سے ادا نہ کیے جائیں۔''

احیاء العلوم کی روایت

ان دونوں روایات سے زیادہ سخت تنبیہ پر مشتمل ایک روایت امام غزالی نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں درج فرمائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص نماز کو اپنے مخصوص وقت میں ادا کرے (نماز سے پہلے) اچھی طرح وضو کرے، (نماز کے دوران) پورے خشوع وخضوع کے ساتھ اچھی طرح رکوع وسجود ادا کرے خود اس کی نماز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں چمکدار شکل میں حاضر ہوتی ہے اور نمازی کو ان الفاظ میں دعا دیتی ہے کہ جس طرح تم نے میری حفاظت کی اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی تمہاری حفاظت کرے۔ (اس کے برعکس) جو شخص نماز کو اپنے مخصوص وقت میں ادا نہیں کرتا (نماز سے پہلے) اچھی طرح وضو نہیں کرتا (نماز کے دوران) اچھی طرح رکوع وسجود ادا نہیں کرتا، خشوع وخضوع کے ساتھ نماز نہیں پڑھتا ایسے شخص کی نماز سیاہ، تاریک شکل میں یہ کہتی ہوئی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتی ہے (اے شخص) جس طرح تم نے مجھے ضائع کیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں بھی ضائع کرے پھر اس نماز کو پھٹے ہوئے کپڑے کی طرح اس شخص کے منہ پر مار دیا جاتا ہے۔

نماز کی مثال

معزز قارئین! نماز کی مثال انسانی جسم کی مانند ہے جس طرح انسانی جسم ظاہر اور باطن کا مرکب ہے ار جس طرح کامل انسان اس شخص کو کہا جاسکتا ہے جس کا جسم اور روح دونوں موجود ہوں اور جس کے تمام اعضاء سلامت ہوں اسی طرح یہ ایک بدیہی امر ہے کہ تمام اعضاء کے مراتب اور ان کی اہمیت ایک جیسی نہیں ہوتی۔ بعض اعضاء ایسے ہیں کہ اگر وہ نہ رہیں تو انسان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے جیسے اعضاء رئیسہ یعنی دل، جگر، دماغ ہیں جبکہ بعض اعضاء ایسے ہیں کہ اگر وہ ضائع ہو بھی جائیں تو زندگی ختم نہیں ہوتی تاہم ان کی عدم موجودگی

کی وجہ سے انسان کی اہمیت میں کمی آجاتی ہے اور وہ زندگی کے بہت سے امور سرانجام دینے کی صلاحیت کھو دیتا ہے جیسے آنکھ، زبان، کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ۔ اگر کسی شخص کی آنکھ پھوٹ جائے یا اس کے کان، زبان، ہاتھ یا پاؤں کٹ جائیں تو ایسا شخص زندہ تو رہتا ہے اور اسے انسان بھی کہا جاسکتا ہے لیکن اس کی اہمیت (عملی طور پر) ختم ہو جاتی ہے اور کوئی بھی شخص ایسی حالت سے لطف اندوز نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ شخص خود ایسی زندگی سے مسرور و شادمان ہوتا ہے۔

نماز کی معنوی حیثیت

اسی طرح نماز کی بھی ایک معنوی حیثیت ہے جسے نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ایک مخصوص شکل میں ڈھال کر ہمیں دکھایا ہے اور ہمیں اسے قائم کرنے، اس کے فوائد حاصل کرنے اور اسے کامل کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا اخلاص کے ہمراہ نماز کی ادائیگی کی نیت، خشوع وخضوع، قلب کی حضوری یہ سب نماز میں روح کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح رکوع، سجود اور دیگر ارکان نماز میں اسی اہمیت کے حامل ہیں جو اہمیت انسانی جسم میں دل، دماغ اور دیگر کو حاصل ہوتی ہے یعنی اگر ان میں سے کوئی ایک رکن فوت ہو جائے تو نماز کا وجود باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح نماز میں مسنون باتوں کی مثال جیسے ثناء، دعائے قنوت، پہلا تشہد اور ذکر اذکار کی حیثیت انسانی جسم میں آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں اور زبان کی مانند ہے جو شخص خشوع وخضوع، دل کی حاضری اور نماز کے ارکان کی رعایت کرتے ہوئے نماز ادا نہیں کرتا اس کی مثال اس شخص کی مانند ہے جسے کوئی زبردست بادشاہ اپنے خاص دیوان کے لیے ایک لائق، ہنرمند، خوبصورت غلام خرید کر لانے کا حکم دے جبکہ یہ شخص جائے اور ایک بدصورت، کانا، لولا، لنگڑا، گونگا غلام لاکر بادشاہ کی خدمت میں پیش کرے۔ درحقیقت یہ فعل بادشاہ کی ناراضگی کا باعث بنے گا اور اس کے باوجود اگر وہ شخص یہ توقع رکھے کہ بادشاہ خلعت فاخرہ اور انعام واکرام سے نوازے گا تو آپ خود فیصلہ کریں کہ وہ شخص انعام واکرام کا حقدار ہے یا سزا کا مستحق ہے۔ اسی مفہوم سے متعلق نبی کریم ﷺ کا ایک فرمان منقول ہے۔ آپ ﷺ

نے فرمایا:

✦ من لم تنبهه صلوة عن الفحشآء والمنكر لم يزد من الله الابعدًا

جس شخص کی نماز سے فحاشی اور برے کاموں کے ارتکاب سے نہ روک سکے وہ اللہ تعالیٰ (کی رحمت سے) دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

✦ عن عمرو بن العاص قال رای رسول الله رجلا صلی فاخف صلوته قال اترون هذا لومات هذا لمات علی غیرملة محمد (صلی الله علیه وسلم)

حضرت عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو جلدی جلدی نماز ادا کرتے دیکھ کر ارشاد فرمایا تم نے اس شخص کو دیکھا اگر یہ اسی حالت میں مر جائے تو یہ حالت ایمان میں فوت نہیں ہوگا۔

اگر کسی شخص کے دل میں ایک ذرّے کے برابر بھی ایمان موجود ہو تو وہ اس کے لیے یہی تنبیہہ کافی ہے۔

آخرت میں کامیابی

معزز قارئین! جو شخص آخرت میں کامیابی کے حصول کا خواہاں ہو وہ کبھی بھی ان امور سے غفلت اختیار نہیں کرے گا جن کی طرف ابھی ہم نے توجہ مبذول کروائی تھی۔ اب شخص نماز کی شرائط اور اس کے ارکان کی ادائیگی میں کبھی بھی لا پرواہی سے کام نہیں لے گا۔ وہ شخص جب بھی موذن کی آواز سنے گا اسے فوراً یہ بات یاد آ جائے گی کہ قیامت کے دن بھی اسی طرح لوگوں کو ندا کر کے اکٹھا کیا جائے گا۔ اسے اس بات کا یقین ہوگا کہ جو شخص دنیا میں رضا و رغبت کے ہمراہ اذان کی پکار کا جواب دے گا وہ آخرت میں نرم اور خوش کن آواز میں بلایا جائے گا اور ایسا شخص قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ رہے گا۔ اسی طرح اسے چاہئے کہ طہارت کے دوران دل کی پاکی کا بھی خیال رکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ انسان کے دل کی حالت کے مطابق انعامات عطا فرماتا ہے۔ طہارت کے 4 مراتب ہیں۔

طہارت کے مراتب

(i) پہلا مرتبہ یہ ہے کہ جسم، لباس اور جائے نماز کو ظاہری ناپاکی سے پاک رکھا جائے۔ یہاں تک کہ ترشے ہوئے ناخن، کٹے ہوئے بال وغیرہ سے بھی پاک وصاف رکھا جائے۔ یہ طہارت عام مخلوق سے متعلق ہے۔

(ii) اس کا دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ انسان اپنے اعضاء کو گناہوں کے ارتکاب سے پاک رکھے، نیکوکار لوگوں کی طہارت یہی ہے۔

(iii) طہارت کا تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو مذموم صفات کی کدورت سے پاک رکھے۔ سالکانِ راہِ طریقت کے نزدیک یہی طہارت ہے۔

(iv) جبکہ طہارت کا چوتھا (اور بلند ترین) مرتبہ یہ ہے کہ انسان اپنے دل کو غیر اللہ سے پاک رکھے۔ یہ طہارت صدیقین (اولیاء کاملین) کے ساتھ مخصوص ہے۔

باطنی عورت

جس طرح نماز کے لیے ستر عورت کا ڈھانپنا ضروری ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ باطنی عورت کا ڈھانپنا بھی ضروری ہے یعنی انسان اپنے نفس کو حرص، حسد، بخل، خود پسندی تکبر، ریاکاری اور دیگر مذموم صفات سے پاک کرلے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں عام مخلوق اور اللہ تعالیٰ دونوں سے چھپانا ضروری ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ انسان اپنی ان باطنی خامیوں کو عام لوگوں سے تو چھپا سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے کس طرح چھپا سکے گا۔ اس کا ایک طریقہ ہے کہ انسان نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ شرمندگی اور ندامت کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے خوف سے لرزہ براندام رہتے ہوئے بارگاہ ربّ العزت میں حاضر ہو اس کے بعد تمام جہات سے اپنی توجہ ہٹا کر قبلہ کی طرف منہ کیا جاتا ہے۔ (جس میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے) کہ انسان اپنے دل کو ماسوی اللہ (کی محبت) سے پاک کرلے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کو اپنے دل (کے خیالات وتوجہ) کا قبلہ بنالے۔ بارگاہ ربّ العزت میں نہایت عاجزی اور نیازمندی کے جذبات کے ہمراہ کھڑا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی شان احدیت کی عظمت کے ظہور کے ذریعے نفسانی خواہشات

"سبحانك اللهم" پڑھتے ہوئے ذات باری تعالیٰ کا (تمام عیوب اور نقائص جو اس کی شان کے لائق نہ ہوں) سے پاک ہونے کا خیال دل میں رکھے "اعوذ باللّٰہ" پڑھتے ہوئے اپنے نفس اور خواہشات کے فریب، گمراہی اور شر سے خالق کائنات کی پناہ حاصل کرنے کا خیال ہو۔ "بسم اللّٰہ" پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ جو اس کائنات کا خالق ہے، کی تجلیات محسوس کرنے کی کوشش کرلے اور اس بات کا یقین رکھے کہ یہ ساری کائنات اور اس کے تمام افراد اللہ تعالیٰ ہی کی وجہ سے موجود ہیں۔ "الرحمن الرحیم" پڑھتے ہوئے جمال الٰہی کی مہربانیوں کی بارش کو اور عمومی اعتبار سے کمال الٰہی کے انوار کے آثار خصوصی طور پر ظاہر اور پوشیدہ مخلوق پر محسوس کرے۔

سورہ فاتحہ کی کیفیت

الحمد للہ پڑھتے وقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے فیضان اور اس کی جود و عطا کے پھیلاؤ کو ساری کائنات میں جاری و ساری دیکھے۔ عالم ملک و ملکوت بلکہ ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا نشان سمجھے۔ الرحمٰن الرحیم کی تکرار میں رحمت کے سمندروں کی لہروں کو ازسرنو غور سے دیکھنے کے باعث وہ توحید کے سمندر میں غرق ہوجائے گا اور دائرہ ازل کے نکتہ آغاز اور ابد کے نکتہ اختتام سے ملا ہوا دیکھے۔ اس مقام پر مالک یوم الدین کے انوار جلوہ گر ہوں گے اور اس وقت ساری کائنات کو کم تر سمجھنے کے باعث وہ طالب حق باری تعالیٰ کے آستاں پر سربسجود ہوجائے گا اور آداب بندگی کی پاسداری اپنا بنیادی فرض سمجھے گا۔

اللہ تعالیٰ کی بندگی کی خلعت اس کی زندگی کا حاصل بن جائے گی اور اس کے نور کی تجلیات کا غلبہ عبادت گزار کے وجود کو کم کردے گا اور پھر صحرائے فنا سے اٹھا کر بقا کے چشمے تک پہنچادے گا۔ اس وقت انسان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے تصرف کا مشاہدہ نہیں کرتا اور ہر معاملے میں صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا حقیقی مددگار سمجھتا ہے اور ایاك نستعين کی حقیقت کو صدق و یقین کے صحیفے سے پڑھ اور پھر فاستقم کما امرت کے آئینے میں فاسد اوہام اور باطل تصورات جو صحیح راہ کے مخالف اور حجاب کی آگ کو تیز کرنے والے ہیں ان کا مشاہدہ کرے اور تائید ربانی کے حصول کے لیے پورے اخلاص سے اھدنا الصراط المستقيم

کی دعا مانگے۔

پھر معرکہ استقامت کے مجاہدین اور کرامت کی منازل کے پیشرو حضرات کے نقش قدم پر چلنے کی تمنا کرے اور یہ کہے **صراط الذین انعمت علیھم**۔

پھر اس کے بعد تمام مردودان بارگاہ الٰہی کی گردنوں کو حرص و ہوس کے شکنجے میں جکڑی ہوئی دیکھے اور میدان کرامت و بزرگی کے مغروروں کو نفسانی خواہشات کا اسیر دیکھے اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں یوں دعا گو ہے۔ **غیر المغضوب علیھم ولا الضالین** ہماری خواہش تھی کہ ہم سورۂ فاتحہ کے الفاظ کے معانی و مفاہیم نسبتاً زیادہ تفصیل سے بیان کرتے تاکہ قارئین اس سے استفادہ کرسکتے لیکن یہ کتاب تصنیف کرتے ہوئے مختصراً اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

معزز قارئین! ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ'' (اور اللہ تعالیٰ اپنا حکم پورا کرنے کی طاقت رکھتا ہے)۔

آپ کو کوشش کرنی چاہئے (کہ سورۂ فاتحہ کے معانی کی مختصر تفصیل جو ہم نے بیان کی ہے اس کی خوشبو آپ کے ایمان کو معطر کردے۔ اگر آپ یہ مفاہیم سمجھ لیتے ہیں تو مبارکباد کے مستحق ہیں اور اگر نہیں سمجھ پاتے تو قضاء وحدت کے بہت سے پرندے ابھی غیب کے پردے کے پیچھے پوشیدہ ہیں۔ یہ حقائق ان کے لیے رہنما ثابت ہوں گے۔)

بادشاہی ذوق معنی بردن است ۔۔۔ نے بزور و ظلم دنیا خوردن است

ہر سگے را جیفہ دنیا دہند ۔۔۔ دولت آنکس یافت کش عقبٰی دہند

''حقیقت تک رسائی حقیقی بادشاہی ہے۔ ظلم وزیادتی کے ذریعے دنیا حاصل کرنا بادشاہی ہی نہیں ہے۔ ہر کتے کو دنیا کا مردار دیا جاتا ہے۔ حقیقی دولت اسے نصیب ہوتی ہے جسے آخرت (میں سعادت و کامیابی) عطا کردی جائے۔''

اگر آپ کے اندر یہ صلاحیت موجود نہیں ہے کہ اپنے فہم کی درستگی کی بدولت اسرار کے خزانوں کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور کرسکیں اور عرفان کے خزانوں کی ابدی دولت سے اپنا دامن بھر سکیں تو آپ اتنا تو کرسکتے ہیں کہ نماز کے وقت، نماز ادا کرلیا کریں اور نماز کے

دوران اپنے دل کو تمام خیالات سے ہٹا کر صرف بارگاہ ربّ العزت کی حاضری کی طرف متوجہ کردیں اور اس دوران قرآن مجید کے الفاظ کو ظاہری معانی پر غور وفکر کریں اور اپنے اعمال کی خرابی اور کوتاہی کی وجہ سے شرمسار ہوں اور نفس امارہ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے راستے سے ہٹا کر اس کی فرمانبرداری کی طرف مائل کریں۔ اگر آپ یقین کے خطے کے بادشاہ ہوں اور عالم اعیان کے سلاطین یعنی صوفیاء کے درجات کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتے تو کم از کم معبود حقیقی کی بندگی سے تو محروم نہ رہیں۔

[illegible]

ایک مرتبہ حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں کھڑے نماز ادا کررہے تھے کہ اسی دوران ایک باز نے ایک پرندے پر حملہ کیا۔ وہ پرندہ اپنی جان بچانے کے لیے درختوں کے پتوں کے درمیان ادھر ادھر چھپتا پھر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی توجہ اس طرف مبذول ہوگئی اور آپ رضی اللہ عنہ کو یہ یاد نہ رہا کہ آپ رضی اللہ عنہ کتنی رکعات ادا کرچکے ہیں (بعد میں) آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سارا ماجرا بیان کرکے عرض کی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے اس باغ کو صدقہ کرتا ہوں تاکہ نماز کے اندر پیدا ہونے والی بے توجہی کا کفارہ ادا ہوسکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باغ کو فروخت کرکے اس کی رقم غرباء اور مساکین میں تقسیم فرمادی۔

امام زین العابدین کا طرزِ عمل

حضرت امام زین العابدین جب نماز ادا کرنے کے لیے وضو فرماتے تو آپ رضی اللہ عنہ کے چہرہ مبارک کا رنگ (خشیت الٰہی کی وجہ سے) زرد ہوجاتا۔ لوگوں نے دریافت کیا اے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی یہ کیفیت کیوں ہوجاتی ہے؟ آپ نے فرمایا مجھے یہ خیال آجاتا ہے کہ میں کس عظیم ذات کی بارگاہ میں حاضر ہونے لگا ہوں۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ کا بیان

ام المؤمنین حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

كان رسول الله يحدثنا ونحدثه ويلاعبنا ونلاعبه فاذا حضرت الصلوة فكانه لايعرفناولا نعرفه

نبی کریم ﷺ ہمارے ساتھ گفتگو کیا کرتے تھے اور خوش طبعی کا اظہار بھی فرماتے لیکن جب نماز کا وقت ہو جاتا تو آپ ﷺ کی کیفیت یوں ہو جاتی گویا نہ تو آپ ہمیں جانتے ہیں اور نہ ہی ہم آپ کو جانتے ہیں۔

حضرت موسیٰ کی طرف وحی

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی:

''اے موسیٰ علیہ السلام جب تم (زبان کے ذریعے) ہمارا ذکر کرو تو اس سے پہلے تمہارے دل میں ہماری یاد موجود ہونی چاہئے اور جب تم ہماری بارگاہ میں حاضر ہونے لگو تو نہایت ادب واحترام کے ساتھ کھڑے ہو''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جب اللہ تعالیٰ کو یاد کرے تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں، اس کے اعضاء پر لرزہ طاری ہو جائے اور انسان اپنی بیچارگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہماری یاد میں سکون محسوس کرے، اپنے دل کو غفلت سے محفوظ رکھے اور ہمارے سامنے نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ کھڑا ہو۔ اس طرح عبادت وہ شخص کر سکتا ہے جس کی تمام خواہشات آخرت سے وابستہ ہوں اور وہ اس راہ کے تمام اندیشوں کو جھٹک کر دور پھینک دے، اس کا دل تمام خواہشات سے خالی ہو اور صرف اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا خیال اس کے دل میں جاگزیں ہو، وہ قیامت کے دن کی ہولناکی کو یاد رکھے اور نفسانی خواہشات کے سوراخوں کو پاکیزگی (قلب وبدن) کے ذریعے بند کر دے۔ لالچ کی آگ کو قناعت کے پانی سے سرد کر دے، اگر کسی شخص کے دل میں ایک ذرے کے برابر دنیا کی محبت ہو اور وہ اس حال میں یہ امید رکھے کہ آخرت میں بلند درجات حاصل کرے گا یا وہ یہ سوچے کہ اسے اکابر اولیاء کی مانند نماز میں لذت حاصل ہو گی تو اس کا یہ خیال غلط ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی مانند ہے جس کے جسم پر گندگی لگی ہوئی ہو اور وہ یہ خواہش کرے کہ کوئی مکھی اس کے جسم پر نہ بیٹھے۔

نماز میں ارتکاز

عن عائشة اهدی ابوجهم بن ابن حذیفة الی رسول الله خمیصة شامیة لها علم فشهد فیها الصلوة فلما انصرف قال ردی هذه الخمیصة الی ابی جهم فانی نظرت الی علمها فی الصلوة فکادان یفتننی

ام المؤمنین حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں۔ ابوجہم بن حذیفہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سیاہ رنگ کا اونی کرتا بھیجا جس پر سفید رنگ سے نقاشی کی گئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پہن کر نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کرتا اتار دیا اور فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اسے واپس ابوجہم کو بھجوا دو کیونکہ اس کی وجہ سے مجھے نماز کے دوران توجہ منتشر ہونے کا اندیشہ تھا۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریفین کے تسمے پرانے ہونے کی وجہ سے ایک صحابی نے ان کی جگہ نئے تسمے ڈال دیئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نعلین مبارک پہنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ان نئے تسموں پر پڑی تو آپ نے حکم دیا کہ یہ نئے تسمے نکال کر ان کی جگہ دوبارہ پرانے تسمے ڈال دیئے جائیں اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ جب میں نے یہ تسمے پہنے تھے اور میری نظر ان پر پڑی تو مجھے فرحت کا احساس ہوا اور مجھے اللہ تعالیٰ کی غیرت سے خوف محسوس ہوا۔

صاحب بصیرت لوگوں کو اس روایت پر غور کرنا چاہئے کہ تمام انبیاء کے سردار کی کیفیت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تسموں کی نئی جوڑی کو محبت الٰہیہ کے معاملے میں حجاب تصور کرتے ہیں اور عمدہ کپڑوں کو پہننے سے گریز کرتے ہیں جبکہ آج کے زمانے میں خواہش نفس کے پیروکار نام نہاد بزرگ ریشمی کپڑے پہننا اور قیمتی انگوٹھیاں پہننا پسند کرتے ہیں اور مال و اسباب کی کثرت اور آرائش و زیبائش کی زیادتی کو ولایت کا ظہور سمجھتے ہیں اور جہلاء قیمتی گھوڑوں اور فاسق و فاجر غلاموں کی موجودگی کو اسلام کی شان و شوکت کا نشان تصور کرتے ہیں اور دنیا کی

محبت کے اندھیروں میں گرفتار ہونے کے باوجود (لقب) نورالدین اور شمس الدین رکھتے ہیں۔ ارباب بصیرت بخوبی یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ یہ لوگ درحقیقت شیطان کے پیروکار ہیں۔

غافل کا ذکرِ الٰہی

یاموسیٰ قل لعصاۃ امتك ان لایذکرونی فانی اوجبت علی نفسی ان من ذکرنی ذکرته فاذا ذکرونی بالمعصیة ذکرتهم باللعنة

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل کی، اے موسیٰ! تم اپنی امت کے گناہگار لوگوں سے کہہ دو کہ مجھے یاد نہ کریں کیونکہ میں نے یہ طے کرلیا ہے کہ جو شخص (نیکی کی حالت میں) مجھے یاد کرے گا میں بھی اسے یاد رکھوں گا اور جو شخص گناہوں کے ہمراہ میرا ذکر کرے گا میں اس پر لعنت کروں گا۔

یہاں اس شخص کی مذمت کی گئی ہے جو غفلت کی حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اس شخص کی بدبختی کا عالم کیا ہوگا جو غفلت کی خباثت کے ہمراہ نافرمانی کی نجاست اکٹھی کرلیتا ہے اور ہمیشہ کے لیے ان دونوں کا شکار ہو کے رہ جاتا ہے اور اس کے باوجود اس بات کا خواہشمند ہوتا ہے (کہ آخرت میں) کلام الٰہی سے شرف یاب ہو حالانکہ یہ وہ مقام ہے جس کی عظمت کا سوچ کر اکابر اولیاء حیران و سرگرداں رہ جاتے ہیں اور مقربین بارگاہ الٰہی کی آنکھوں سے حسرت کا سیلاب جاری ہو جاتا ہے اگرچہ آج کے زمانے میں کوئی بھی شخص مذکورہ بالا دونوں خامیوں سے خالی نہیں ہے تاہم بعض مجازیب (مجذوب) جو اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور ہدایت سے شرف یاب ہوتے ہیں وہ ان خامیوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل

اولیاء کے سرخیل امیرالمؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نماز کے وقت مضطرب ہو جاتے۔ آپ کے چہرہ مبارک کی حالت تبدیل ہو جاتی۔ بعض مخلصین نے دریافت کیا آپ کیوں پریشان ہو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس امانت کی ادائیگی کا وقت ہو چکا ہے

جس کا بوجھ زمین و آسمان بھی نہیں اٹھا سکتے۔

قصہ مختصر یہ کہ جو شخص بیوی، بچوں، نوکر چاکر، خوشحالی، جاہ و منزلت میں راحت و لطف محسوس کرے گا وہ کبھی بھی بندگی کے لطف کا ذائقہ نہیں چکھ سکے گا نہ ہی اسے بندگی کی لذت، کلام الٰہی کا لطف اور بارگاہ ربّ العزت میں مناجات کی لذت وحلاوت حاصل ہو سکے گی۔

یہ مہلک مرض جو اکثر لوگوں کے اندر جڑ پکڑ چکا ہے اور اس کی بنیادیں لوگوں کے دلوں میں مضبوط ہو چکی ہیں، اس کا علاج صرف یہ ہے کہ انسان بیوی بچوں کو چھوڑ دے اور دنیوی مال واسباب کی محبت جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔ یہ علاج بہت مشکل ہے اور اس دوا کا ذائقہ بہت تلخ ہے اور یہی تلخی علاج کی دشواری کا بنیادی سبب ہے۔ بہت سے بزرگوں نے یہ کوشش کی کہ دو رکعت نماز اس طرح سے ادا کریں کہ اس دوران اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی خیال دل میں نہ آئے۔ بسیار کوشش کے باوجود وہ ایسا نہ کر سکے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم جیسے لوگ تو اس سعادت کے حصول کا تصور بھی نہیں کر سکتے جہاں تک "فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ" کا تعلق ہے تو ہم اگر مکمل طور پر اس سعادت کو حاصل نہیں کر سکتے تو بھی اس کے حصول کی کوشش کرنا چاہیے تاکہ مکمل نہ سہی نصف یا تہائی نماز ہی شیطانی وسوسوں کے بغیر ادا کر سکیں اور ہمارا شمار بھی ان خوش نصیبوں میں ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا:

خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

وہ لوگ اچھے عمل بھی کرتے ہیں اور ان سے برائیاں بھی سرزد ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ عنقریب ان کی توبہ قبول فرمالے گا بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

زکوٰۃ کے احکام

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی ھریرۃ قال رسول اللّٰہ علیہ السلام مامن ذھب ولافضۃ لایؤدی منھا حقھا الا اذاکان یوم القیامۃ صفحت لہ صفائح من نار فاحمی علیھا فی نارجھنم فتکوٰی بھا جبھتہ وجنبہ وظھرہ کلمابردت اعیدت لہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ حتی یقضی بین العباد فیحکم علیہ فیری سبیلہٗ اما الی الجنۃ واما الی النار۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا:
جوشخص سونا اور چاندی کا مالک ہو اور اس کا حق (یعنی زکوٰۃ) ادا نہ کرے تو اس سونے اور چاندی کو قیامت کے دن تختیوں کی شکل میں جہنم کی آگ میں پگھلا کر اس کے ذریعے اس شخص کی پیشانی اور پشت کو داغا جائے گا۔ جب وہ تختیاں سرد ہوجائیں گی تو دوبارہ انہیں گرم کیا جائے گا (اور یہ سلوک اس دن ہوگا) جب ایک دن (دنیوی اعتبار سے) 50'000 برس پر مشتمل ہوگا پھر جب (لوگوں کے انجام کا) فیصلہ ہوجائے گا تو وہ شخص (اپنے اعمال کے مطابق) اپنے مقام کی طرف بھیج دیا جائے گا خواہ وہ جنت ہو یا دوزخ ہو۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو درگزر فرماتے ہوئے اپنے فضل کے سبب اسے معاف فرمادے اور اگر چاہے تو عدل سے کام لیتے ہوئے اسے جہنم میں بھیج دے۔

✧ عن ابی ذرغفاری قال قال رسول اللّٰہ علیہ السلام مامن رجل یکون لہ ابل او بقر او غنم لا یودی حقھا الا اوتی یوم القیامۃ اعظم مایکون واسمنہ تطأہٗ باحقافھا وتنطحہ بقرونھا

كلما جازت اخرها ردت عليه اوليها حتى يقضى بين الناس۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص اونٹ، گائے اور بکریوں کا مالک ہو اور ان کا حق (یعنی زکوٰۃ) ادا نہ کرے تو قیامت کے دن وہ سب جانور (اپنے اصل وجود سے) زیادہ موٹے تازے اور بھاری بھرکم شکل میں لائے جائیں گے اور یہ سب اس شخص کو اپنے پیروں تلے روند ڈالیں گے۔ اپنے سینگوں کے ذریعے اسے زخمی کریں گے پھر جب آخری جانور یہ عمل سرانجام دے دے گا تو یہی سلسلہ دوبارہ شروع ہو جائے گا اور یہ عمل روز قیامت کے اختتام تک جاری رہے گا۔

✧ عن ابى هريرة قال قال رسول الله عليه السلام من اتاه الله مالا فلم يوذكوته مثل ماله يوم القيامة شجاعا اقرع له زبيبتان يطوقه ثم ياخذ منه بلهزمته ثم يقول انامالك انا كنزك۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جس شخص کو مال و دولت عطا کرے اور پھر وہ شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کا مال ایک خطرناک زہریلے سانپ کی شکل میں آئے گا اور اس شخص کی گردن میں طوق کی صورت میں ڈال دیا جائے گا۔ وہ سانپ اسے ڈسے گا اور یہ کہے گا کہ میں تمہارا مال ہوں۔ میں تمہارا خزانہ ہوں۔

پھر اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ تلاوت کی:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ط بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ط سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط

''جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کے ذریعے (مال و دولت عطا کیا ہے (اور وہ بخل سے کام لیتے ہیں) تم ہرگز یہ نہ سمجھو کہ ان کا یہ عمل ان کے لیے فائدہ مند ہے بلکہ یہ تو ان کے لیے بہت نقصان دہ ہے (جس مال میں) وہ بخل

کرتے ہیں اسے قیامت کے دن (سانپ کی شکل میں) ان کی گردنوں میں ڈال دیا جائے گا۔"

قیامت کے دن ایسے لوگوں کی گردنوں میں یہ سانپ اس لئے ڈالا جائے گا کہ دوسرے لوگ یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دنیا میں اس لئے مال عطا فرمایا تھا کہ اس کے ذریعے آخرت کا زادِ راہ تیار کیا جا سکے۔ اس کا بنیادی مقصد دنیاوی زندگی کے اندر شان وشوکت سے رہنا نہیں تھا۔

✧ عن ابی هريرة قال قال رسول الله عليه السلام اتقوا الشح فان الشح اهلك من كان قبلكم فحملهم ان يسفكوا دِمائهم واستحلوا محارمهم

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا بخل سے بچو کیونکہ تم سے پہلے والے لوگوں کو بخل ہی نے تباہ و برباد کیا۔ اس کی وجہ سے انہوں نے ایک دوسرے کا خون بہایا تھا اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال قرار دیا تھا۔"

اسی وجہ سے وہ لوگ دوزخ کا ایندھن بن گئے۔ تھے۔

✧ عن ابی هريرة قال رجل يارسول الله ای الصدقة اعظم اجرًا قال ان تصدق وانت صحيح شحيح تخشى الفقر وتامل الغنى ولا تهمل حتى اذا بلغت الحلقوم قلت لفلان كذا ولفلان كذا وقد كان لفلان

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے دریافت کیا یارسول اللہ ﷺ! اجر کے اعتبار سے سب سے افضل صدقہ کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ صدقہ جو تندرستی کی حالت میں دیا جائے۔ اس وقت جبکہ نفس بخل پر آمادہ ہو اور دیگر ضروریات سے ڈر رہا ہو۔ اس کے علاوہ مال و دولت میں اضافے کا خواہاں ہو اور صرف اس وقت صدقہ کرنے پر تیار ہو جبکہ

جان لبوں پر آ چکی ہو (اس وقت یہ کہے) فلاں شخص کو یہ دے دینا، فلاں کا یہ
حصہ ہوگا حالانکہ اب تو وہ شخص خود (موت کا) حصہ بننے جا رہا ہے (اس وقت)
صدقہ کرنے سے کیا حاصل ہوگا۔"

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ اس وقت خانہ کعبہ کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ مجھے دیکھ کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ربِّ کعبہ کی قسم لوگ خسارے کا شکار ہو جائیں گے۔ میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں یہ کون لوگ ہوں گے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ لوگ جو بہت مال و دولت کے مالک ہوں گے۔ البتہ جو کوئی (مال کی کثرت کے باوجود) اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے گا (وہ خسارے کا شکار نہیں ہوگا) لیکن ایسے لوگ بہت کم ہوں گے۔

ہر زمانے میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو مال کی محبت میں اپنا ایمان تباہ کر دیتے ہیں۔

زکوٰۃ کی معرفت

معزز قارئین! جو شخص آخرت میں حقیقی سعادت کے حصول کا خواہش مند ہو وہ زکوٰۃ اور صدقہ کے وجوب کی معرفت اور اس کے باطنی آداب کی حفاظت کے لیے شرائط کا خیال رکھے۔

1- زکوٰۃ کی فرضیت کا مطلب سمجھنا۔
2- زکوٰۃ کی ادائیگی کے مقررہ وقت سے پہلے ادائیگی کے لیے تیار رہنا۔
3- زکوٰۃ کی ادائیگی کے دوران ریاکاری سے بچنا۔
4- دوسروں کو ترغیب دینے کے لیے علی الاعلان زکوٰۃ دینا۔
5- جس شخص کو زکوٰۃ دی ہو اسے ایذاء پہنچانے اور احسان جتلانے سے گریز کرنا۔
6- زکوٰۃ کی ادا شدہ مقدار کو کم شمار کرنا۔

7- سب سے بہتر پاکیزہ اور محبوب چیز بطور زکوٰۃ ادا کرنا۔
8- متقی اور پرہیزگار، مستحق لوگوں کو زکوٰۃ ادا کرنا۔

سب سے پہلے ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ آخر ایسی کونسی وجہ ہے جس کی بدولت زکوٰۃ کو اہل ایمان (کے دعویٰ ایمان) کی سچائی (کو پرکھنے) کا معیار قرار دیا گیا ہے؟ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بنیادی تعلیمات میں اسے کیوں شامل کیا ہے؟ حالانکہ زکوٰۃ کو بدنی عبادات میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ اس سوال کے جواب کے حصول کے لیے تین نکات پیش نظر رکھے جائیں گے۔

﴿۱﴾ پاکیزہ دل رکھنے والے (صوفیائے عظام نے) یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ انسان کلمہ توحید پڑھ کر توحید کا اقرار کرتا ہے جس کا مطلب معبود حقیقی کے لیے وحدانیت کا اثبات اور محبوب حقیقی کے لیے فردانیت (منفرد اور ایک ہونا) کی گواہی دینا ہے۔ دوسرے لفظوں میں جب آپ کسی کو محبوب قرار دیتے ہیں تو درحقیقت اسے معبود سمجھتے ہیں۔ اس لئے داناؤں کا قول ہے "ہرچہ در بندان بندہ آنی۔" (جس چیز سے محبت رکھتے ہیں درحقیقت تم اس کے غلام ہو)

تمام مخلوقات مختلف طرح کے ظاہری و معنوی محبوبوں کی بندگی کا شکار ہیں۔ اگرچہ لوگوں کی طبیعت اور کیفیت مختلف ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود ہر ایک (کسی نہ کسی کی) محبت کا دم بھرتا ہوا نظر آتا ہے جبکہ محبوب کی جدائی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی کیفیت کے ذریعے محبت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت پہلے مال کو لوگوں کے نزدیک محبوب بنا دیا تاکہ اس مال کو خرچ کرنے یا اس میں کنجوسی کرنے سے یہ بات واضح ہوجائے کہ کون شخص اپنے دعویٰ ایمان میں سچا ہے اور کون جھوٹ بول رہا ہے۔ نیچ طبیعت کے مالک مال و دولت اور جاہ و منصب کو اپنا قبلہ قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ دونوں چیزیں آخرکار فنا ہوجائیں گی۔ اس کے برعکس صوفیائے عظام مجازی محبوبوں کو، محبوب حقیقی کی راہ میں کسی گنتی میں شمار نہیں کرتے اور درحقیقت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ

''تم اس وقت تک نیکی تک نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنی محبوب اشیاء (اللہ تعالیٰ کے راستے میں) خرچ نہیں کر دیتے۔''

یہ حضرات قرآن مجید کی اس آیت کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے، جنت کے بدلے، ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں۔

اہل ایمان کی اقسام

اس اعتبار سے اہل ایمان کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) سب سے پہلے وہ لوگ ہیں جو توحید کے حقوق صحیح طریقے سے ادا کرتے ہیں اور زکوۃ کے وجوب پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ اتنا غلہ اور اتنے پیسے جمع ہی نہیں کرتے جس پر زکوۃ واجب ہو سکے۔ دنیا میں انہیں جو مال و دولت حاصل ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے راستے میں لوٹا دیتے ہیں۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت جنید بغدادی اور شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہم کی مخالفت پر کمر بستہ ہوئے اور آپ کو بدنام کرنے کے لیے ان سے زکوۃ کا حکم دریافت کیا۔ شیخ ابوالحسن نوری نے جواب دیا۔ فقہ کا عام حکم یہ ہے کہ ہر 2 ہزار درہم میں سے 5 درہم (یعنی اڑھائی فیصد) زکوۃ ادا کی جائے گی لیکن میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اگر کسی درویش کے پاس پوری دنیا (کے خزائن کے برابر) دولت ہو اور وہ اسے ایک لمحے کی معرفت کے حصول کے عوض میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دے تو بھی وہ قصور وار شمار ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے گا)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

(۱) جس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے جملہ مال کا

نصف حصہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں پیش کر دیا جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا پورا مال بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں پیش کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے ان سے دریافت کیا ''ماذا ابقیت لعیالك'' (تم اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کے آئے ہو) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''اللّٰہ و رسولہ'' (اللہ اور اس کا رسول چھوڑ کر آیا ہوں) نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہی بات دریافت کی۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ ''مثلھا'' یعنی جتنا مال میں نے آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے اتنا ہی اپنے گھر والوں کے لیے چھوڑ آیا ہوں تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''ما بینکما مابین کلماتکما'' (تم دونوں کے مراتب کے درمیان وہی فرق ہے جو تمہارے جواب کے درمیان ہے) یعنی اے عمر! اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا مرتبہ ابوبکر کے مرتبے کے نصف ہے، کامل محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ انسان محبوب حقیقی کے علاوہ کسی اور کی محبت (دل میں) اکٹھا نہ کرے البتہ جس محبت کے ذریعے محبوب حقیقی کا قرب حاصل ہوتا ہو اس کا حکم مختلف ہے۔

(2) دوسری قسم ان افراد پر مشتمل ہے جو کامل محبت کے تقاضے پورا کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ یہ لوگ اس لئے حلال مال اکٹھا کرتے ہیں تاکہ آسانی سے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہو سکیں۔ یہ اس مال کی حفاظت ایک امانت کے طور پر کرتے ہیں اور اس بات کے متلاشی رہتے ہیں کہ کسی مستحق شخص یا موقع پر اس مال کو خرچ کیا جا سکے جیسے ہی انہیں کسی ضرورت مند کے بارے میں پتہ چلتا ہے حسب استطاعت اس کی مدد کرتے ہیں۔ یہ لوگ صرف زکوٰۃ کی مخصوص مقدار ہی کو خرچ نہیں کرتے (بلکہ اس کے علاوہ بھی انفاق فی سبیل اللہ سے کام لیتے ہیں) یہ درحقیقت درمیانی طبقے کے لوگ ہیں۔

عام مسلمان

(3) تیسری قسم ان عام مسلمانوں پر مشتمل ہے جو اپنے اوپر لازم فرض احکام کو پورا کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہ نفلی صدقات ادا نہیں کرتے۔ البتہ کسی کو نقصان پہنچانے سے بھی گریز کرتے ہیں۔ یہ سب سے کم مرتبے کے حامل لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت ان کے دل میں (مخصوص حد تک) مال کی محبت پیدا کر دی ہے جس کی وجہ

سے ان کی طبیعت پر نسبتاً بخل کا غلبہ رہتا ہے۔ ان کے قلوب میں آخرت کی محبت اُس قدر مقدار میں نہیں ہوتی جتنی ہونی چاہئے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہیں دے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ○

''اگر وہ تم سے تمہارے مال طلب کرے اور اس پر اصرار کرے تو تم بخل کرنے لگو اس طرح وہ تمہاری ناگواری کو ظاہر فرما دے۔''

اب بھلا ایسے لوگ کہاں ہیں جو بلند درجات کے حصول کے مستحق ہوں جن کی علو ہمت کے نتیجے میں انہیں قرب الٰہی حاصل ہو سکے اور جو محبت کے عرفان کی قوت کے ذریعے اپنی جان اور مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر سکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ

''بے شک اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلے میں، اہل ایمان سے ان کے مال اور ان کی جانیں خریدی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں (وہ کفار کو قتل کرتے ہیں) اور خود بھی شہید ہو جاتے ہیں۔''

کم ہمت لوگ

جبکہ دوسری طرف ایسے کم ہمت بھی ہیں جن کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا گیا

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا

''اگر وہ تم سے تمہارے مال کے بارے میں سوال کرے اور اس پر اصرار کرے تو تم بخل کرنے لگو۔''

یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ليس شيء خير من الف مثله الا المؤمن''

''مومن کے سوا کوئی بھی چیز اپنی جیسی دیگر ایک ہزار اشیاء سے بہتر نہیں ہوتی۔''

اب ہم دل کے آئینے کو بخل کی گندگی سے پاک کرنے کے بارے میں کچھ گفتگو کریں

گے کیونکہ یہ ایک خطرناک مرض ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"

"اور جو شخص اپنے آپ کو بخل سے پاک کرے وہ کامیاب ہو جائے گا۔"

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"ثلث مهلكات منها شح مطاع"

"تین عادات ہلاک کر دیتی ہیں (جن میں سے ایک) بخل کرنا بھی ہے۔

یعنی جس شخص پر بخل غالب ہے وہ آخرت میں ہلاک ہو جائے گا اور اس کا ایمان تباہ ہو جائے گا۔ بخل کیونکہ ایک معنوی بیماری ہے اس لئے اس کی ہلاکت کے اثرات قیامت کے دن ظاہر ہوں گے اور اس کے شکار شخص کو دائمی ہلاکت میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ اس لئے اس بیماری کا علاج نہایت ضروری ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ انسان کو جس قدر مال ملے اسے اللہ کے راستے میں خرچ کر دے اور اپنے ملک میں آنے والی ہر چیز اللہ کی راہ میں خرچ کر کے خوشی حاصل کرے اور اس خطرناک مرض سے نجات پا جاؤ۔

شکر کی ادائیگی

زکوٰۃ ادا کرنا دراصل مال کی نعمت کا شکر ادا کرنے کے مترادف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی کسی بندے کو مال و دولت عطا فرماتا ہے اور پھر وہ شخص جب اپنے ہی جیسے کسی اور انسان کو مال پریشانی کا شکار دیکھ کر انصاف کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے، اس محتاج کی حاجت پوری نہیں کرتا تو ایسا شخص گویا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کا انکار کرتے ہوئے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق بنا لیتا ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن ایک شخص کو حساب کے لیے پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے دریافت کرے گا اے میرے بندے! میں نے دنیا میں تجھ سے کھانا مانگا تھا لیکن تو نے مجھے کھانا نہیں دیا۔ میں نے تجھ سے کپڑا مانگا تھا لیکن تو نے مجھے کپڑا نہیں دیا۔ وہ بندہ عرض کرے گا اے میرے

پروردگار! یہ کس طرح ہوسکتا ہے (کہ تجھے ان چیزوں کی ضرورت ہوتو ان سے پاک ہے) اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا ایک مرتبہ تمہارے پاس ایک بھوکا اور لباس کے حصول کا مستحق شخص آیا تھا اور ہم نے تمہیں جو نعمتیں عطا کی ہیں، تم نے ان میں سے اپنی ضرورت سے زائد اشیاء میں سے اس کی ضرورت پوری نہیں کی مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم ہے آج میں تمہیں بھی اسی طرح (اخروی نعمتوں سے) محروم رکھوں گا جس طرح تم نے اس شخص کو محروم رکھا تھا۔''

زکوٰۃ ہمیشہ جلد ادا کرنی چاہئے کیونکہ اس کے بہت سے فائدے ہیں۔ایک فائدہ یہ ہے کہ اس عمل کے ذریعے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجاآوری کرتے ہوئے برضاورغبت اسے ادا کررہا ہے اور یہ چیز ایمان کی درستگی کی نشانی ہے، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جس مستحق کی حاجت جلدی پوری ہوجائے گی اسے خوشی اور سکون میسر ہوگا اور یہ بہت بڑی نیکی ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ادخال السرور فی قلب المؤمن خیر من عبادۃ الثقلین"

''کسی مومن کو خوش کرنا دونوں جہانوں کی عبادت سے بہتر ہے۔''

✧ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی وجہ سے انسان بہت سی بلاؤں اور حادثات سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

✧ چوتھا فائدہ یہ ہے کہ جو شخص بھلائی کی طرف بلائے اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور وہ فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔لہٰذا جب زکوٰۃ جلدی ادا کرنے کے اتنے فوائد وثمرات ہیں تو انسان کو چاہئے کہ موقع غنیمت ہاتھ سے نہ جانے دے اور جلد از جلد زکوٰۃ ادا کرکے شیطانی وسوسوں اور خیالات سے محفوظ ہوجائے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَأْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ

''شیطان تمہیں فقر (تنگدستی سے ڈراتا ہے اور بری باتوں کا حکم دیتا ہے)

اگر زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے کوئی مخصوص وقت مقرر کرنا ہوتو زیادہ بہتر یہ ہے کہ فضیلت والے ایام مقرر کیے جائیں۔جیسے محرم کا مہینہ ہے کہ ہجری سال کا آغاز اسی مہینے سے ہوتا ہے۔اس طرح رمضان المبارک کا مہینہ ہے یا رجب کا مہینہ ہے یا ذوالحج کا مہینہ

ہے کہ ان مہینوں کے مخصوص ایام فضیلت کے حامل ہوتے ہیں۔

پوشیدہ ادائیگی

زکوٰۃ کو پوشیدہ طور پر دینا افضل ہے کیونکہ اس صورت میں یہ عمل ریا کی آفات سے بچاؤ کے لیے ایک بہترین حصار ثابت ہوگا اور یہ عمل زکوٰۃ دینے والے کی نیت کے اخلاص کی دلیل اور اس کے عمل کی قبولیت کا وسیلہ ثابت ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

افضل الصدقة جهد المقل الى فقير في سر

''افضل صدقہ وہ ہے جو ایک تنگدست آدمی پوشیدہ طور پر کسی فقیر کو دے۔''

ان العبد يعمل عملا في السر فيكتبه الله في ديوان السر فان اظهره نقل من السر وكتب في العلانية فان تحدث بها نقل من السر والعلانية كتب رياءً

جب کوئی شخص پوشیدہ طور پر (نیک) عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی پوشیدہ طور پر اسے محفوظ کر لیتا ہے اور اگر وہ شخص اسے ظاہر کر دے تو اس کا عمل، پوشیدہ دفتر (نامہ اعمال) میں سے نکال کر ظاہری نامہ اعمال میں درج کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ شخص اس کا چرچا شروع کر دے تو اس کا یہ عمل ریا کاری (کے باب میں) درج کر دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا لطفِ خاص

ایک حدیث مبارکہ کے مطابق قیامت کے دن 7 قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کے خاص لطف کے زیر سایہ ہوں گے جن میں سے ایک وہ شخص ہوگا جو دنیا میں اس قدر پوشیدہ طور پر صدقہ دیتا تھا کہ اگر دائیں ہاتھ سے صدقہ دیا تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہوتی۔

بعض بزرگان دین کا طریقہ یہ تھا کہ صدقہ کا مال ایک تھیلی میں ڈال کر راستے میں رکھ دیتے تھے تاکہ مستحق لوگ اسے حاصل کر لیں۔ انکا مقصد یہ تھا کہ وہ چیز لینے والے کو یہ پتہ نہ چل سکے کہ یہ کس نے دی ہے جبکہ بعض دیگر حضرات جو ریا کاری کی آفات سے محفوظ تھے وہ کسی شخص کو اپنا وکیل مقرر کر دیتے تھے تاکہ کوئی شخص اپنے آپ کو ان کا احسان مند تصور نہ

کرے جو لوگ راستے میں سامان رکھ دیتے تھے انہیں یہ اندیشہ لاحق رہتا تھا کہ کہیں وہ دکھاوے کی آفت کا شکار نہ ہو جائیں کیونکہ وہ یہ بات جانتے تھے کہ زکوٰۃ اور صدقے کی ادائیگی کا بنیادی مقصد بخل کی بیماری سے محفوظ رہنا ہے اور ظاہری طور پر ان کی ادائیگی ریا کی مصیبت کا شکار کر سکتی ہے اس لئے وہ ان دونوں آفات سے بچنے کی خاطر یہ طریقہ کار اختیار کرتے تھے تا کہ ان دونوں کے نتیجے میں ملنے والے آخرت کے عذاب سے محفوظ رہ سکیں۔ روایات کے مطابق بخل، قبر میں بچھو کی صورت میں ظاہر ہوگا جبکہ ریاکاری سانپ کی شکل میں ظاہر ہوگی اور یہ بات طے ہے کہ سانپ کا ڈنک بچھو کے ڈنک سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے اس لئے ان دونوں سے بچاؤ کی خاطر صدقہ ادا کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ اخفاء سے کام لینا چاہئے۔

اکابر کا طریقہ کار

بعض اکابر کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو ترغیب دینے کی خاطر علانیہ طور پر صدقہ دیا کرتے تھے اور دوسروں کی ترغیب کی خاطر ایسا کرنا بہتر ہے لیکن ان اکابر کی دلی کیفیت یہ تھی کہ وہ برسہا برس کی ریاضتوں کے ذریعے نفس امارہ کی ریشہ دوانیوں سے نجات حاصل کر چکے تھے۔ ان کا آئینہ دل مذموم صفات کے گرد و غبار سے صاف ہو چکا تھا۔ ان کے نزدیک مخلوق کا تعریف کرنا یا نہ کرنا یکساں حیثیت کا حامل تھا۔ یہ حضرات خود پسندی اور ریاکاری کی آفات سے نجات پا چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں صرف لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے پیدا کیا تھا۔ اس لئے ان حضرات کا علانیہ طور پر لوگوں کو ترغیب دینے کے لیے صدقہ و خیرات کرنا ان کی نیکیوں میں اضافے کا سبب بنتا تھا جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ارشاد ہوا۔

من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها

جو شخص اچھا کام کرے اسے اس کا ثواب ملے گا اور اسے دیکھ کر اگر کوئی اور شخص بھی وہی نیکی کرے تو اس کا ثواب بھی اسے ملے گا۔

جس شخص کو زکوٰۃ ادا کی جائے اگر وہ علانیہ طور پر لینے میں شرمندگی محسوس کرے تو

پوشیدہ طور پر زکوٰۃ دینا واجب ہوگا۔

صدقہ یا زکوٰۃ ادا کر لینے کے بعد احسان جتلانا یا ایذاء پہنچانا ممنوع ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى

''اے ایمان والو! احسان جتا کر یا ایذا پہنچا کر اپنے صدقات ضائع نہ کرو۔''

احسان جتلانے یا اذیت پہنچانے کا مطلب کیا ہے؟ اس بارے میں علماء کرام کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔

احسان جتلانے کا مفہوم

بعض حضرات کے نزدیک احسان جتلانے کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والا، زکوٰۃ لینے والے کو حکماً اپنے کسی کام کی ادائیگی پر مجبور کرے جبکہ اذیت پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ لینے والے کو برا بھلا کہے۔ اس کی غربت اور تنگدستی کی وجہ سے اسے شرمندہ کرے۔ بعض علماء کے نزدیک احسان جتانے کا مطلب یہ ہے کہ متکبرانہ طرز عمل اختیار کیا جائے جبکہ اذیت پہنچانے کا مطلب درشت لہجے میں گفتگو کرنا ہے۔

بعض علماء کے نزدیک احسان جتلانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ خیال کرے کہ میں نے اس شخص کے ساتھ بڑی بھلائی کی ہے اور اذیت پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان زبان کے ذریعے بھی اس کا اظہار کرے اور سب سے بہتر تفسیر یہی ہے۔

زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ لینے والے پر کوئی احسان نہیں کرتا کیونکہ زکوٰۃ لینے والا زکوٰۃ قبول کر کے زکوٰۃ دینے والے کے ذمے سے ایک بھاری فرض کو ختم کر دیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''الصدقة تقع بيد الله قبل ان تقع بيد السائل''

صدقے (کی چیز) سائل کے ہاتھ میں آنے سے پہلے (گویا) اللہ تعالیٰ کے ہاتھ (دست قدرت) میں آتی ہے۔

پس مستحق شخص اللہ تعالیٰ کا نائب ہونے کی حیثیت سے اس صدقے کو قبول کرتا ہے۔

لہٰذا جب زکوٰۃ لینے والا اللہ تعالیٰ کا نائب ہو اور اس کے ساتھ ساتھ وہ زکوٰۃ دینے والے کے ذمے سے ایک اہم ذمہ داری کا بوجھ بھی ہلکا کردے تو اس صورت میں زکوٰۃ دینے والے کو اس کا احسان مند ہونا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ

تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ ختم ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ باقی رہے گا۔

یعنی تمہارے پاس جو کچھ بھی موجود ہے وہ ختم اور فنا ہو جائے گا مگر احسان اور خیرات کے ذریعے تم ہمارے کرم کے خزانے میں جو کچھ جمع کرواؤ گے وہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ درحقیقت مستحق شخص ایک مہربان نمائندہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نیابت و نمائندگی کرتے ہوئے صدقہ دینے والے کے اس مال کو مہربانی سے وصول کرتا ہے جو فنا کے سیلاب کی گزرگاہ میں موجود ہے اور پھر وہ نمائندہ اس مال کو اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے خزانے میں جمع کروا دیتا ہے تاکہ قیامت کے دن صدقہ دینے والے کے کام آسکے۔ اس لئے درحقیقت اسے صدقہ دینے والے پر احسان جتلانا چاہئے۔

سلف صالحین کا طریقہ

انہی حقائق کی طرف توجہ مبذول کرتے ہوئے سلف صالحین کا طریقہ یہ تھا کہ زکوٰۃ کی رقم دائیں ہاتھ پر رکھ کر نہایت عاجزی اور انکساری سے مستحق کو پیش کرتے تھے تاکہ اسے وصول کرتے وقت مستحق شخص کا ہاتھ دینے والے سے اونچا رہے۔

حضرت عمر، حضرت ام سلمہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عادت شریفہ یہ تھی جب مستحق کو کچھ دیتے اور مستحق ان کے لیے دعا کرتے وہ بھی ان کے لیے دعا کیا کرتے تھے اور مستحق کے صدقہ قبول کرنے کو اس کی مہربانی سمجھتے تھے۔

چھٹی شرط

چھٹی شرط یہ ہے کہ جو کچھ آپ دے رہے ہیں اسے حقیر اور کم تر سمجھیں کیونکہ اس کو

بڑا سمجھنے سے انسان کے اندر خود پسندی اور غرور کی منفی صفت پیدا ہو جاتی ہے جو نیک اعمال کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔

علماء کرام فرماتے ہیں، عبادت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ اسے جتنا چھوٹا سمجھیں گے وہ اتنی ہی بڑی ہوتی چلی جائے گی اور گناہ کی خرابی یہ ہے کہ اسے جتنا بڑا سمجھیں گے وہ اتنا ہی چھوٹا ہوتا چلا جائے گا۔

صاحبِ ثروت کا فرض

صاحب ثروت شخص کا فرض ہے کہ وہ تین وجوہ کے باعث خود کو کم تر سمجھے۔

(1) فی انسان اس بات کا یقین کرے کہ تمام تر دنیاوی مال و اسباب زمانے کے حادثات اور فنا کے سیلاب کی زد پر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہمیشہ باقی رہنے والا گھر تیار کر رکھا ہے اور اسے یہ ہدایت کی ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والے گھر میں بھجوا دے تاکہ وہاں پہنچ کر وہ حادثات زمانہ سے محفوظ ہو جائے اور وہ شخص آخرت میں اس کے فوائد و ثمرات سے بہرہ مند ہو۔ اگر انسان صرف چالیسواں حصہ ہی آخرت کی طرف بھیجتا ہے تو وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہوئے خود کو خطرے کا شکار کر دیتا ہے اور اپنی ذات کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے۔

(2) زکوٰۃ دینے والا ایک فنا ہونے والی چیز کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے تحت ایک مستحق کے سپرد کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا وکیل (نمائندہ) ہے اور پھر اس عمل کے بدلے میں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ امید رکھتا ہے کہ آخرت میں اسے 700 گنا اجر و ثواب عطا کیا جائے گا۔ اگر انسان کو اس کے حق ہونے پر یقین ہوگا تو وہ ضرور اس سودے کو غنیمت سمجھے گا اور اپنا مال و اسباب اس سودے میں صرف کر دے گا لیکن اگر وہ صرف چالیسواں حصہ دینے پر اکتفا کرتا ہے تو اسے اپنی کوتاہی پر غور کرنا چاہئے اور اس عمل کو کوئی بہت بڑی نیکی نہیں سمجھنا چاہئے۔

(3) دنیا اور اس میں موجود تمام اشیاء کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ کوئی شخص کسی بھی چیز کا مستقل طور پر ذاتی مالک نہیں ہے۔ انسان کے پاس موجود تمام تر نعمتیں امانت کی

مانند ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے نمائندوں یعنی مستحق افراد کو اس کے پاس بھیجتا ہے تاکہ انسان اس کی امانت واپس لوٹا دے۔

اب اگر کوئی شخص اس امانت کی واپسی میں صرف چالیسویں حصے پر اکتفا کرتا ہے تو اسے اپنے عمل کی کوتاہی پر خجالت اور شرمندگی محسوس کرنا چاہیے اور اگر اسے کوئی شرمندگی محسوس نہیں ہوتی تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اس مسئلہ کی حقیقت سے مکمل طور پر بے خبر ہے۔

پاکیزہ چیز کی ادائیگی

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے سب سے عمدہ، پاکیزہ اور صاف ستھری چیز دینی چاہیے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

ان اللہ طیب لایقبل الاطیبا

اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک چیزیں قبول فرماتا ہے۔

خود ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ"

"اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کروں۔"

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْہُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْہِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْہِ

"اور ہماری راہ میں ردی اشیاء خرچ نہ کرو (کیونکہ اگر یہی تمہیں واپس کردی جائیں) تو تم ناگواری سے انہیں وصول کرو گے۔"

اللہ تعالیٰ کی محبت ایمان کی صحت کی نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی نشانی یہ ہے کہ انسان اپنی عزیز ترین چیز کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کردے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لایومن احدکم حتی یکون اللہ و رسولہ احب الیہ مما سواھما

کوئی بھی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک اللہ اور اس کا رسول اس کے نزدیک ہر ایک سے زیادہ محبوب نہ ہوجائیں۔

اور اس کی علامت یہ ہے کہ صدقہ کرتے وقت انسان اپنی بہترین چیز کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی یہ صفت بیان فرمائی ہے۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ

(اور وہ اللہ کے لیے ناپسندیدہ اشیا مخصوص کرتے ہیں۔)

مہمان نوازی

معزز قارئین! اگر آپ کے ہاں کوئی شخص بطور مہمان آجائے تو آپ نہایت اہتمام کے ساتھ بہترین کھانے سے اس کی خاطر مدارت کرتے ہیں اور اس بات سے شرم محسوس کرتے ہیں کہ خراب یا کم درجے کا کھانا مہمان کے سامنے پیش کیا جائے لیکن جب صدقہ دینے کا وقت آتا ہے تو سب سے کم تر چیز اس مستحق کو دیتے ہیں جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کا نائب اور اس کا وکیل ہے اور ایسا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ذرا بھی شرم محسوس نہیں کرتے۔ آپ خود سوچیں کہ کیا ایسا شخص مومن کہلانے کا حقدار ہے جو مخلوق سے تو شرم محسوس کرے لیکن خالق سے شرم محسوس نہ کرے گویا دوسرے لفظوں میں اس کے نزدیک مخلوق کی قدر و منزلت خالق کی عظمت و شان سے زیادہ ہے۔ ایسے شخص کا ایمان آخرت میں اس کے کسی کام نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ

بعض لوگ اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن درحقیقت وہ مومن نہیں ہوئے۔

زکوٰۃ دینے والے شخص کو چاہئے کہ وہ زکوٰۃ دیتے ہوئے متقی اور پرہیزگار مستحق تلاش کرے بلکہ ایسے مستحق کو زکوٰۃ دے جس میں 5 صفات پائی جائیں۔

تقویٰ، علم، عفت، ضرورت، قرابت۔

تقویٰ

زکوٰۃ دینے والے شخص کو لازم ہے کہ ایسا مستحق تلاش کرے جو پرہیزگار ہو۔ نماز کا تارک نہ ہو، بدعتی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء اور کاموں سے بچتا ہو کیونکہ زکوٰۃ کی

فرضیت کا بنیادی مقصد نیک لوگوں کی تنگدستی کو ختم کرنا ہے اور پرہیزگار لوگوں کو اخراجات کی فکر سے سبکدوش کرنا ہے تاکہ وہ کامل یکسوئی کے ساتھ اللہ کا ذکر کرسکیں وہ اپنا بیشتر وقت اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری، ذکراذکار کی کثرت، اورادووظائف پڑھنے اور قرآن مجید کی تلاوت میں صرف کرسکیں۔ غرضیکہ اپنے ظاہر اور باطن کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقف کردیں اور تجارت اور دیگر دنیاوی معاملات سے بے نیاز ہوجائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ"

"(اللہ کے خاص) بندے وہ ہیں جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی۔"

پس اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت ان حضرات کی دنیاوی ضروریات کی تکمیل کے لیے صاحب ثروت لوگوں پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب کی ہے تاکہ یہ دنیادار لوگ بھی حقوق بندگی کی ادائیگی میں ان کے ساتھ شریک ہوسکیں۔ اور ان حضرات کو بھی فقر وفاقہ کی پریشانی سے نجات مل جائے اور یہ پوری توجہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرسکیں اور صاحب ثروت لوگ ان کی عبادات میں معاونت کی وجہ سے نجات کے مستحق قرار پائیں۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اطعموا طعامکم الا تقیاء (پرہیزگار لوگوں کو کھانا کھلاؤ)

اس کی وجہ یہ ہے کہ کھانا کھلانے کا مطلب اگلے کو قوت فراہم کرنا ہے۔ لہٰذا جب کوئی شخص کسی کو کھانا کھلاتا ہے تو جب تک اس کھانے کی قوت اس شخص میں موجود رہتی ہے اس وقت تک اس سے صادر ہونے والی ہر نیکی یا برائی کے ثواب یا گناہ میں کھانا کھلانے والا شخص برابر کا حصے دار ہوتا ہے کیونکہ اس عمل کی قوت اس کھانا کھلانے والے شخص نے فراہم کی تھی۔

حضرت موسیٰ کا واقعہ

حدیث شریف میں منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی بھی چیز کے مالک نہ تھے۔ بنی اسرائیل روزانہ باری باری آپ کی ضروریات کی تکمیل کرتے تھے۔ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت دل گرفتگی کے عالم میں بارگاہ رب العزت میں عرض کی:

"اے میرے پروردگار! تو نے مجھے اپنے بندوں کے درمیان کس ذلت میں مبتلا کر دیا ہے؟ ایک شخص مجھے صبح کے وقت کھانا کھلاتا ہے اور دوسرا شام کے وقت کھانا کھلاتا ہے۔ (میں خود کچھ بھی کما کے کھا نہیں سکتا) تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی، اے عمران کے بیٹے! ہم اپنے دوستوں کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں۔ ہم ان کا رزق دنیاداروں کے سپرد کر دیتے ہیں تاکہ وہ بھی اجر کے مستحق ہو سکیں۔

علم [illegible]

اگر زکوٰۃ لینے والا تقویٰ کے ہمراہ علم کی صفت سے بھی متصف ہو تو زکوٰۃ دینے والے کا اجر و ثواب دوگنا ہو جاتا ہے لیکن یاد رہے کہ یہاں علم سے مراد علم توحید، علم معرفت اور آداب بندگی کا علم ہے۔ اس لئے مراد ہرگز وہ رسمی علم نہیں ہے جسے عرف عام میں مقابلے بازی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور جس کے نتیجے میں حرص و ہوس، حسد، تکبر، خود پسندی اور ریاکاری (جیسی مذموم صفات) انسان میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور کامل موحد کی علامت یہ ہے کہ جب وہ کوئی چیز حاصل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے الطاف کا مشاہدہ کرتا ہے جو اس نے وہ چیز دیئے جانے والے کے دل میں پیدا کئے ہیں اور پھر اس مشاہدے میں یوں گم ہو جاتا ہے کہ تمام اسباب اور وسائط درمیان سے ہٹ جاتے ہیں اور اس کے دل اور زبان پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے کلمات جاری ہو جاتے ہیں پھر جب حکمت اور معرفت کی لہروں کے تھپیڑے اسے معرفت کے اتھاہ سمندر سے باہر نکال کر ہوش و حواس کے ساحل پر لا کر ڈالتے ہیں تو وہ اسباب و وسائط کی اہمیت کی طرف متوجہ ہو کر اس نعمت کے حصول کا سبب بننے والے شخص کی تعریف کرتا ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

"ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے صدقے کی کوئی چیز کسی کے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

الحمد لله الذی لاینسٰی من ذکرہ ولایضیع من شکرہ اللھم انک لم تنسنی فاجعلنی مما لاینساک

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو اپنا ذکر کرنے والوں کو فراموش نہیں کرتا اور اپنا شکر کرنے والوں کا عمل ضائع نہیں کرتا۔ اے اللہ! تو نے مجھے فراموش نہیں کیا۔ مجھے بھی ان لوگوں میں شامل فرما جو ہمیشہ تجھے یاد رکھتے ہیں۔

اس شخص نے واپس آ کر نبی کریم ﷺ کو سارا ماجرا سنایا۔ حضور اکرم ﷺ یہ سن کر نہایت مسرور ہوئے اور آپ نے ارشاد فرمایا: ''اسے یہی کہنا چاہیے تھا۔''

اس روایت سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو آپ کی امت کے اولیاء میں سے جب کسی پاک باطن شخص کی اس خوبی کی اطلاع ملتی کہ اس نے اپنے باطن کو شرک (خفی) سے پاک کر لیا ہے اور اس کی توجہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر شے سے منقطع ہو گئی ہے اور اس کی توحید کا ہار شرک کی کدورت سے پاک ہو چکا ہے اور اس کی مقدس روح طبعی خامیوں سے پاک ہو کر حقیقی روایت کے مرتبے پر فائز ہو چکی ہے اور وہ دنیاوی مسائل کی تاریک تنگی سے نکل کر (معرفت الٰہیہ کے) باغ میں بسیرا کر چکا ہے تو نبی کریم ﷺ یہ سب جان کر نہایت مسرور ہوتے ہیں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

عفت

زکوٰۃ وصول کرنے والے کی تیسری بڑی خوبی عفت ہے۔ عفت سے مراد یہ عادت ہے کہ انسان اپنی حالت کو جہلاء کی نظر سے پوشیدہ رکھے اور ہر کم ظرف کے سامنے فقر و فاقہ کی شکایت نہ کرے اور مروت کے چہرے سے تحمل کے پردے کو نہ ہٹائے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ

ۚ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا

(یہ زکوٰۃ) ان لوگوں کا حق ہے جنہیں اللہ کے راستے میں محصور کرلیا گیا ہے اور جو نقل مکانی کی استطاعت نہیں رکھتے۔

ایسے نیک لوگوں کو ایک درہم صدقہ کرنا، بے دین لوگوں پر ایک لاکھ روپیہ صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

ضرورت واہمیت

یہ وہ لوگ ہیں جو گردش روزگار کا شکر ہوکر، اہل وعیال کی کثرت کی وجہ سے یا اسباب کی عدم دستیابی کی وجہ سے، فقر وفاقہ اور تنگدستی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ (اسلامی ریاست کے) حکام کا یہ فرض بھی ہے کہ وہ بروقت ایسے لوگوں کی ضروریات کی تکمیل کریں اور اس کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا حصول ہو۔ ایک روایت کے مطابق:

کان رسول اللہ یعطی العطاء علی قدر العیالۃ

نبی کریم ﷺ، اہل وعیال کی تعداد کے مطابق (صدقہ وخیرات) عطا فرمایا کرتے تھے۔

قرابت

زکوٰۃ ادا کرنے والے شخص کو زکوٰۃ ادا کرتے ہوئے حقدار اور قرابت دار کے حقوق کا خیال رکھنا چاہئے یعنی اگر اس کا کوئی عزیز رشتہ دار یا پڑوسی زکوٰۃ کی وصولی کا مستحق ہو تو اسے دوسرے مستحقین پر ترجیح حاصل ہوگی کیونکہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی یا حق ہمسائیگی کی ادائیگی کی وجہ سے اس کا ثواب دگنا ہوجائے گا اور خوش قسمتی سے ایسا مستحق مل جائے جس میں مذکورہ بالا تمام صفات موجود ہوں تو اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت اور نہایت کرم نوازی ہوگی۔ جو آخرت میں اس (زکوٰۃ دینے والے) کے لیے ابدی سعادت کے حصول کا پیش خیمہ ثابت ہوگی کیونکہ دنیا وآخرت کی بہت سی نعمتیں، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی خدمت کے ذریعے حاصل ہوجاتی ہیں۔

ایک نیک شخص کا واقعہ

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک شخص کا معمول تھا کہ صرف متقی اور پرہیزگار لوگوں کو صدقہ دیتا تھا۔ عام لوگوں کو نہیں دیتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی نے اس سے دریافت کیا، کیا وجہ ہے کہ تم نے صرف (صوفیاء کے) گروہ کو ہی اپنی عنایات کے لیے مخصوص کرلیا ہے؟ جبکہ دوسرے لوگوں کو محروم رکھا ہوا ہے۔ اس نے کہا، ان حضرات کا مقصود صرف اللہ تعالیٰ (کی ذات اور اس کی رضا کا حصول) ہے۔ ان کی تمام خواہشات رضائے الٰہی کے تابع ہیں۔ یہ لوگ فقر و فاقہ کی وجہ سے پریشان نہیں ہوتے لہٰذا ان میں سے کسی ایک کا فرقہ و فاقہ ختم کرنا، صرف اس نیت کے ساتھ کہ یہ حضرات پوری توجہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں مشغول رہیں عام لوگوں پر ہزار درہم خرچ کرنے سے بہتر ہے۔ اس کی یہ بات کسی نے حضرت شیخ جنید بغدادی کو جا کے بتائی۔ آپ نے اس پر نہایت داد تحسین فرمائی اور ارشاد فرمایا۔ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں میں سے ایک ہے۔

تیسری قسم

روزے کے آداب و حقائق کا بیان

حدیث نبوی ﷺ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں اللہ کے رسول نے ارشاد فرمایا ہے:

”جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو قید کردیا جاتا ہے۔“

معزز ین قارئین! ہر کام کا کوئی مخصوص میدان ہوتا ہے اور انسان کے وجود کی جولانگاہ اس کی خواہشات ہیں اور ان شہوات کو بھوک کے علاوہ کسی اور طریقے سے ختم نہیں کیا جاسکتا اور شیطانی میدان کے راستے روزے کی ریاضت کے بغیر بند نہیں ہوسکتے۔ اس لئے دینی سعادت کے حصول کا طالب جب تک اپنے سینے کو بھوک پیاس اور شب بیداری کے

ذریعے صاف کر کے اسے شیطانی وسوسوں کی تاریکی اور نفسانی خواہشات کی غلامی کی ناپاکی سے پاک نہیں کرے گا اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے اسرار کے انوار کی تجلیات قبول کرنے کے قابل نہیں ہو سکے گا۔

حدیثِ نبوی ﷺ

نبی کریم ﷺ نے درج ذیل حدیث مبارکہ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

''اگر شیاطین انسان کے دل کو چکر میں نہ ڈالتے تو وہ ضرور آسمانی اسرار کا مشاہدہ کرتا۔''

روزے کی خصوصیت

روزے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اس راستے کو بند کر دیتا ہے جہاں سے شیطان حملہ آور ہوتا ہے اور انسان بھوک و پیاس کی چھڑی کے ذریعے نفس امارہ کے سانپ کا سر کچل دیتا ہے اور غیض وغضب کی قوتوں کو عبادت وریاضت کے ذریعے مغلوب ومقہور کر لیتا ہے۔

پھر مجاہدے کی صفائی کے ذریعے دل کے آئینے کو غیبی انوار کو قبول کرنے کے لیے مستعد کر دیتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے دیگر اسلامی ارکان کے مقابلے میں اس رکن کو تعمیل آداب کے ہمراہ ادا کرنے پر بے انتہا اجر وثواب کا ذکر فرمایا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم نے ارشاد فرمایا ہے:

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزے کے سوا ہر نیکی کا بدلہ 10 گناہ سے لے کر 700 گنا تک ہے مگر روزہ میرے لئے ہے اور اس کی جزا میں خود دوں گا۔''

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''روزہ دار کے منہ کی بو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ (محبوب ہے)''

انسانی ادراکات

معزز ین قارئین! اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت انسان میں دو طرح کے

ادراکات رکھے ہیں۔ ایک ظاہری جس میں حواس خمسہ شامل ہیں اور یہ عناصر اربعہ سے متعلق ہیں جبکہ ادراک کی دوسری قسم کا تعلق باطن کے ساتھ ہے ان میں قلب، عقل، سر، روح، خفی، وغیرہ شامل ہیں۔ ان تمام اقسام میں سے ایک قوت اپنے مخصوص امور سے لذت یا تکلیف حاصل کرتی ہے۔

حدیثِ نبوی ﷺ

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''دنیا کی مثال آخرت کے سامنے اس طرح ہے جیسے کوئی شخص سمندر میں انگلی ڈال کر اس بات کا جائزہ لے کہ اس نے کتنا پانی سمیٹ لیا ہے۔''

جس طرح عالم ظاہر کی تنگی کو عالم باطن کی وسعت کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے اس طرح جہان میں محسوس ہونے والی لذتوں اور تکالیف کو آخرت کی لذتوں اور تکالیف سے کوئی نسبت نہیں ہے۔

دیکھنے کی قوت کی لذت یا تکلیف کا تعلق رنگ اور مناظرے کے ساتھ ہے۔ سماعت کی لذت یا تکلیف کا تعلق آواز کے ساتھ ہے۔ سونگھنے کی قوت کی لذت و تکلیف کا تعلق بو یا بدبو کے ساتھ ہے۔ معنوی قوتوں کی لذات اور تکالیف بھی اس طرح ہوتی ہیں اگرچہ وہ ظاہری قوتوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہوتی ہیں۔

قلب، سر اور روح اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مخصوص راز ہیں۔ اس لئے جہان معنی میں جو چیز مقبول بارگاہ الٰہی ہے اس کا مشاہدہ ان باطنی قوتوں کے لیے لذت کا باعث بنتا ہے جبکہ مردود اشیاء کا مشاہدہ تکلیف کا باعث بنتا ہے۔

جب روزہ دار کی صفات مجاہدے کی بھٹی میں پگھل کر صاف و شفاف ہو جاتی ہیں اور بھوک پیاس کے باعث روزہ دار کا باطن ہر طرح کی معنوی ناپاکی سے پاک و صاف ہو جاتا ہے تو روزہ دار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

گفتگو کا خلاصہ

اس ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ آثار بندگی کی اپنی ایک مخصوص خوشبو ہے جو فرشتوں

کو بہت پسند ہے اور جو چیز فرشتوں کو پسند ہوگی یقیناً بارگاہ خداوندی میں بھی قابل تعریف قرار پائے گی جبکہ گناہوں کے آثار کی اپنی مخصوص بدبو ہے جس سے فرشتے نفرت کرتے ہیں اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جس عمل کے نتیجے میں بندے کے اندر زیادہ خوشبو پیدا ہوگی وہ بارگاہ ربّ العزت کے مقرب فرشتوں کے نزدیک زیادہ پسندیدہ عمل شمار ہوگا۔ انسان کے باطن کو نورانیت عطا کرنے اور (تمام باطنی خرابیوں سے) صفائی کے لیے کوئی بھی عبادت روزے جیسی تاثیر نہیں رکھتی کیونکہ اسکی وجہ سے انسان کے دل کا زنگ دور ہو جاتا ہے اور آئینۂ دل چمک اٹھتا ہے۔ ایسا شخص آزمائشوں اور تکالیف کا سامنا کرنے سے نہیں گھبراتا اور اللہ تعالیٰ اپنی شان صمدیت کے ہمراہ اس شخص کو اپنی بارگاہ کا قرب عطا فرماتا ہے اور مرتبہ صدق پر فائز فرماتا ہے۔ لہٰذا اس کی ہمت اور استعداد جو منہ کی بو کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے بارگاہ خداوندی میں مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ سمجھی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ملاء اعلیٰ کے فرشتوں کے سامنے روزہ دار کی حقیقت کے جمال کی وجہ سے فخر کا اظہار کرتا ہے۔

✧ عن انس بن مالك قال قال رسول الله عليه السلام ان الله تعالىٰ يباهي ملائكته بالشاب العابد وفي رواية بقول الله تعالىٰ يا ملائكتي انظروا الى عبدى ابتليته فى الدنيا بالطعام والشراب والشهوات فترك شهواته وطعامه وشرابه ولذته لاجلى

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
''اللہ تعالیٰ جوان عبادت گزار (کی عبادت) پر فرشتوں کے سامنے فخر کا اظہار فرماتا ہے۔ (اور ایک روایت کے مطابق) اللہ تعالیٰ فرشتوں کو مخاطب کرتے ہوئے یوں ارشاد فرماتا ہے:

''اے میرے فرشتو! دیکھو! میں نے اپنے اس بندے کو دنیا میں کھانے پینے اور جنسی خواہش میں مبتلا کیا لیکن اس نے میری رضا کے حصول کے لیے اپنی خواہش، کھانے، پینے اور لذت حاصل کرنے کو ترک کر دیا۔''

✦ عن ابی سعید ن الخدری قال قال رسول اللّٰہ ما من عبد یصوم یومافی سبیل اللّٰہ الاباعداللّٰہ بذٰلك الیوم وجهه من النار سبعین خریفا

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے ایک دن روزہ رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اسی دن اس شخص کو جہنم سے 70 برس کی مسافت جتنا دور کر دیتا ہے۔''

✦ عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسول اللّٰہ من صام رمضان ثم اتبعه بستة من شوال کا ن کصیام الدهر

حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص رمضان کے روزے رکھے اور پھر اس کے بعد شوال کے مہینے میں 6 روزے رکھے تو اسے ایک برس کے روزوں کے برابر ثواب دیا جاتا ہے۔''

✦ عن ابی قتادة قال قال رسول اللّٰہ صوم یوم عاشوراء یکفرالسنة الماضیة اوصوم یوم عرفة یکفرالسنة الماضیة والمستقبلة

''حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عاشورہ کے دن (10 محرم الحرام کو) روزہ رکھنے سے پچھلے برس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں جبکہ عرفہ کے دن (9 ذوالحج کو) روزہ رکھنے سے پچھلے ایک برس اور آئندہ ایک برس یعنی 2 سالوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔''

✦ عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰه علیه السلام تعرض الاعمال علی اللّٰه یوم الاثنین و یوم الخمیس واحب ان یعرض عملی وانا صائم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا:

''سوموار اور جمعرات کے دن بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں اور میری خواہش ہے کہ جب میرے اعمال (بارگاہ خداوندی میں) پیش کئے جائیں تو میں نے روزہ رکھا ہوا ہو۔''

✦ عن سهل بن سعد قال قال رسول اللّٰه من لم یدع قول الذور والعمل به فلیس للّٰه تعالٰی حاجة فی ان یدع طعامه وشرابه

حضرت سہیل بن سعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا:

''جوشخص جھوٹ، غیبت اور بہتان سے نہ بچے لیکن کھانا پینا چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پروانہیں۔''

✦ عن زید بن خالد الجهنی قال قال رسول اللّٰه من فطر صائما فله مثل اجره غیر انه لاینقص من اجر الصائم شیئ

حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جوشخص روزہ دار کو افطاری کروائے گا اسے روزہ دار کی مانند اجر وثواب عطا کیا جائے گا اور روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔''

✦ عن انس بن مالك قال قال رسول اللّٰه علیه السلام خمس یفطرن الصائم الکذب والغیبة والنمیمة والیمین الکاذب والنظر بشهوة

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا:

''پانچ چیزوں سے روزے (کا اجر وثواب) ضائع ہوجاتا ہے۔ جھوٹ، غیبت، چغلی، جھوٹی قسم، نامحرم کو دیکھنا۔''

مفتی حضرات بس یہیں تک فتویٰ دے سکتے ہیں اور فقہی احکام ولایت کے سب سے ادنیٰ درجے پر منطبق ہوتے ہیں۔

یاد رکھیں روزے کے 3 درجات ہیں۔

روزے کے درجات

پہلا درجہ عوام الناس کے ساتھ مخصوص ہے اور اس مرتبے میں روزے کی درستگی، صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک پیٹ اور شرمگاہ کو کھانے پینے اور جنسی خواہش کی تکمیل سے روکنے پر موقوف ہے۔ یہ سب سے ادنیٰ مرتبہ ہے اور فقہی احکام کا تعلق اسی درجے کے ساتھ ہے۔

دوسرا مرتبہ متقی اور پرہیزگار لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس مرتبے میں روزے سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں، پیٹ اور شرمگاہ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ارتکاب سے محفوظ رکھے۔ دیگر تمام اعضاء کی حرکات آنکھ، کان اور زبان کے تابع ہوں۔ لہٰذا کان کو نامو ن بات سننے، آنکھ کو ناشائستہ چیز دیکھنے اور زبان کو جھوٹ بولنے سے محفوظ رکھا جائے۔ اسی طرح انسان کے قدم بھی شریعت کے احکام کی خلاف ورزی (کے راستے) کی طرف نہ بڑھیں۔ یاد رکھیں انسانی جسم میں شیطان کا سب سے بڑا معاون عضو آنکھ ہے کیونکہ دیگر حواس اپنے اپنے مخصوص مقام کے ساتھ مختص ہیں جب تک کوئی چیز بذات خود ان تک نہ پہنچے یہ اس میں مشغول نہیں ہوسکتے لیکن آنکھ ایک ایسی حس ہے جو دور ونزدیک سے گناہوں کو شکار کر لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

✧ النظر سهم مسموم من سهام ابليس فمن تركها خوفامن الله اتاه الله ايمانا يجد حلاوته في قلبه

''نظر، شیطان کے زہر میں بجھے ہوئے تیروں میں سے ایک تیر ہے جو شخص

اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے اسے ترک کردے (یعنی کسی نامحرم کو نہ دیکھے) تو اللہ تعالیٰ اسے ایسا ایمان عطا فرمائے گا جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔"

آنکھ سے کمتر درجہ زبان کا ہے اور یہ جسم کا گناہگار ترین عضو ہے۔ لہٰذا زبان کو جھوٹ، غیبت، چغلی، فحش گوئی، گالی گلوچ، ہذیان اور کسی پر زنا کا جھوٹا الزام لگانے، سے بچانا چاہئے۔ یہ عمل صوفیاء کا پسندیدہ عمل ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

✧ من كف لسانه ستر الله عورته ومن ملك غضبه وقاه الله عذابه

"جو شخص اپنی زبان کی حفاظت کرے اللہ تعالیٰ اس کے تمام عیوب چھپالیتا ہے اور جو شخص اپنے غصے پر قابو پالے اللہ تعالیٰ اسے اپنے عذاب سے محفوظ رکھتا ہے۔

✗ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ایک دن میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ایسے عمل کے بارے میں بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کردے اور جہنم سے دور کردے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اعمال کے فضائل بیان کئے پھر مجھ سے دریافت کیا میں تمہیں ایسے عمل کے بارے میں نہ بتاؤں جو ان سب سے بہتر ہو میں نے عرض کی جی ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑ کر ارشاد فرمایا اسے سنبھال کر رکھو۔ میں نے عرض کی کیا ہماری گفتگو کے بارے میں بھی حساب لیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: اے معاذ! تمہاری ماں تمہیں روئے، لوگوں کو ان کی زبانوں کی وجہ سے منہ کے بل جہنم میں ڈالا جائے گا۔

اس سے کمتر مرتبہ کان کا ہے لہٰذا روزہ دار کو چاہئے کہ بولنے کی طرح جھوٹ، چغلی، غیبت اور بیہودہ باتیں سننے سے بھی پرہیز کرے کیونکہ جس بات کو کہنا حرام ہے اس کا سننا بھی حرام ہے اور سننے والے کو بھی کہنے والے کی طرح برابر کا عذاب دیا جائے گا۔ نبی کریم

ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

✧ "المغتاب والمستمع شریکان فی الاثم"

''غیبت کرنے والا اور غیبت سننے والا برابر کے گناہگار ہوتے ہیں۔''

بلکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ سننے والے کی دلچسپی قائل کو مزید بولنے پر آمادہ کرتی ہے۔ گویا حقیقت کے اعتبار سے سننے والا گناہگار دروازہ کھولتا ہے اور قائل سے زیادہ سخت حساب اور سزا کا مستحق قرار پاتا ہے۔

تیسرا درجہ ان لوگوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ کے انتہائی مقرب ہیں۔ ان کے نزدیک روزے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے دل کے آئینے کو نفسانی خواہشات، جسمانی لذات اور دنیاوی ترغیبات کے غبار سے محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر ایک سے اپنی توجہ ہٹالے اور مراقبے کو اپنے اوپر لازم کرکے تمام دنیاوی مشاغل سے نجات حاصل کرے۔

آداب حضوری کی پابندی کے ساتھ متفرق اشیاء کی تفاصیل کی طرف سے اپنی توجہ ہٹائے اور اپنی پوری توجہ خداوند بزرگ و برتر کی ذات کی طرف متوجہ کرے۔ حادثات دنیا کی طرف توجہ دینا، اس گروہ کے بلند احوال کے حسن کے لیے بدنما نشان ہے اور اسباب کی طرف متوجہ ہونا ان کے کمال کے لیے نقصان کا باعث ہے۔ غیر کی طرف توجہ وجود کی آلائش ہے اور دنیا سے (قلبی) تعلق رکھنا ان کے باطن کا گناہ ہے۔

حضرت بایزید بسطامی کا قول

حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں:

لوخطر ببالی الدنیا توضیت ولوخطر ببالی الاخرہ لاغتسلت

اگر میرے ذہن میں کوئی دنیاوی خیال آ جائے تو میں وضو کرتا ہوں اور آخرت کی فکر پیدا ہو تو غسل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

حضرت موسیٰ کا واقعہ

ایک روایت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک مرتبہ 5 برس

تک بارش نہ ہوئی۔ بہت سے لوگ قحط سالی کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چند مرتبہ بنی اسرائیل کے ہمراہ نزول باراں کی (اجتماعی دعا یا نماز) دعا کی لیکن قبولیت کا اثر ظاہر نہ ہوا۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طعن و تشنیع شروع کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ ربّ العزت میں عرض کیا اے میرے پروردگار! آخر اس بات میں کیا حکمت ہے کہ لوگوں کی دعا کا اثر ظاہر نہیں ہو رہا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ! میں ایسی قوم کی دعا کس طرح قبول کر سکتا ہوں جنکے جسم گناہوں سے آلودہ ہوں جن کی زبان جھوٹ اور غیبت کی وجہ سے ناپاک ہو چکی ہو اور جن کے ہاتھ نافرمانی پہ کمر بستہ ہوں جن کے پیٹ حرام سے بھرے ہوئے ہوں لیکن بہرحال میرا ایک خاص بندہ ہے اگر وہ (بنی اسرائیل کے لیے) دعا کرے تو یہ سختی ختم ہو جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا اس شخص کا نام کیا ہے؟ اور اسے کس طرح پہچانا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کا نام ''برخ'' ہے، اس کا رنگ سیاہ ہے، وہ پرانے کپڑے پہنے رکھتا ہے، اس کے بال بکھرے رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ صحرا سے گزرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ شخص نظر آ گیا۔ اسے پہچان کر آپ اس کے قریب گئے اور دریافت کیا تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے عرض کی، برخ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں ہی ڈھونڈ رہا تھا اس نے عرض کی: اے کلیم اللہ! آپ کو میری کیا ضرورت پیش آ گئی؟ آپ نے فرمایا تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ لوگوں کو اس سختی سے نجات حاصل ہو۔ اس نے عرض کی حضور! آپ یہاں سے ذرا دور ہو جائیں تاکہ میں اپنے پروردگار سے دعا کر سکوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ذرا ہٹ کے کھڑے ہو گئے۔ اس نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا'' (اے اللہ!) شاید تیرا خزانہ خالی ہو چکا ہے، یا پھر ہوا تیرا کہا نہیں مانتی یا پھر بادل تیرے حکم کا پابند نہیں رہا یا پھر تجھے یہ ڈر پیدا ہوا کہ سب لوگوں کو ایک ساتھ عذاب دینا مشکل ہو گا لہٰذا بعض لوگوں کو جلدی عذاب دیتے ہوئے انہیں اس مصیبت میں مبتلا کر دیا۔'' اسی دن خوب زور کی بارش ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بات پر بہت حیران ہوئے۔ حضرت جبرائیل علیہ

السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے یہ میرا نہایت نیک بندہ ہے لیکن اس میں ایک عیب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا اے میرے پروردگار اس میں کیا عیب ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا صبح کے وقت جب ٹھنڈی ہوا چلتی ہے تو اسے نہایت سکون محسوس ہوتا ہے حالانکہ جو شخص میرے ساتھ محبت کرتا ہو اسے (میرے علاوہ) اور کسی بھی چیز سے سکون نہیں ملنا چاہئے۔

تیسرا باب

حسن اخلاق کا بیان

اس باب میں اچھے اخلاق کی بابت رہنمائی کی جائے گی اور اس امر کی وضاحت کی جائے گی کہ مسلمان حکمرانوں کو خلفائے راشدین کے طریقے پر کاربند رہنا چاہیے کیونکہ یہی حضرات سلاطین اسلام و اہل حکام کے پیشوا اور مقتدی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ٥

درگزر سے کام لو، بھلائی کا حکم کرو اور جہلاء سے کنارہ کشی اختیار کرو۔

جب نبی اکرم ﷺ سے اس آیت مبارکہ کی تفصیل دریافت کی گئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

✦ ان تصل من قطعک وتعطی من حرمک وتعفو عن من ظلمک

جو شخص تم سے قطع تعلقی اختیار کرے تم اس سے تعلق قائم کرو جو شخص تمہیں محروم رکھے تم اسے عطا کرو اور جو تمہارے ساتھ زیادتی کرے تم اس سے درگزر کرو۔

✦ عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ اول ما یوضع فی المیزان حسن الخلق والسخاوۃ ولما خلق اللہ الایمان قال اللھم قونی فقواہ بحسن الخلق والسخاوۃ ولما خلق اللہ الکفر قال اللھم قونی فقواہ بالبخل وسوء الخلق

حضرت ابو الدرداء سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

:''میزان میں سب سے پہلے اچھے اخلاق اور سخاوت کو رکھا جائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ایمان کو پیدا کیا تو اس نے عرض کی، اے اللہ! تو مجھے قوت عطا فرما پس اللہ تعالیٰ نے اچھے اخلاق اور سخاوت کے ذریعے اسے قوت عطا فرمائی۔ جب اللہ تعالیٰ نے کفر کو پیدا کیا تو اس نے بھی عرض کی اے اللہ! مجھے قوت عطا فرما۔ پس اللہ تعالیٰ نے بخل اور برے اخلاق کے ذریعے اسے قوت عطا فرمائی۔''

✧ عن ابی هریرة قال قال رسول الله کرم المرء دینه ومروته عقله وشرفه حسن خلقه

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''انسان کو عزت اس کے دین کے اعتبار سے حاصل ہوتی ہے جبکہ اہمیت اس کی عقل اور اچھے اخلاق کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔''

یعنی انسان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی دینداری کی وجہ سے معزز شمار ہوتا ہے جبکہ عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان مروت اور احسان کا برتاؤ اختیار کرے کیونکہ انسان اپنی عقل کے ذریعے یہ سوچتا ہے کہ میں جو بھی نیکی کروں گا (اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہوگا) اور یہ نیکی ابدی سعادت کے دیوان میں درج کرلی جائے گی۔ جبکہ انسان کو بزرگی اور شرف اچھے اخلاق کی بدولت نصیب ہوتا ہے کیونکہ جو شخص علم، بردباری، پرہیزگاری، وفاشعاری وغیرہ جیسی صفات سے متصف ہوتا ہے وہ ہر دل عزیز ہو جاتا ہے۔

✧ عن اسامة ابن شریك قال شهدت الاعاریب یسئلون النبی یقولون ما خیر ما اعطی العبد قال حسن الخلق

''حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری موجودگی میں بعض دیہاتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کررہے تھے کہ انسان کو ملنے والا سب سے بہترین عطیہ خداوندی کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اچھا اخلاق۔''

✦ عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰه ثلاث من لم یکن فیه واحدة منهن لایعتدبشیء من عمله تقویٰ یحجزه عن معاصی اللّٰه عزوجل اوحلم یکف به السفیه اوخلق یعیش به فی الناس

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین خصوصیات ایسی ہیں کہ اگر ان تینوں میں سے کوئی ایک خصوصیت بھی کسی شخص میں موجود ہوتو اسے اپنے دیگر اعمال کی پرواہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ پرہیزگاری جس کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچے، وہ بردباری جس کی وجہ سے انسان جہلاء سے درگزر کرے اور تیسرا اچھے اخلاق کے ہمراہ لوگوں کے ساتھ میل جول رکھے۔''

✦ عن انس قال، قال رسول اللّٰه علیه السلام ان حسن الخلق لیذیب الخطیئة کمایذیب الشمس الثلج والجلید

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

''اچھے اخلاق گناہوں کواس طرح ختم کردیتے ہیں جیسے سورج برف اورسردی کوختم کردیتا ہے۔''

✦ عن انس قال قال رسول اللّٰه ان العبد لیبلغ بحسن خلقه عظیم درجات الاخرة وشرف المنازل وانه لضعیف العبادة

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

''انسان اچھے اخلاق کے ذریعے آخرت میں بلند درجات اور بہترین مقام حاصل کرلیتا ہے اگرچہ اس کی عبادت کم ہوتی ہے۔''

✦ عن عکرمة بن وهب قال قال رسول اللّٰه علیه السلام لا یدخل الجنة الجواظ ولا الجعظری

حضرت عکرمہ بن وہب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

''بخیل، برے اخلاق کا مالک اور بدزبان جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔''

✦ عن ابی الدرداء قال قال رسول اللّٰہ ان اثقل شیء یوزن فی میزان المؤمن یوم القیامۃ خلق حسن وان اللّٰہ یبغض الفاحش البذی

''حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''قیامت کے دن بندہ مومن کے نامہ اعمال میں سب سے وزنی عمل اچھے اخلاق ہوں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ بدکلامی کرنے اور فضول گوئی کرنے والے کو ناپسند کرتا ہے۔''

✦ عن عائشۃ قالت قال رسول اللّٰہ ان المؤمن لیدرک بحسن خلقہ درجۃ قائم الیل وصائم النہار

ام المؤمنین سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بندہ مومن اچھے اخلاق کے ذریعے، رات کے وقت نمازیں پڑھنے اور دن کے وقت روزہ رکھنے والے (عبادت گزار کا سا) مقام حاصل کر لیتا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

✦ ''اللّٰہم انی اسئلک الصحۃ والعافیۃ وحسن الخلق''

''اے اللہ! مجھے صحت، عافیت اور اچھے اخلاق عطا فرما۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے خادم کو چند مرتبہ آواز دی لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود اسے دیکھنے کے لیے اٹھے تو دیکھا کہ وہ آرام سے لیٹا ہوا ہے۔ آپ نے اس سے دریافت کیا، تمہیں میری آواز سنائی نہیں دی؟ اس نے عرض کی ضرور سنی تھی، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر تم نے جواب کیوں نہیں دیا؟ اس نے عرض کی مجھے معلوم تھا (کہ اگر میں نے جواب نہ بھی دیا تو بھی) آپ مجھے کوئی سزا نہیں دیں گے۔ بس

اسی وجہ سے میں کاہلی کا شکار ہو گیا۔ حضرت علی نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں، **اللہ تعالیٰ کی رضا** کے حصول کے لیے، آزاد کرتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اپنے دور خلافت میں برسر منبر) ارشاد فرمایا: عورتوں (حق) مہر زیادہ مقرر نہ کیا کرو کیونکہ (حق مہر کی زیادتی) اگر زیادہ معزز ہونے کی نشانی قرار دی جائے تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے زیادہ مستحق تھے (کہ آپ کی ازواج مطہرات یا صاحبزادیوں کا مہر دیگر مسلمان خواتین سے زیادہ ہوتا۔ یہ سن کر مجمع میں موجود) ایک خاتون اٹھ کھڑی ہوئیں اور بولیں:

امیر المؤمنین! آپ کی رائے درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا؟

وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا

”اگر تم اپنی بیوی کو (مہر کے طور پر) سونے کا ڈھیر بھی دے دو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

سبحان اللہ اصابت المراۃ واخطا رجل

(عورت کی رائے درست ہے اور مرد کی (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اپنی) رائے درست نہیں ہے)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیز نے ایک شخص کو بطور تعزیر سزا دینے کا حکم جاری کیا۔ آپ کا یہ حکم سن کر اس شخص نے آپ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ آپ نے حکم دیا۔ اس شخص کو چھوڑ دو۔ حاضرین نے عرض کی۔ یہ شخص سزا کا مستحق ہونے کے باوجود آپ کو برا بھلا کہہ رہا ہے تو پھر آپ اسے کیوں چھوڑ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جب اس نے مجھے برا بھلا کہا تو میرے دل میں غضب کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اب اگر میں اسے سزا دے دیتا ہوں تو میرا نفس اس سے خوش ہوتا۔ اس لئے میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے اس شخص

کو سزا نہیں دی۔

حضرت لقمان کا واقعہ

ایک مرتبہ حکیم لقمان کے صاحبزادے نے ان سے دریافت کیا۔ ابا جان! اگر انسان کو کوئی سی ایک نعمت قبول کرنے کا اختیار دیا جائے تو کون سی نعمت اختیار کرنا چاہئے؟ آپ نے فرمایا: دین، اس نے دریافت کیا اگر دو نعمتوں کا اختیار دیا جائے تو آپ نے فرمایا دین کے ہمراہ حلال مال تاکہ انسان کا دل لالچ کی آفت سے محفوظ رہے صاحبزادے نے دریافت کیا کہ اگر تین نعمتوں کا اختیار دیا جائے؟ آپ نے فرمایا! دین، حلال مال اور سخاوت تاکہ سخاوت کے ذریعے (دنیوی و اخروی) سعادت کی بنیادیں مستحکم ہوں۔ اس نے دریافت کیا اگر چار کا اختیار دیا جائے؟ آپ نے فرمایا! دین، حلال مال، سخاوت اور حیاء کیونکہ حیاء کی بدولت انسان اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں میں خرچ کرنے سے شرمائے۔ اس نے عرض کی اگر پانچ کا اختیار دیا جائے؟ آپ نے فرمایا: دین، حلال مال، سخاوت، حیاء اور اچھے اخلاق۔ اس نے عرض کی اگر چھ کا اختیار دیا جائے؟ آپ نے فرمایا: میرے بیٹے! جس شخص کو یہ پانچ نعمتیں حاصل ہو جائیں وہ اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ بن جاتا ہے۔ (اسے اور کسی نعمت کی ضرورت باقی نہیں رہتی)

انسان کے دو حقائق

معزز قارئین! اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو حقائق سے پیدا کیا ہے۔ ایک ظاہری صورت اور دوسری باطنی سیرت۔ صورت کو خلق اور سیرت کو خلق کہتے ہیں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ اچھی اور بری۔

صورت کا حسن مختلف اعضاء، جیسے آنکھ، کان، رخسار، ابرو، ہونٹ، دہن، ہاتھ، پاؤں، قامت وغیرہ کے تناسب کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

اسی طرح حسن سیرت جسے حسن اخلاق بھی کہا جاسکتا ہے قابل تعریف صفات کی بااعتدال موجودگی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے ان صفاتمیں علم، حکمت، پرہیزگاری، سخاوت، بہادری، بردباری، عاجزی وانکساری، تابعداری، پاک دامنی اور عدل شامل ہیں۔ البتہ ان

صفات کو افراط وتفریط سے بچا کر رکھنا چاہئے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی صفت اگر افراط یا تفریط کی حدود میں داخل ہو جائے تو وہ خوبی کے بجائے خالی تصور کی جاتی ہے جیسے سخاوت میں افراط کو فضول خرچی کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا جبکہ سخاوت میں تفریط کنجوسی کی حدود میں داخل ہو جائے گی اور یہ دونوں صفات ناپسندیدہ ہیں۔ اور حسن سیرت کے منافی ہیں۔ حسن سیرت کا کمال ان دونوں میں درجہ اعتدال پر قائم رہنے میں پوشیدہ ہے۔ دیگر صفات کو بھی آپ اسی پر قیاس کر سکتے ہیں۔

حسن سیرت جسے احسن اخلاق بھی کہا جاسکتا ہے اس سے مراد ایک ایسی کیفیت ہے جو انسان کو میانہ روی کے قریب کر دیتی ہے۔ ملحد اور زندیق لوگوں کا ایک گروہ بات نہیں سمجھ سکا۔ ان کے نزدیک حسن سیرت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے اندر سے شہوت اور غضب کی کیفیت ختم کر دے کیونکہ یہی دونوں تمام مذموم صفات اور برے اخلاق کی جڑ ہیں حالانکہ یہ ناممکن ہے اور اس کام میں مشغول ہونا اپنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ ان لوگوں نے نفس کی باگ، کلی اباحت (سب کچھ جائز ہے) کی طرف موڑ دی اور شرعی احکام اور حدود کو پس پشت ڈال دیا اور گمراہی کے جنگل میں مارے مارے پھرنے لگے اور اپنے ساتھ دوسرے بہت سے لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔ اہل علم اور ارباب بصیرت یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ طبیعت کو افراط تفریط سے ہٹا کر میانہ روی اختیار کرنا ممکن ہے اور یہ بات عقلی اور نقلی و دلائل سے ثابت ہے کیونکہ اگر یہ ناممکن ہوتا تو (کتاب وسنت میں موجود) تمام مواعظ اور نصائح لایعنی قرار پاتے اور تمام شرعی احکام بیکار ہو جاتے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

حسنوا اخلاقکم (اپنے اخلاق عمدہ کرو)

شہوت اور غضب

شہوت اور غضب اگرچہ ہلاکت کا سبب بنتی ہیں لیکن نسانی زندگی کا مدار (دیگر بہت سی اشیاء کے ہمراہ) ان دونوں صفات پر بھی قائم ہے کیونکہ گر شہوت موجود نہ ہو تو مادہ حیات کو جذب کرنے کی صلاحیت انسانی جسم میں باقی نہیں رہے گی۔ اسی طرح اگر مادہ غضب موجود

نہ ہوتو انسان مہلک اشیاء اور افراط سے اپنا بچاؤ نہیں کر سکے گا لہذا طے یہ پایا کہ یہ دونوں قوتیں ایک اعتبار سے اچھی ہیں اور دوسرے اعتبار سے بری ہیں۔ یہ اصلاح کے سلسلے میں بھی معاون ثابت ہوسکتی ہیں اور فساد کا باعث بھی بن سکتی ہیں۔ لیکن ان کی برائی اور فساد اس وقت ظاہر ہوگا جب ان میں افراط وتفریط سے کام لیا جائے جبکہ ان کی خوبی اور اصلاح اس وقت ظاہر ہوگی جب انہیں اعتدال پر رکھا جائے اور حد اعتدال یہ ہے کہ انہیں شریعت کے بیان کردہ احکام کا پابند کیا جائے ان کی حرکت اور سکون فرمان الٰہی کا تابع ہو۔ آخرت میں ابدی سعادت کے حصول کے طلب گار اس بات کے پابند ہیں کہ ان دونوں صفات کو افراط و تفریط سے بچا کر حد اعتدال تک لے آئیں۔ وہ اس بات کے پابند نہیں کہ ان دونوں کو اپنے باطن سے سرے سے ختم کردیں کیونکہ یہ ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ" (غصے کو ٹھنڈا کرنے والے) یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ "وَالْقَالِعِينَ" (غصے کا قلع قمع کرنے والے) یا "وَالْفَاقِدِينَ" (غصے کو ختم کردینے والے) اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان دونوں صفات میں میانہ روی اختیار کرنا ہی کمال کی دلیل ہے۔ ان کو ختم کرنا مقصود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کھجور یا انگور کی گٹھلی میں ایک صلاحیت موجود ہے جو ایک خاص ترتیب کے ساتھ بتدریج ایک پھل دینے والے درخت کی حیثیت اختیار کرتی ہے۔ اسی طرح بندہ مومن کے وجود میں بھی ایک فطری صلاحیت موجود ہوتی ہے اور یہ بات ممکن ہے کہ انسان تائید ایزدی اور عنایات ربانی کے طفیل مخصوص طریقہ سلوک اختیار کرکے ولایت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو جائے۔

لوگوں کی اقسام

تربیت کی تاثیر اور احوال کی تبدیلی کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔

(1) بچپن: یعنی عمر کا وہ حصہ جس میں انسان حق اور باطل کے درمیان تمیز نہیں کرسکتا۔ اسی طرح نیکی اور بدی کے درمیان فرق بھی نہیں سمجھتا۔ اس عمر میں انسان کے دل کا شیشہ فاسد خیالات کی گندگی اور باطل عقائد کی تاریکی سے خراب نہیں ہوتا۔ اس عمر میں انسان کا نفس نفسانی خواہشات کی پیروی کا عادی نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ اس

عمر میں کسی ناصح کی نصیحت بہت جلد اثر کرتی ہے اور شیخ طریقت کی رہنمائی آسانی سے انسان کے باطن میں اپنی جگہ بنا لیتی ہے۔

(2) وہ شخص جو نیک اور بد کے درمیان تمیز کرسکتا ہے لیکن نفسانی خواہشات کے غلبے کی وجہ سے نیکی کا کام باقاعدگی سے سرانجام نہیں دے سکتا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری کرنا اسے مشکل محسوس ہوتا ہے اس کے باوجود وہ شخص اپنی خامی کا اعتراف کرتا ہے۔ ایسے شخص کی حالت پہلی قسم والے شخص سے نسبتاً مشکل ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص کی اصلاح کے لیے اسکے اندر موجود فاسد مادے کو ختم کرنا پڑتا ہے اور پھر از سر نو اسے نیکی کے راستے پر گامزن کیا جاتا ہے۔

(3) وہ شخص جس کی نشو و نما فاسد اور باطل عقائد پر ہوتی ہو اور وہ باطل ہی کو حق سمجھتا ہو اور برائی کو اچھائی سمجھتا ہو، برائی کے اظہار کو قابل فخر گردانتا ہو ایسے شخص کی اصلاح بہت مشکل ہے اور یہ ناخن کے ذریعے پہاڑ کھودنے یا سرد لوہے کو کوٹنے کے مترادف ہے۔ ایسے آدمی کی اصلاح کے بارے میں اہل عرب کی یہ ضرب المثل صادق آتی ہے "اشد التعزیب تھذیب الذئب" (سب سے سخت سزا بھیڑیئے کو ادب سکھانا ہے)

اچھے اخلاق

معزز قارئین! اہل تحقیق کے نزدیک اچھے اخلاق دل کی صحت مند ہونے کی دلیل ہیں۔ انسانی جسم کے ہر عضو کو صحت یا بیماری لاحق ہوتی ہیں اور ہر عضو کی بیماری کی نشانی یہ ہے کہ اس عضو کے ساتھ مخصوص فعل، جب وہ عضو ادا کرنے سے قاصر ہو تو یہ سمجھ لیا جائے گا کہ وہ بیمار ہے جیسے آنکھ دیکھ نہ سکے، کان سن نہ سکے، زبان بول نہ سکے۔ اسی طرح دل کے ساتھ مخصوص عمل اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی محبت ہے اور دل کے بیمار ہونے کی نشانی یہ ہے کہ انسان اپنے دل کو اس مخصوص چیز سے دور رکھے اور رسمی اشیاء اور ظاہری شکل و صورت کی محبت اس کی طبیعت پر غالب ہو۔ ایسے شخص کی مثال اس شخص کی مانند ہے جو کسی بیماری کا شکار ہو کر کھانا پینا چھوڑ دے لیکن پھول اور مٹی جسے کھانا اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے

مترادف ہے، کھانے کا حریص ہو جائے۔

جو شخص اس بات کو سمجھ لے گا وہ بخوبی یہ جان لے گا کہ اکثر لوگوں کے دل اس بیماری میں مبتلا ہیں اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ اس بیماری کا انجام ہلاکت ہے۔ یہ بات انہیں اس وقت معلوم ہوگی جب موت کا وقت قریب آ جائے گا۔ اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ اس بیماری نے انہیں ابدی ہلاکت تک پہنچا دیا ہے اور انہیں اس بات کا پتہ ھی نہیں چل سکا۔

بعض لوگ اس بیماری کی بابت جان لیتے ہیں لیکن انہیں کوئی حاذق طبیب نہیں ملتا۔ یہاں طبیب سے مراد علماء دین اور مشائخ اہل یقین ہیں لیکن آج کے زمانے کے علماء اور مشائخ خود اس بیماری کا شکار ہیں وہ دوسروں کا علاج کیسے کر سکتے ہیں۔ وہ لوگ جو دین حق کے رہنما ہوں خود راستے سے بھٹک چکے ہوں تو بھلا دوسروں کی رہنمائی کیا کریں گے؟

بعض کم ہمت لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو طبیب کامل ملنے کے باوجود نفس کی مخالفت اور عبادت و ریاضت کا حوصلہ نہیں رکھتے کیونکہ یہ دور کی تلخی برداشت نہیں کر سکتے اس لئے علاج معالجے سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اطباء دین (یعنی اولیاء عظام) ان کم ہمت لوگوں سے اپنا دامن چھڑا کر روپوش ہو چکے ہیں اور اسی وجہ سے علوم دین کے حقائق آج کے زمانے میں ناپید ہو چکے ہیں اور بے ادب جہلاء کی وجہ سے بندگی کے آداب کی تعلیم دینے والے اب رخصت ہو چکے ہیں اور اس عہد کے خود غرض لوگ اپنی بیماری کو فراموش کر چکے ہیں۔ یہ لوگ علم تصوف کا انکار کرتے ہیں اور دنیاوی جاہ و مال کے حصول پر بہت خوش ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنے دین کو نفسانی خواہشات اور لذات میں غرق کر دیا ہے۔ یہ لوگ جو بظاہر متقی اور پرہیزگار نظر آتے ہیں یہ ساری زندگی وہ اعمال سرانجام دیتے ہیں جو بظاہر عبادت دکھائی دیتے ہیں لیکن درحقیقت ریاکاری کا شاہکار ہوتے ہیں۔

باطن کی صحت

ابھی تک ہم نے جو علامات یہاں بیان کی ہیں یہ روحانی بیماری کی علامات ہیں اور باطن کی صحت کی علامت یہ ہے کہ انسان کے دل میں اس بیماری کے علاج کا داعیہ پیدا ہو اور وہ پورے انصاف کے ساتھ بیماری کے اسباب کا جائزہ لے اور ہر سبب کا علاج اسکی ضد

کے ذریعے کرے جسے سخاوت کے ذریعے کنجوسی کا، قناعت کے ذریعے لالچ کا، عاجزی و انکساری کے ذریعے غضب کا، بردباری کے ذریعے غم وغصے کا، علم کے ذریعے جہالت کا، نصیحت کے ذریعے حسد کا اور اخلاص کے ذریعے ریاکاری کا توڑ کرے اور علاج کے دوران حد اعتدال کا خاص خیال رکھے کیونکہ جس طرح یہ صفات باطن کا مرض ہیں اسی طرح ان کی احتراز کی زیادتی بھی ایک بیماری ہے اور صحت کا تعلق میانہ روی کے ساتھ ہے کیوں کہ ان میں سے کسی ایک صفت کی زیادتی، کسی ایک جانب قلبی رجحان کا باعث بنے گی اور یہ قلبی رجحان دل کا میل ہے اور یہ میل حجب کا باعث ہوتا ہے اور جب یہ میل زیادہ ہو جائے گا حجاب بھی مضبوط ہوتا چلا جائے گا۔ ہم نماز میں جب صراط مستقیم پر گامزن رہنے کی دعا مانگتے ہیں تو اس سے مراد یہی اعتدال ہوتا ہے اور یہ براستہ پل صراط کی مانند بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے لہٰذا جو شخص دنیا میں اس راستے پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتا ہے وہ آخرت میں پل صراط سے بجلی کی مانند گزر جائے گا اور جو شخص دنیا میں اس راستے پر ثابت قدم نہیں رہتا وہ آخرت میں پل صراط عبور نہیں کر سکے گا۔

اے کہ در دنیا نرفتی بر صراط مستقیم
در قیامت بر صراطت جائے تشویش است وبیم
قلب زر اندودہ نشانند در بازار حشر
خالصی باید کہ از آتش برون آید سلیم

"اگر تم دنیا میں سیدھے راستے پر نہیں چلو گے، قیامت میں پل صراط پر سے گزرتے وقت تشویش وخوف ہوگا۔

حشر کے بازار میں کھوٹ سے بھرا ہوا دل نہیں چل سکے گا۔ (دل) خالص ہونا چاہیے تاکہ آگ سے صحیح وسالم باہر آ جائے۔"

صراط مستقیم کی اس سختی اور مشکل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر یہ بات فرض کی ہے کہ وہ روزانہ 17 مرتبہ یہ دعا مانگیں گے۔

"اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ"

(اے اللہ! تو مجھے سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھ)

جو شخص اس راستے پر ثابت قدم نہیں رہے گا وہ یقیناً دوزخ کی آگ کا شکار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس بات کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝

''اور ہر شخص اس (پل صراط) سے گزرے گا یہ تمہارے پروردگار کا طے شدہ فیصلہ ہے۔ پھر ہم پرہیزگار لوگوں کو نجات عطا کر دیں گے اور ظالموں کو گھٹنوں کے بل اس میں داخل کریں گے۔''

حضرت ابو میسر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل

حضرت ابو میسر رضی اللہ عنہ جو اکابر تابعین میں سے ایک ہیں آپ نے 30 برس تک اپنا پہلو زمین کے ساتھ نہیں لگایا۔ آپ کی عادت یہ تھی کہ رات کے وقت اس قدر گریہ وزاری فرماتے کہ زیادہ رونے کی وجہ سے آپ کے رخساروں پر نشان بن گئے تھے۔ ایک دن آپ کی والدہ نے آپ سے دریافت کیا۔ میرے بیٹے! تم نے ساری زندگی کوئی گناہ نہیں کیا ہمیشہ عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مسلمان ہونے کا شرف عطا کیا تو پھر تم اس قدر کیوں روتے ہو۔ آپ نے فرمایا: امی جان! اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر شخص کو دوزخ کے اوپر سے گزرنا پڑے گا اور مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ کیا میرا شمار ان لوگوں میں ہوگا جو بخیریت پل صراط سے گزر جائیں گے، یا نہیں ہوگا۔

آپ نے یہ بات اس لئے ارشاد فرمائی کہ اعتدال کے راستے پر ثابت قدم رہنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ صرف اس وقت ممکن ہے جب عنایت ربانی کی توفیق اور ہدایت یزدانی کی تائید شامل حال ہو۔ مختصر یہ کہ جو شخص اپنے آپ کو مذموم اخلاق کی گندگی سے پاک کر لیتا ہے اور اپنی روح کو پاکیزہ صفات سے متصف کر لیتا ہے وہ استقامت کے مقام کے قریب پہنچ جاتا ہے اور اسی وجہ سے اس کے لیے پل صراط سے گزرنا آسان ہو جاتا ہے۔

انسانی اخلاق کی بنیاد

عمدہ انسانی اخلاق کی بنیاد ان صفات پر مشتمل ہے۔

علم، بردباری، حیاء، سخاوت، تقویٰ، شجاعت، عدل، صبر، صدق اور یقین۔ یہ تمام صفات اپنے پورے کمال کے ساتھ صرف ایک ذات میں ظاہر ہوتی ہیں اور وہ نبی کریم ﷺ کی ذات والا صفات ہے۔ انبیاء، اولیاء، صالحین اور علماء دین میں سے جو کوئی نبی کریم ﷺ کی روحانیت سے جتنا زیادہ روحانی تعلق رکھتا ہے وہ اتنا ہی زیادہ ان صفات سے متصف ہوتا چلا جاتا ہے اور یہی تعلق بارگاہ ربّ العزت میں قرب کا ذریعہ بنتا ہے۔ جو شخص ان صفات سے متصف ہو جائے وہ بارگاہ رب العزت میں بلند مقام پر فائز ہوتا ہے اور عنایات ربانی کا مستحق قرار پاتا ہے۔ ایسا شخص بشیری لباس میں موجود فرشتے کی مانند ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے زمانے کی یگانہ روزگار ہستی بن جاتا ہے، لوگ اسے اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص ان صفات سے عاری ہو بلکہ ان صفات کی متضاد صفات اس میں موجود ہوں تو وہ مردود شیطان ہے جو انسانی شکل میں ظاہر ہوا ہے جو دھوکے کے ساتھ دوسروں کے ایمان خراب کرتا ہے۔ لوگوں کے درمیان فتنہ و فساد پیدا کرتا ہے اور دنیا میں تخریب کاری کرتا ہے۔ یہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسے (بارگاہ خداوندی سے) دور کر دیا جائے جبکہ پہلا شخص بارگاہ ربّ العزت میں قرب کے حصول کا مستحق ہوتا ہے۔

دنیاوی آزمائش

معزز قارئین! صوفیاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حسن اخلاق کا دوسرا نام ایمان ہے اور بداخلاقی منافقت کا دوسرا نام ہے۔ ان دونوں کے لیے یہی دونوں صفات معیار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیاوی آزمائش کو اپنے پسندیدہ بندوں کے اچھے اخلاق کے امتحان کا معیار قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ

''اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے تاکہ یہ ظاہر کر دیں کہ تم میں سے کون مجاہدہ

کرتا ہے اور کون صبر کرتا ہے۔''

جو شخص دنیا میں پیش آنے والی مشکلات کا خندہ پیشانی سے سامنا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر نہایت ثابت قدمی کے ساتھ راضی رہتا ہے وہی سچا مومن ہے اور اس بات کا مستحق ہے کہ اسے حسن اخلاق کی خلعت پہنائی جائے اور معنوی مکارم اخلاق سے اسے متصف کیا جائے۔ دنیا میں پیش آنے والے اس امتحان کے معیار کی وضاحت کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

✧ المؤمن بین خمس شدائد مومن یحسد ومنافق یبغضه وکافر یقاتله وشیطان یضله و نفس ینازعهٗ

''بندہ مومن پانچ مصائب کا شکار ہوتا ہے۔ مسلمان اس سے حسد کرتے ہیں، منافق اس سے بغض رکھتے ہیں، کفار اس سے جنگ کرتے ہیں، شیطان اسے گمراہ کرنا چاہتا ہے اور نفس اس سے (طرح طرح کے) مطالبے کرتا ہے۔''

لیکن وہ شخص اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی سے روکتا ہے اور یہی وجہ ہے جس کی بدولت اسے ابدی سعادت اور سرمدی بادشاہت نصیب ہو جاتی ہے۔

وراق کا قول

حضرت شیخ ابوبکر وراق فرماتے ہیں:

من ارخٰی عنان الجواهر فی الشهوات فقد غرض فی قلبه شجر الندامة

جس نے اپنی نفسانی خواہشات کی باگ ڈھیلی کر دی اس نے اپنے دل میں ندامت کا درخت بو دیا۔ وہب بن الورد، جو اکابر تابعین میں سے ہیں، فرماتے ہیں:

من ارادَ شهوة الدنیا فلتهیّاً للذِلِّ

جو شخص دنیاوی خواہشات پوری کرنا چاہے اسے (دنیا و آخرت میں) رسوائی کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہونا چاہئے۔

حکایت

جب عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت کے اظہار کے جرم میں اپنی بیوی سیّدہ زلیخا کو طلاق دے دی تو سیّدہ زلیخا کی یہ عادت ہوگئی کہ جو کوئی اس کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا نام لیتا تھا وہ اپنے پاس موجود پیسہ سب اسے دے دیتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ سخت تنگدستی کا شکار ہوگئی۔ پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ مصر بنے اور آپ نے سیّدہ زلیخا سے نکاح کیا تو ایک دن سیّدہ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا (آپ کی محبت کے دوران) مجھے ایک بات کا تجربہ حاصل ہوا، حضرت یوسف علیہ السلام نے دریافت کیا وہ کیا؟ سیّدہ زلیخا نے کہا میرے سامنے یہ بات واضح ہوگئی کہ لالچ بادشاہوں کو بھی غلام بنا دیتا ہے اور صبر اور پرہیز گاری عام انسان کو بھی بادشاہ بنا دیتی ہے۔

تقویٰ دراصل تمام عمدہ اخلاق سے متصف ہونے کا نام ہے اور متقی اس شخص کو کہا جاسکتا ہے جو اپنے آپ کو شرعی احکام کا پابند کرے اور شریعت کے حرام کردہ تمام افعال اور تمام اشیاء سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب ہوجاتا ہے (کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے) اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ (اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ مقرب وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان

ام المؤمنین سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

کان خلقه القرآن (آپ کا خلق قرآن ہے)

یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جن باتوں اور کاموں کا حکم دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی عادت بنالیا اور جن باتوں سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں منع فرمایا تھا، آپ ان سے اس طرح بیگانہ ہوگئے گویا آپ انہیں دیکھ ہی نہیں سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی کسی ناپسندیدہ صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا تو آپ ارشاد فرماتے:

یابلال ارحنا بالصلوٰۃ (اے بلال! ہمیں نماز کے ذریعے راحت پہنچاؤ)

یعنی نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں راحت تلاش کرتے تھے اور نماز آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی لیکن آج کے نام نہاد مسلمان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں راحت محسوس کرتے ہیں اور ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک گناہ ہیں۔ یہ لوگ دنیاوی اسباب زینت پر فخر کرتے ہیں اور ہیجڑوں کے طریقے کار کو دین کا نام دیتے ہیں۔ زبان ہلانے کو ایمان سمجھتے ہیں اور امام کی جاہلانہ رسوم کو اسلام سمجھتے ہیں۔

سرِ عشق از سرزباں دوراست — شرح ایں رمز از بیاں دوراست

ہر خسے کہ رسد باوج کمال — طالب نام زیں نشاں دوراست

اے بحرص و ہوا کمربستہ — ایں حکایت ازیں دور است

حقیقت کا راز زباں کے کنارے سے دور ہے اور اس راز کی تشریح بیان سے دور ہے۔ ہر کمینہ کمال کی بلندی تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ شہرت کا طلبگار اس (کمال) سے دور ہے۔ اے لالچ اور خواہش نفس کے شکار! یہ کہانی اس حالت سے دور ہے۔

✧ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اذا اراداللہ بعبدخیرا بصرہ بعیوب نفسہ

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے اس کے عیوب سے آگاہ فرمادیتا ہے۔

لہٰذا سعادت کی نشانی یہ ہے کہ انسان اپنے ان عیوب کی نگرانی کرے جو دین کے نقصان کا سبب بن سکتے ہیں کیونکہ جب تک وہ اپنے عیوب سے آگاہ نہیں ہوگا، اپنے آپ کو ان کے نقصانات سے نہیں بچا سکے گا۔ ایسے لوگ ہر زمانے میں بہت کم ہوتے ہیں۔ اکثر لوگ اپنے عیوب سے آگاہ نہیں ہوتے لیکن دوسروں کے عیوب کا بھرپور علم رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لذات اور شہوات کے غلبے کی وجہ سے اکثر لوگوں کی بصیرت کی آنکھ ضائع ہو چکی ہے اور دنیاوی اشیاء کی الفت اور نفسانی خواہشات کی محبت، برے اخلاق سے نجات کی راہ میں کاوٹ بن چکی ہے جو سالکین سچائی کے ہمراہ نفسانی صفات کی گھاٹیاں عبور کرتے ہیں اور بری صفات کی خباثت کو اپنے دل کے آئینے سے صاف کر دیتے ہیں ان کے درجات کے

درمیان تفاوت پایا جاتا ہے۔

زمانے کے حالات

ان میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو اپنے کامل شیخ کے وجود کو اپنے اعمال کا آئینہ سمجھتے ہیں اور شیخ انہیں جس چیز سے منع کردے اس سے گریز کرتے ہیں۔ شیخ کو چاہئے کہ ان معاملات میں شریعت کے احکام کا عالم اور طریقت کے آداب کا عارف اور حقیقت کے اسرار سے واقف ہو۔ آج کے زمانے میں ایسے شیخ کا ملنا تقریباً ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے سالکین غفلت اور جہالت کی حالت میں حیران و پریشان پھرتے ہیں۔ وہ اپنا اصل راستہ کھو چکے ہیں اور اپنے اصل مقصد سے محروم ہو چکے ہیں۔

ایک دوسرا گروہ وہ ہے جو کسی عارف کو اپنا پیشوا نہیں بنا سکتے لیکن کسی دیندار مہربان ناصح کی صحبت اختیار کر لیتے ہیں تا کہ وہ ان کی نگرانی کرے اور ان کے افعال اور احوال کو ملاحظہ کر کے ان کی آفات سے انہیں آگاہ کرے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر، حضرت حذیفہ اصبہانی، حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابودرداء بلکہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی اپنے عیوب کی بابت دریافت کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے:

رحم اللہ امرا اهدی الی عیوبی

(خدا اس شخص پر رحم کرے جو مجھے میرے عیوب سے آگاہ کردے)

آج کے زمانے میں ایسے دوست بہت کم رہ گئے ہیں جو کسی حسد یا غرض کے بغیر اپنے مسلمان بھائی کو صحیح طور پر اس کے عیوب سے آگاہ کریں۔

دریغ ایں درد را مرہم نہ دیدم — امید وصل بود، آں ہم نہ دیدم
ازاں کار راست است بنیاد — کہ عہد دوستاں محکم نہ دیدم

خبردار! اس درد کی دوا میں نے نہیں دیکھی کبھی وصل کی امید تھی اب وہ بھی دکھائی نہیں دیتی۔ میرے کام کی بنیاد اس لئے کمزور ہے کیونکہ دوستوں کا وعدہ مضبوط دکھائی نہیں دیتا۔

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو عامۃ الناس کو اپنے (احوال کا جائزہ لینے کے لیے) آئینہ

بنا لیتے ہیں۔

المؤمن مراۃ المؤمن (مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے)

یعنی یہ لوگ جب کبھی کسی کو کوئی برا کام کرتے دیکھتے ہیں اپنے نفس کو اس کے ارتکاب سے محفوظ کر لیتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب

ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے دریافت کیا آپ نے ادب کیسے سیکھا؟ آپ نے فرمایا بے ادبوں سے، سائل نے حیرانگی سے دریافت کیا وہ کس طرح؟ آپ نے فرمایا کسی جاہل کا جو کام مجھے برا لگا میں نے اس سے اجتناب کرنا شروع کر دیا۔

صوفیاء عظام کا ایک گروہ صرف اس بات پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ دشمنوں کی دشمنی کو بھی غنیمت شمار کرتا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ انسان کا کوئی عیب کسی دوست کی نظر سے پوشیدہ رہ جائے لیکن دشمن ہمیشہ تمام عیوب پر نظر رکھتا ہے۔ اس لئے یہ حضرات دشمن کی باتوں کو اپنے احوال کی اصلاح کے لیے نہایت اہمیت دیتے تھے اور دشمن کی زبانی اپنے دین کی کمی کے بارے میں جاننے کے لیے تیار رہتے تھے اور ان کا مقصد صرف اپنے دین کی اصلاح تھا جس کے لیے یہ اپنے دشمنوں کا وجود بھی شمار کرتے تھے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا۔ آپ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا؟ اگر قیامت کے دن میرے گناہوں کا پلڑا (نیکیوں سے) زیادہ بھاری ہوا تو میں اس سے زیادہ برا ہوں جو تم نے مجھے ابھی کہا ہے لیکن اگر نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوا تو تمہاری باتوں کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جواب

ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

ماستر اللہ علیك من عیوب اکثر

اللہ تعالیٰ نے میرے بہت سے عیب تم سے چھپا رکھے ہیں۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ کو ریاکار کہا تو آپ نے ارشاد فرمایا: پورے بصرہ شہر میں تمہارے علاوہ کوئی بھی مجھے نہیں پہچانتا۔

یہ اس مقدس گروہ کے افراد کے واقعات ہیں جو ہمیشہ اپنے اقوال اور احوال کا محاسبہ کرتے تھے اور اس دوران انہیں اس بات کی خبر بھی نہیں ہوتی تھی کہ دوست کی دوستی کیا ہوتی ہے اور دشمن کی دشمنی کسے کہتے ہیں۔ یہ صرف ایک خواہش رکھتے تھے کہ کوئی شخص انہیں ان کے عیوب سے آگاہ کردے اور یہ اپنے آپ کو اس شخص کا احسان مند سمجھتے تھے۔ لیکن آج کے زمانے میں ہم جیسے نفس پرست اس حال تک پہنچ گئے ہیں کہ ہمارے نزدیک وہ شخص ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے جو ہمیں ہمارے عیوب سے آگاہ کردے اور اس بات کا خواہشمند ہو کہ ہم ان عیوب میں گرفتار ہونے سے بچ جائیں۔ ہماری یہ کیفیت ایمان کی کمزوری کی علامت بلکہ عدم ایمان کی نشانی ہے۔

ایک عمدہ مثال

ہم میں سے ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ اگر کسی شخص کے کپڑوں میں بچھو گھس جائے اور اسے پتہ نہ چل سکے اور پھر کوئی شخص اسے اس بات سے آگاہ کردے تو اسے اطلاع دینے والے شخص کا احسان مند ہونا چاہئے۔ یاد رکھیں کہ برے اخلاق اور مذموم صفات جیسے تکبر، لالچ، کنجوسی، خود پسندی، حسد، ریاکاری یہ سب معنوی اعتبار سے سانپ اور اژدہوں کی مانند ہیں جو ابدالآباد تک قبر میں انسان کو عذاب دیتے رہیں گے لہٰذا اگر کوئی شخص ہمیں ان صفات کی آفات سے آگاہ کرے اور ہم اس کے احسان مند ہونے کے بجائے اس سے محاذ آرائی پر تل جائیں تو یہ ایمان کے عدم وجود کی نشانی ہوگی۔ حقیقی سانپ انسان کی ابدی زندگی کو تباہ و برباد کرکے ہمیشہ باقی رہنے والی ہلاکت کا شکار کردیتے ہیں۔ اس لئے جو شخص ہمیں ان سے آگاہ کرتا ہے ہمیں اس کا زیادہ احسان مند ہونا چاہئے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ غٰفِلُوْنَ

یہ لوگ ظاہری دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں۔

جعلنا الله ممن حقق ايمانه فعمل بمقتضاه و حسن اسلام ففامن برضاء مولاه انه قريب مجيب

(شیخ ہمدانی یہ دعا کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل فرمائے جن کا ایمان سلامت ہے اور جو ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں جن کے اعمال بہترین ہیں اور اپنے پروردگار کی رضا حاصل کر چکے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ قریب اور دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔

چوتھا باب

حقوق العباد کا بیان

پہلی قسم

والدین کے حقوق

”وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا“

”اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے اور والدین کے ساتھ احسان کیا جائے۔“

✧ الوالد اوسط الجنة فان شئت فحافظ علی الباب اوضیع

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے:

”باپ کی رضا مندی جنت کا دروازہ ہے اور تمہاری مرضی ہے کہ تم اس کی حفاظت کرتے ہو یا اسے ضائع کر دیتے ہو۔“

✧ یارسول اللہ! من ابر قال امك قلت ثم من قال امك قلت ثم من قال امك قلت ثم من قال اباك

”حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ایک مرتبہ میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں کس کے ساتھ (زیادہ) بھلائی سے پیش آؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی والدہ کے ساتھ، میں نے دریافت کیا پھر اس کے بعد؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی والدہ کے ساتھ۔ میں نے پھر عرض کی پھر اس کے بعد کس کے ساتھ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے والد کے ساتھ۔“

شریعت نے قرابت اور رحم کے حقوق کی پاسداری کی تاکید کی ہے اور ان دونوں میں سے جو زیادہ خاص ہوگا اس سے متعلق حقوق کی تاکید بھی زیادہ ہوگی کیونکہ ان دونوں میں سے رحم یعنی ولادت زیادہ خاص ہے۔ اس لئے دیگر حقوق کی بہ نسبت اس سے متعلق حقوق کی پاسداری زیادہ ضروری ہوگی۔ مزید برآں یہ کہ ماں (منفی اعتبار سے) کمزور اور عاجز ہونے کے باوجود، بچے کی پیدائش، دودھ پلانا اور تعلیم و تربیت کی تکالیف برداشت کرتی ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ زیادہ شفقت و محبت سے پیش آنا چاہئے اور والد کی بہ نسبت ماں کے ساتھ دوگنا حسن سلوک کرنا چاہئے۔

✧ عن مالك بن ربيعة قال بينما نحن عندرسول الله اذجاء رجل من بني سلمة فقال يارسول الله! هل بقي علي من برّ ابوى شيئي ابرهما به بعد وفاتهما قال نعم الصلوة عليهما والاستغفار لهما وانفاذ عهد هما و اكرام صديقهما

''حضرت مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ ایک دن ہم بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر تھے کہ اسی دوران بنو سلمہ سے تعلق رکھنے والا ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! کیا والدین کے انتقال کے بعد بھی میں ان سے حسن سلوک کرسکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

(وہ اس طرح کہ) تم ان کے لیے دعا کرو، ان کے لیے مغفرت طلب کرو، ان کی وصیت پوری کرو اور ان کے دوستوں کے ساتھ عزت و احترام کے ساتھ پیش آؤ۔

✧ قال رسول الله دعاء الوالدة اسرع اجابة قيل ولم ذاك يارسول الله قال هي ارحم من الاب ودعوة الرحيم لاتسقط

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''والدہ کی دعا جلد قبول ہوتی ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا، یارسول اللہ ﷺ! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کیونکہ ماں، باپ کی بہ نسبت زیادہ رحمدل ہوتی ہے اور زیادہ رحمدل کی دعا رد نہیں ہوتی۔''

✧ قال رسول الله من اصبح مرضیا لابویه اصبح له بابان مفتوحان الی الجنة ومن امسٰی مثل ذٰلك وان كان واحدًا فواحد ومن اصبح سخطا لابویه اصبح له بابان مفتوحان الی النار ومن امسٰی مثل ذٰلك وان كان واحدًا فواحدٌ

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ اس کے ماں باپ اس سے راضی ہوں تو اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح جو اسی حالت میں شام کرے تو بھی اس کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے اور اگر (ماں، باپ میں سے) کوئی ایک (زندہ) ہو تو ایک (دروازہ کھولا جاتا ہے) اور جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ اس کے ماں باپ اس سے ناراض ہوں تو اس کے لیے جہنم کے دو دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جو اسی حالت میں شام کرے تو اس کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا ہے اور اگر (ماں، باپ میں سے) کوئی ایک ہو تو ایک (دروازہ کھلتا ہے)''

✧ قال رسول الله الجنة یوجد ریحها من مسیرة خمسمائة عام ولایجد ریحها عاق ولاقاطع رحم

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جنت کی خوشبو پچاس برس کی مسافت سے سونگھی جاسکتی ہے لیکن جو شخص عاق ہو چکا ہو یا جو قطع رحمی کرے وہ یہ خوشبو بھی نہیں سونگھ سکتا۔''

یعنی وہ شخص قیامت کے دن جنت سے پانچ سو برس کی مسافت سے زیادہ دوری پر ہوگا تو بھلا وہ جنت میں کیسے داخل ہو سکتا ہے۔

✧ ان الله تعالٰی اوحی الی موسٰی علیه السلام یا موسٰی! من برّ والدیه وعقنی کتبتة بارا ومن برنی وعق والدیه کتبتة عاقًا

''اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی تھی کہ اے

موسیٰ! جو شخص اپنے والدین کا فرمانبردار ہو اور ہماری نافرمانی کرتا ہو ہم اس کا نام فرمانبرداروں کی فہرست میں شامل کر دیتے ہیں لیکن جو شخص ہماری فرمانبرداری کرتا ہو لیکن اپنے والدین کا نافرمان ہو ہم اس کا شمار نافرمانوں کے زمرے میں کرتے ہیں۔''

حکایت

ایک وقت تھا جب مصر میں رواج یہ تھا کہ اگر کوئی بادشاہ کسی کے احترام میں تخت شاہی سے کھڑا ہو جاتا تو اسے معزول کر دیا جاتا جب حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنے کے لیے مصر تشریف لائے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ چاہا کہ کھڑے ہو کر آپ کا استقبال کریں لیکن آپ کے امراء نے مشورہ دیا کہ اس طرح (عام روایت کی خلاف ورزی کی وجہ سے) حکومت کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا، اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام کھڑے نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپکی طرف وحی نازل فرمائی کیونکہ تم اپنے والد کے احترام میں کھڑے نہیں ہوئے اس لئے تمہاری اولاد میں کوئی پیغمبر پیدا نہیں ہوگا۔[1]

کوئی بھی بیٹا پانچ اعتبار سے اپنے والدین کو ہدایت کرسکتا ہے:

تعریف، نصیحت کرنا، کسی کام سے منع کرنا، گالی گلوچ کرنا اور مارنا پیٹنا۔

پہلے دونوں طریقوں سے کوئی بھی بیٹا اپنے ماں باپ کو ہدایت کرسکتا ہے اور آخری دو طریقے یعنی مارنا پیٹنا اور گالی گلوچ کرنا اولاد کے لیے جائز نہیں ہیں۔ تیسری قسم یعنی والدین کو کسی کام کے ارتکاب سے منع کرنا اس بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں اگر اولاد سے کوئی ایسا فعل صادر ہو جائے جو والدین کے لیے اذیت کا باعث وہ ہو تو بھی جائز ہے جیسے آلات موسیقی یا اسی طرح کے دوسرے ممنوع آلات توڑنا، والدین کی شراب بہا دینا، ان کا ایسا لباس پھاڑ دینا جو حرام ہو یا انہوں نے کسی سے کوئی مال چھینا تھا وہ اس کے

---

[1] اے ہمارے نزدیک یہ کوئی اسرائیلی روایت ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی سے اس غلطی کا صدور بعید از امکان ہے کہ وہ دنیاوی سلطنت کے بچاؤ کی خاطر اپنے اس عظیم المرتبت والد کی تعظیم نہیں کریں گے جو اللہ کے برگزیدہ نبی بھی ہیں۔ مزید براں یہ بھی محل نظر ہے کہ محض تخت شاہی سے اٹھنا اتنا سنگین جرم قرار پائے کہ بادشاہت سے ہاتھ دھونا پڑ جائیں۔ (مترجم)

اصل مالک کو واپس لوٹا دینا اگرچہ ان تمام صورتوں میں والدین کی ناراضگی کا خطرہ موجود ہے لیکن اس کے باوجود (شرعی اعتبار سے) بیٹا عاق تصور نہیں ہوگا اور اس بارے میں والدین کی ناراضگی کی کوئی پرواہ نہیں کی جائے گی کیونکہ والدین کے حقوق کی ادائیگی کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی پاسداری زیادہ ضروری ہے۔ اسی مسئلے کی وضاحت قرآن مجید میں ان الفاظ میں کی گئی۔

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَائَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ'

''اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بھائی ایمان کے مقابلے میں کفر اختیار کریں تو انہیں اپنا دوست نہ بناؤ۔

جو والدین شرعی احکام کی مخالفت نہ کرتے ہوں اور اللہ کے احکام کے پابند ہوں ان کی رضامندی حاصل کرنا سب سے افضل عبادت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

والدین کی فرمانبرداری کی فضیلت

✧ بر الوالدين افضل من الصلوة والصوم والحج والعمرة والجهاد في سبيل الله

''والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، نماز، روزہ، حج، عمرہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ بہتر ہے۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ بیٹے کا وجود والدین کے وجود کا مرہون منت ہے اور والدین ہی اپنی تربیت کے ذریعے سب سے پہلے اپنی اولاد کی ذات اور صفات کے ظہور کا وسیلہ بنتے ہیں۔ بچپن میں جبکہ انسان انتہائی عاجزی اور کمزوری کی وجہ سے از خود حرکت کرنے کی قدرت اور اختیار نہیں رکھتا اس وقت والدین کی محبت اور شفقت ہی کام آتی ہے۔ لہٰذا یہ والدین ہی کا وجود ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور رحمت کے آثار نومولود کے لیے ظاہر ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں نومولود بچہ ہلاکت سے محفوظ رہ کر اپنے مرتبہ کمال تک پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کے ساتھ ساتھ والدین کا شکر بھی انسان

کے لیے لازم قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان اشکرلی ولوالدیك

میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو۔

دوسری قسم

میاں بیوی کے حقوق

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً"

''اور ہم نے تم سے پہلے بھی رسولوں کو مبعوث کیا اور انہیں اولاد اور بیویاں عطا کیں۔''

✧ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من نکح للّٰه وانکح للّٰه یستحق ولایة اللّٰه

جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے خود نکاح کرے یا کسی کا نکاح کروائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی دوستی کا مستحق ہو جاتا ہے۔

یعنی جو شخص اپنے آپ کو زنا سے محفوظ کرنے کے لیے نکاح کرے یا اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح کسی دیندار شخص سے اس لئے کرے تاکہ ان کا دین محفوظ ہو جائے ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی دوستی کا مستحق ہو جاتا ہے۔

✧ قال رسول اللّٰه علیه السلام من رغب عن سنتی فلیس منی والنکاح من سنتی من احبنی فلیثبتن بسنتی

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص میری سنت سے روگردانی کرے گا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور نکاح میری سنت ہے۔ اس لئے جو شخص مجھ سے محبت رکھتا ہے اسے چاہیے کہ میری سنت پر ثابت قدم رہے۔''

✧ اذا اتاکم من ترضون دینه وامانة خطب الیکم فزوجوه الا

تفعلوہ تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر

نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا:

''جب تمہارے پاس کوئی دیندار اور امانتدار شخص آئے (تو اپنی بہن یا بیٹی کے ساتھ) اس کا نکاح کردو۔ اگر تم ایسا نہیں کروں گے تو تم دنیا میں ایک بڑا فتنہ و فساد پیدا کرنے کے مستحق قرار پاؤ گے۔''

یعنی اگر تمہارے پاس ایسا شخص آئے جس کی دینداری اور امانتداری پر تمہیں اعتماد ہو اور وہ (تمہاری کسی عزیزہ کے ساتھ) نکاح کی فرمائش کرے تو ایسا شخص اگرچہ غریب ہی کیوں نہ ہو تم اس کی غربت کی وجہ سے شرمندگی محسوس نہ کرنا بلکہ اس کی پرہیزگاری اور دیانتداری کو غنیمت شمار کرنا اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو گویا تم زمین میں فتنہ وفساد کا آغاز کرو گے۔

شیطانی حملے سے بچاؤ

کیونکہ نکاح ایک اہم دینی فریضہ ہے جس کے ذریعے شیطان کے بہت سے حملوں سے بچا جاسکتا ہے۔ انسانیت کی بقا کا مدار اسی پر ہے اور اسی کے ذریعے مسلمانوں کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوتا ہے اس لئے تمام اہل اسلام کو نکاح کی شرائط، اس کے حقوق، احکام، مقاصد اور آداب کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرنا چاہئے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو اس کے لیے انہیں جاننا نہایت ضروری ہے۔

نکاح کی شرائط سات ہیں:

معاشرت، سیاست، غیرت، نفقہ، تعلیم، قسمت، تادیب۔

معاشرت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو)

نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو آخری وصیت یہ فرمائی تھی۔

"الصلوة وماملکت ایمانکم واتقوالله فی النسآء فان اعوان فی

ایدیکم"

"نماز اور اپنے غلاموں (اور باندیوں) کا خاص خیال رکھو اور اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا کیونکہ وہ تمہاری دست نگر ہیں۔"

لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اپنی بیوی کے ساتھ قول اور فعل کے ذریعے زیادہ سختی سے پیش نہ آئے اور اس کی کوتاہی، نااہلی اور بدخوئی کے جواب میں بردباری اور تحمل و برداشت سے کام لے اور ترش روی سے پیش نہ آئے۔

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: مجھے تمہاری رضا مندی اور ناراضگی کا پتہ چل جاتا ہے۔ سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا وہ کس طرح؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو یوں قسم کھاتی ہو کہ محمد (ﷺ) کے خدا کی قسم، اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو یوں قسم کھاتی ہو کہ ابراہیم علیہ السلام کے خدا کی قسم، یہ سن کر سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مسکرا دیں اور کہا آپ درست ارشاد فرما رہے ہیں۔

ایک مرتبہ سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کے سینہ مبارک پر دونوں ہاتھ مارتے ہوئے (غصے کے عالم میں) کہا آپ ہی نے دعویٰ نبوت کیا تھا (آپ کی اس حرکت پر) نبی کریم ﷺ نہایت تحمل کے ساتھ مسکرا دیئے۔[1]

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کے معاملے میں نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ کی پیروی کریں اور خوش مزاجی کے ذریعے انہیں خوش رکھیں۔

حکیم لقمان کا قول

حکیم لقمان ارشاد فرماتے ہیں:

ینبغي للعاقل ان یکون في اهله کالصبي فاذا کان في القوم وجد

[1] (روایت بظاہر موضوع محسوس ہوتی ہے کیونکہ بالفرض سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نبی کریم ﷺ کو بطور شوہر دو تھپڑ رسید کرنا مان بھی لیا جائے اگرچہ یہ بھی آپ کے اخلاق کریمانہ سے بعید ہے۔ پھر بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ طیش کے عالم میں نبی کریم ﷺ کے مرتبہ نبوت کے بارے میں غیر محتاط الفاظ استعمال کریں) (مترجم)

رجلا

"عقلمند آدمی کو چاہئے کہ وہ گھر میں (اپنی بیوی کے ساتھ) بچوں کا سا طرز عمل اختیار کرے اور باہر لوگوں میں ایک مرد کی حیثیت سے سامنے آئے۔"

ام المؤمنین سیّدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ سب سے زیادہ اچھا سلوک کرتے تھے۔ایک مرتبہ آپ نے مجھے دعوت دی کہ آؤ تاکہ پتہ چلے کہ ہم دونوں میں سے کون زیادہ تیز دوڑ سکتا ہے؟ جب مقابلہ ہوا تو میں آگے نکل گئی پھر کچھ عرصہ بعد دوبارہ (ایسا اتفاق ہوا کہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دوبارہ مقابلے کی دعوت دی۔اس مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سبقت لے گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا: "ھذا بتلك" (یہ اس حق کا بدلہ ہے)۔

سیاست

(یعنی بیوی پر رعب و دبدبہ قائم کرنا)

ہر غیور مسلمان کو چاہئے کہ بیوی کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنے کے دوران اس کی خواہش نفس کی پرواہ نہ کرے اور بیوی سے اس قدر نرمی نہ برتے جس کے نتیجے میں ناگوار صورتحال کا سامنا کرنا پڑے اور بیوی کے دل سے سرے سے اس کا رعب اور دبدبہ ختم ہو جائے اور وہ اس کے ساتھ گستاخی سے پیش آنے لگے۔اگر شوہر بیوی کے اندر کوئی غیر شرعی خامی دیکھتا ہے تو ابتدا مار پیٹ کے بجائے رعب اور دبدبے کے ذریعے اسے باز رکھے،خود اس کے حکم کا غلام نہ بنے۔اسی طرح دینی معاملات میں اس سے مشورہ نہ کرے کیونکہ ایک روایت کے مطابق یہ الفاظ منقول ہیں:

شاوروهن وخالفوهن فان في خلافهن البركة

"عورتوں سے مشورہ کرو اور ان کے مشورے کے برعکس کرو کیونکہ ان کی (رائے کی) مخالفت میں برکت ہے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی کام کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"ما انت الا لعبة فی البیت ان کانت لنا حاجة نلعب معك والاجبست کما انت"

''تمہاری حیثیت ایک کھلونے کی مانند ہے جب میرا جی چاہے گا میں تم سے اپنی خواہش پوری کرلوں گا ورنہ تم آرام سے گھر میں رہو۔''

✧ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جو عورتوں کے حکم کی پابند ہو۔[1]

مختصر یہ کہ پوری کائنات کا نظام حد اعتدال پر مبنی ہے۔لہٰذا اعتدال کو پس پشت ڈال دینے سے ہمیشہ نقصان دہ صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

غیرت

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللّٰہ یغار والمؤمن یغار و غیرۃ اللّٰہ ان یاتی المؤمن بما حرم علیہ

اللہ تعالیٰ غیرت فرماتا ہے اور بندہ مومن بھی غیرت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس بات پر غیرت فرماتا ہے کہ بندہ مومن اس کام کا ارتکاب کرے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انی لغیور وما من امرء لایغار الامنکوسٌ قلبہ

میں غیرت مند ہوں اور جو شخص غیرت نہیں کرتا اس کی عقل رخصت ہو جاتی ہے۔

بندہ مومن کے غیرت کرنے کا مطلب یہ ہے کو وہ اپنے گھر میں نامحرم لوگوں کو داخل نہ ہونے دے،اپنی مستورات کو قبرستان اور مساجد کی زیارت کے لیے نہ جانے دے اسی طرح

---

[1] (اس بات کا احتمال موجود ہے کہ اس روایت کا حکم مطلق نہ ہو بلکہ اس سے مراد وہ عورت ہو جو متعلقہ امور سے واقفیت نہیں رکھتی۔البتہ اگر کوئی عورت کسی ایک فن میں مہارت حاصل کر لیتی ہے تو اس مخصوص فن میں اس سے مشورے کے ساتھ ساتھ رہنمائی بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔)(مترجم)

انہیں مخلوط محافل میں شریک نہ ہونے دے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ان کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہونے سے گریز کرے اور خواہ مخواہ ان کی جاسوسی نہ کرے نہ ہی بلاوجہ ان کی عیب جوئی کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''المراۃ کا لصلع ان استمعت وبھا عوج وان قولھا کرتھا''؟

''عورت کی مثال پسلی کی مانند ہے جو ٹیڑھی ہوتی ہے اگر تم اس سے فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو اسی حالت میں حاصل کر سکتے ہو لیکن اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی۔''

چشم پوشی کی ترغیب

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان کو حتی المقدور عورتوں کی نااہلی اور حماقتوں سے چشم پوشی اختیار کرنا چاہئے اور نہایت مہربانی کے ساتھ انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام کی پاسداری کرنے کی ترغیب دینا چاہئے جس طرح انسان اپنے آپ کو آخرت میں عذاب کا شکار ہونے سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح انہیں بھی آخرت کے عذاب سے ڈرا کر اس سے بچانے کی کوشش کرے۔

نفقہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

''وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا''

''(اور عقلمند لوگ) جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچ نہیں کرتے اور کنجوسی سے خرچ نہیں کرتے۔''

یعنی خرچ کے دوران میانہ روی اختیار کرتے ہیں نہ وہ اتنا زیادہ خرچ کرتے ہیں کہ اسے فضول خرچی قرار دیا جا سکے اور نہ ہی اتنا کم خرچ کرتے ہیں کہ وہ بخل کی حدود میں داخل ہونے لگیں۔ بیوی بچوں کے لیے نان و نفقے کا بندوبست کرتے ہوئے حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچنا چاہئے اور جو چیز ضرورت سے زائد ہو اسے محتاجوں میں تقسیم کر دینا چاہئے بالفرض اگر آمدن کا ذریعہ ایسا ہو کہ اس میں سے بعض آمدنی حلال ہو اور بعض مشکوک ہو تو حلال

آمدنی کھانے پر خرچ کرنی چاہئے اور مشکوک آمدنی لباس وغیرہ پر خرچ کی جائے کیونکہ جس گوشت کی نشوونما مشتبہ مال سے ہوتی ہو وہ جہنم کے عذاب کا مستحق ہے۔

تعلیم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قُوْا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ (کے عذاب) سے بچاؤ۔

لہٰذا ہر مومن، ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے اہل خانہ کو اہل سنت کے عقائد کی تعلیم دے اسی طرح ضروری مسائل سے انہیں آگاہ کرے، انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرائے اور حقوق بندگی کی ادائیگی کے دوران غفلت کے خطرات سے انہیں آگاہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی سزا سے انہیں ڈرائے، طہارت، غسل، نماز، روزہ، حیض، نفاس وغیرہ کی انہیں تعلیم دے۔ اگر وہ اس کام میں کاہلی کا مظاہرہ کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ اسی طرح بیوی پر لازم ہے کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر علماء سے مسائل دریافت کرنے کے لیے گھر سے باہر نہ نکلے۔

قسمت

یہ شرط اس شخص کے لیے ہے جس کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں۔ اس پر واجب ہے کہ سب بیویوں کے ساتھ شب بسری اور نان ونفقہ میں یکساں سلوک کرے۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله اذا كان عندالرجل امراتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ دونوں کے درمیان عدل سے کام نہ لے تو قیامت کے دن اس طرح (میدان حشر میں) آئے گا کہ اس کا ایک حصہ مفلوج ہوگا۔"

سنتِ نبوی ﷺ

نبی کریم ﷺ کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ آپ شب بسری اور نان ونفقہ کے اعتبار سے تمام ازواج مطہرات کے ساتھ یکساں سلوک فرماتے تھے اور یہ دعا کرتے تھے:

اللهم هذا جهدی فی ما املك فلاتلمنی فی ماتملك ولم املك

اے اللہ! جو چیز میرے اختیار میں تھی (یعنی نان ونفقہ اور شب بسری) وہ میں نے پوری کردی لیکن جو میرے بس میں نہیں ہے بلکہ تیرے قبضہ قدرت میں ہے اس کے بارے میں مجھے ملامت نہ کرنا (یعنی قلبی محبت اور فطری رجحان)

تادیب

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

واللاتی تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن فی المضاجع واضربوهن فان اطعنكم فلاتبغوا عليهن سبيلا

''اور جن عورتوں سے تمہیں نافرمانی کا اندیشہ ہو انہیں سمجھاؤ۔ (اگر نہ مانیں) تو انہیں بستر سے الگ کردو (اگر پھر بھی نہ مانیں) تو انہیں مارو، پھر اگر وہ تمہاری فرمانبردار بن جائیں تو ان کے ساتھ زیادتی نہ کرو۔''

مارنے کے دوران اس چیز کا خیال رکھا جائے کہ عورت کا کوئی عضو (ہڈی وغیرہ) نہ ٹوٹے اور نہ ہی کوئی نقص پیدا ہو (یعنی زخم یا جلانے کا مستقل نشان پیدا نہ ہو) اسی طرح بطور مصلحت شوہر ایک ماہ تک اپنی بیوی سے بات چیت بند رکھ سکتا ہے یا اسے اپنے بستر سے الگ رکھ سکتا ہے۔

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ اپنی کسی زوجہ محترمہ کے ہاں تشریف فرما تھے کہ آپ کی خدمت میں کوئی چیز پیش کی گئی۔ آپ نے وہ چیز ام المؤمنین سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بھجوا دی۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اسے واپس بھجوا دیا۔ اس عورت نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے آپ کی بھیجی ہوئی چیز واپس کر کے گویا آپ کی توہین کی ہے۔ آپ نے یہ سن کر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

”تم نے میری توہین کی تو بارگاہ رب العزت میں رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔“

پھر اس کے بعد آپ نے ایک ماہ تک تمام ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار فرمائی اور اس دوران کسی زوجہ محترمہ کے ساتھ گفتگو نہیں فرمائی۔“

شوہر کے حقوق

یہ وہ حقوق ہیں جن کا تعلق بیوی کے ساتھ اور جن کی ادائیگی شوہر پر لازم ہے جہاں تک شوہر کے اپنے حقوق کا تعلق ہے تو وہ بھی بے شمار ہیں۔ سب سے پہلے ہم نکاح کی حقیقت بیان کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کر دیں گے کہ شرعی اعتبار سے کسی انسان کی ملکیت کی دو قسمیں ہیں۔ (ملکیت سے مراد یہاں حکم دینے کا حق ہے)

(1) ملک یمین (یعنی کسی غلام یا باندی کا مالک ہونا۔ (2) ملک نکاح

جس طرح کسی غلام پر اپنے آقا کے حکم کی فرمانبرداری لازم ہے اسی طرح بیوی بھی شوہر کے حکم کی فرمانبرداری کی پابند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لو کنت امرت احدا ان یسجد لاحد لامرت المراۃ ان تسجد لبعلها من عظم حقه علیها

”اگر میں کسی کو کسی دوسرے کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے کیونکہ بیوی کے ذمے شوہر کے بہت سے حقوق ہیں۔“

عہدِ نبوی ﷺ کا واقعہ

ایک مرتبہ کسی صحابی نے سفر پر جانے سے پہلے اپنی بیوی کو حکم دیا کہ تم نے میرے واپس آنے تک بالائی منزل سے نیچے نہیں اترنا۔ اس خاتون کا والد نچلی منزل پر رہتا تھا وہ شدید بیمار ہوا تو اس خاتون نے کسی کی معرفت نبی کریم ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کیا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے شوہر کے حکم کی پابندی کرو۔ کچھ عرصے بعد اس کا والد فوت ہو گیا۔ اس نے دوبارہ نبی کریم ﷺ سے اپنے والد کی تکفین میں شریک ہونے کی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے دوبارہ اسے شوہر کی ہدایت کی پابندی کا حکم دیا۔ یہاں تک کے اس کے والد کو دفن کر دیا گیا لیکن وہ عورت بالائی منزل سے نیچے نہ اتری۔ نبی کریم ﷺ

نے ارشاد فرمایا:

قدغفر لابیھا بطاعتھا لزوجھا"

(اپنے شوہر کی فرمانبرداری کی وجہ سے اس کے والد کی مغفرت فرما دی گئی ہے۔)

دس حقوق

شوہر کے بیوی پر دس حقوق ہیں۔

(1) جب شوہر بیوی کی طرف راغب ہوتو اسے منہ نہ کرے۔

(2) شوہر کی اجازت کے بغیر گھر کی کوئی چیز کسی کو نہ دے۔

(3) شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے۔

(4) شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے۔

(5) شوہر کے عیوب (اپنے رشتہ داروں یا دوسرے) لوگوں کے سامنے بیان نہ کرے۔

(6) شوہر سے ناجائز مطالبات نہ کرے۔

(7) شوہر کی خوشی اور غم میں برابر کی شریک ہو۔

(8) شور کے بار میں بدگمانی کا شکار نہ ہو۔

(9) خود پاکیزہ رہے اور جو چیز شوہر کو ناپسند ہو اس سے گریز کرے

(10) اولاد کو بددعا نہ دے۔

تیسری قسم

اولاد کے حقوق

✧ عن ابی هريرة قال جاء رجل الى رسول الله وقال من ابرقال بروالديك فقال ليس لی والدان فقال برولدك كما ان لوالديك عليك حقافكذلك لولدك عليك حقا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص بارگاہِ رسالت

مآب میں حاضر ہوا اور عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! میں کس کے ساتھ بھلائی کا سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا اپنے والدین کے ساتھ، اس نے عرض کی میرے والدین زندہ نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا تم اپنے بیٹے کے ساتھ اچھا سلوک کرو کیونکہ جس طرح تمہارے والدین (تمہارے اچھے سلوک) کے مستحق ہیں اسی طرح تمہارا بیٹا بھی (تمہارے حسن سلوک کا) مستحق ہے۔

✧ عن انس بن مالك قال قال رسول الله الغلامُ يعق عنه اليوم السابع ويماط عنه الاذى فاذابلغ ست سنين ادب فاذا بلغ سبع سنين عذل عنه فراشه فاذا بلغ ثلث عشرسنة ضرب على الصلٰوة فاذا بلغ ستة عشرسنة زوج ثم اخذ بيده وقال ادبتك وعلمتك وانكحتك اعوذبالله من فتنتك في الدنيا وعدابك في الآخرة

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''ساتویں دن بچے کا عقیقہ کر کے اس کا سر مونڈ دیا جائے۔ جب وہ چھ برس کا ہو جائے تو اسے ادب سکھایا جائے۔ جب وہ سات برس کا ہو جائے تو اس کا بستر الگ کر دیا جائے۔ جب وہ تیرہ برس کا ہو جائے تو نماز (ترک کرنے) کی وجہ سے اس کی پٹائی کی جائے، جب وہ اٹھارہ برس کا ہو جائے تو اس کی شادی کر دی جائے پھر (اس کا باپ) اس کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہے میں نے تمہاری تربیت کی، تمہیں تعلیم دی اور تمہاری شادی کروا دی اب میں دنیا میں تمہاری (وجہ سے پیش آنے والی کسی) آزمائش اور آخرت میں تمہاری (وجہ سے پیش آنے والے) عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔''

اولاد امانت ہے

یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ اولاد، ماں باپ کے پاس اللہ کی امانت ہے اور قیامت کے روز والدین سے اولاد کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں حساب لیا جائے گا۔ اس

امانت کی مثال اس آئینے کی مانند ہے جو تمام اچھائیوں اور برائیوں کا عکس قبول کرتا ہے۔ آپ اس جوہر کو جس طرف مائل کریں گے۔ یہ اسی طرح جھک جائے گا۔ اگر ماں باپ اور استاد اہل خیر اور نیک ہوں تو ان کی نیکی کے آثار بچوں کے وجود میں بھی پختہ ہو جائیں گے اور وہ علم و فضل اور پرہیزگاری کی زیادتی کی وجہ سے دونوں جہان میں کامیاب و کامران ہوں گے اور ان کے والدین اور اساتذہ و معلمین ان کے اجر و ثواب میں برابر کے حصے دار ہوں گے۔ لیکن اگر ماں باپ اور اساتذہ ہی فاسق، غافل اور جاہل ہوں تو اس فسق، جہل اور غفلت کی تاریکیوں کے آثار بچوں پر بھی نمودار ہوں گے اور یہ بچے فسق و فجور، ظلم، فتنہ، خود پسندی کا شکار ہو کر دونوں جہان میں ذلیل و رسوا ہوں گے اور اس کے ماں باپ اور اساتذہ بھی سزا میں برابر کے شریک ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

✧ ”کل مولود یولد علی الفطرۃ الا ان ابواہ یھودانہ وینصرانہ ویمجسانہ“

”ہر بچے کی پیدائش فطرت کے مطابق ہوتی ہے (یعنی ہر بچہ فطری اعتبار سے مسلمان ہوتا ہے)
لیکن اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں“
یعنی ہر بچہ فطری اعتبار سے
یعنی ہر بچہ فطری اعتبار سے پاک ہوتا ہے اور وہ دین و مذہب یا اچھائی برائی کی تعلیم اپنے ماں باپ سے حاصل کرتا ہے یعنی گر اسکے ماں باپ یہودی ہوں تو وہ اسے یہودی بنا دیتے ہیں اگر اسکے ماں باپ آتش پرست ہوں تو اسے آتش پرست بنا دیتے ہیں، اگر اس کے ماں باپ بت پرست ہوں تو اسے بھی بت پرست بنا دیتے ہیں اور اگر بے دین ہوں تو اسے بھی بے دین بنا دیتے ہیں۔

والدین کے لئے نصیحت

جس طرح والدین بچپن میں بچے کو آگ یا پانی (کی ہلاکت) سے بچاتے ہیں تا کہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچے اسی طرح انہیں چاہئے کہ اس بچے کو آخرت کے عذاب سے بھی

بچانے کی کوشش کریں تا کہ وہ ابدی ہلاکت کا شکار نہ ہو اور آخرت کے عذاب سے بچانے کا طریقہ یہ ہے کہ بچپن ہی سے بچے کو اچھے اخلاق کی تعلیم دی جائے اور برے دوستوں کی صحبت سے بچانے کی کوشش کی جائے، دنیاوی محبت کی نفرت اس کے دل میں پیدا کی جائے اور اسے عیش وعشرت کا عادی نہ بنایا جائے۔ ایسی عورت جو بے نمازی ہو یا حرام رزق کھاتی ہو وہ کمسنی میں اسے دودھ نہ پلائے۔ اسی طرح حرام لقمے کو بچے کی غذا نہ بنایا جائے کیونکہ بچپن میں حرام رزق کھانے سے اس کے بدن میں جو نشوونما ہوگی وہ اس کی طبیعت میں تاریکی اور نکدر پیدا کرے گی جس کے نتیجے میں جوانی کے عالم میں وہ گناہوں کی طرف زیادہ مائل ہوگا پھر جب بچہ سمجھدار ہو جائے تو اس کی سخت نگرانی کی جائے اور اس عمر میں سعادت کی سب سے بڑی نشانی حیاء ہے۔ اگر بچے میں حیاء موجود ہے تو اسے غنیمت سمجھنا چاہئے اور اس کی تربیت میں مزید بہتری کی کوشش کرنا چاہئے۔ بچے میں سب سے پہلے جو خرابی پیدا ہوتی ہے وہ کھانے کا لالچ ہے اس سے بچوں کو کھانے کے آداب کی تعلیم دینی چاہئے۔ اسی طرح بچوں کو زیادہ کھانے کے نقصانات سے آگاہ کرنا چاہئے۔ اسی طرح کھانے کو ذخیرہ کرنے سے بھی روکنا چاہئے بلکہ ایثار کرنے کی تلقین کرنا چاہئے جو بچے زیادہ کھانے کے شوقین ہوں انہیں سرزنش کی جائے تا کہ ان کی یہ عادت ختم ہو جائے۔ اسی طرح بچوں کو رنگین یا ریشمی کپڑے پہننے سے بھی روکنا چاہئے اور انہیں یہ باور کرانا چاہئے کہ یہ عورتوں اور ہیجڑوں کا لباس ہے۔ اسی طرح اپنی اولاد کو ایسے بچوں کی دوستی سے بچانا چاہئے جو رنگ برنگے کپڑے پہنتے ہوں پرتعیش زندگی بسر کرتے ہوں کیونکہ انہی چیزوں کی وجہ سے بچے جھوٹ، چغلی، حسد، غیبت، خودپسندی، تکبر، لالچ، بخل اور فریب کاری جیسی مہلک عادات کا شکار ہو جاتے ہیں بلکہ یہ عادات ان میں پختہ ہو جاتی ہیں۔

بچے کی تعلیم وتربیت

جب بچہ تعلیم حاصل کرنے کے قابل ہو جائے تو کسی متقی اور پرہیزگار استاد کی خدمات حاصل کی جائیں جو مخارج کی درست ادائیگی کے ساتھ بچے کو قرآن پاک کی تعلیم دے پھر اس کے بعد احادیث مبارکہ اور بزرگوں کے احوال وآثار کی تعلیم دی جائے تا کہ نیک لوگوں

کی محبت اس کے دل میں مضبوط ہوجائے۔ ایسے بچوں کو زلف و رخسار وغیرہ جیسے عشقیہ مضامین پر مشتمل شاعری پڑھنے سے روکنا چاہئے کیونکہ ایسی باتیں بچوں کے دل میں فساد کا بیج بوتی ہیں اوراس کے نتیجے میں خاردار جھاڑیاں (منفی خیالات) پیدا ہوجاتی ہیں۔ تعلیم کے دوران بچوں کو کچھ دیر کے لیے کھیل کود کا موقع بھی دینا چاہئے تاکہ اسے زندگی دشواری محسوس نہ ہواوراس کی طبیعت معقول رہےاوراس کی ذہنی صلاحیت کسی خرابی کا شکار نہ ہو۔

آداب کی تلقین

بچوں کو گالیاں دینے یا فحش گفتگو کرنے، لعنت ملامت کرنے، فضول گفتگو کرنے اور بہت زیادہ ہنسنے سے روکنا چاہئے۔ اسی طرح عمر رسیدہ اور بزرگ لوگوں کے سامنے ادب واحترام کا مظاہرکرنے کی تاکید کرنی چاہئے۔ سات برس کی عمر میں اسے پاکیزہ اور طہارت کا پابند کریں کیونکہ اس عمر میں شرعی احکام سیکھنے کا پابند ہوجاتا ہے پھر جب وہ بالغ ہوجائے تو اسے سمجھائیں کہ دوسری دواؤں کی مانند کھانا بھی ایک دوا ہے جس طرح ہر بیماری کی مخصوص دوا ہوتی ہے اسی طرح بھوک کی بیماری کی دوا کھانا ہے جس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ بھوک کے نتیجے میں پیدا ہونے والی جسمانی کمزوری سے نجات حاصل کرکے انسان اپنے جسم کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کے قابل کرسکے اور معرفت ومحبت الٰہیہ حاصل کرسکے اور دنیا کی کھیتی میں ابدی سعادت کا بیج بوسکے۔

دنیا کی حقیقت

دنیا ایک رباط ہے جس کے کنارے پر قیامت موجود ہے۔ یہ ایک ایسا گھر ہے جس کی کوئی قدر، کوئی اصل نہیں ہے اور نہ ہی یہ باقی رہے گی۔ دنیا کی تمام نعمتیں اس گھر کی مانند ہیں جو ایک تیز ترین طوفان کے راستے میں موجود ہے۔ موت کی تیز ہوا اس کی تمام نعمتوں کو فنا کردے گی۔ اسی طرح ہر گھڑی اس بات کا امکان موجود ہے کہ وہ انسان کی زندگی کی آخری گھڑی ہو، عقلمند وہ ہے جو اس دنیا سے آخرت کا زاد راہ حاصل کرلے اور فنا ہوجانے والی نعمتوں کو باقی رہ جانے والی دولت کے حصول کا سبب بنالے۔ جب بچوں کی تربیت اس نہج پر کی جائے گی جس کا ہم نے ذکر کیا ہے تو بالغ ہونے تک برکات کے آثار ان کے ظاہر

اور باطن سے نمایاں طور پر محسوس ہوں گے۔ ایسے بچے نیکی اور بھلائی کے کاموں کے علاوہ اور کسی طرف توجہ نہیں دیں گے۔ شریر اور مضر لوگوں کی صحبت سے اجتناب کریں گے لیکن اگر بچوں کی تربیت اس نہج پر نہ کی جائے تو پھر کم عمری ہی میں وہ غافل اور جاہل لوگوں سے مانوس ہوں گے، کھیل کود، فحش کلامی، بے شرمی، مکروفریب، لالچ، کھانے اور پہننے میں عمدہ اشیاء کے حصول کی خواہش اور بڑائی ان کی عادت بن جائے گی۔ سن بلوغ تک پہنچنے تک وہ حق سے بیگانہ ہو جائیں گے۔ وعظ ونصیحت کا ان کے دل پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ ان کی تمام صلاحیتیں فسق وفجور اور گناہ کے کاموں میں صرف ہوں گی جس کے نتیجے میں وہ ہمیشہ رہنے والی بدبختی کا شکار ہو جائیں گے اور ان سب باتوں کا وبال ان کے ماں باپ پر ہوگا۔

تستری کا واقعہ

سہل بن عبداللہ تستری ارشاد فرماتے ہیں جب میں تین برس کا تھا تو میں نے اپنے ماموں محمد بن سوار کو رات کے وقت عبادت کرتے دیکھا، میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور انہیں دیکھنے لگا کہ دیکھیں کیا کہتے ہیں۔ ایک دن انہوں نے مجھے کہا اے سہل! جس خدا نے تمہیں پیدا کیا ہے اسے یاد کیا کرو، میں نے دریافت کیا میں اسے کس طرح یاد کروں؟ انہوں نے فرمایا رات کے وقت جب بھی تمہاری آنکھ کھلے تم زبان ہلائے بغیر تین بار یہ بات دہرایا کرو ''اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے، اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔'' میں نے چند دن تک یہ معمول جاری رکھا پھر انہیں بتایا۔ انہوں نے فرمایا اب تم سات مرتبہ یہ جملہ دہرایا کرو۔ چند دن بعد انہوں نے گیارہ مرتبہ یہ عمل کرنے کی نصیحت کی جس کے کچھ دن بعد میرے دل میں اس کی حلاوت پیدا ہوگئی اور لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے نفرت سی ہوگئی۔ میں خلوت نشین ہوگیا جہاں تک کہ میرے والدین نے مجھے مدرسے بھجوا دیا۔ مجھے یہ ڈر تھا کہ دوسرے بچوں کی ہمراہی کی وجہ سے میری طبیعت پریشان رہے گی۔ میں نے والد صاحب سے درخواست کی کہ آپ استاد سے کہیں کہ وہ روزانہ ایک گھنٹہ پڑھا کر مجھے رخصت دے دیا کریں۔ سبق سے فارغ ہونے کے بعد میں واپس خلوت میں آ کے ذکر میں مشغول ہو جاتا۔ 6 برس کی عمر میں، میں قرآن مجید حفظ کر چکا تھا اور روزے رکھنے لگا تھا۔ 13 برس کی عمر میں میرے سامنے ایک مشکل مسئلہ

آیا۔ میں نے اپنے والدین سے درخواست کی کہ وہ مجھے بصرہ جانے کی اجازت دیں تاکہ میں وہاں کے علماء سے اس کا حل حاصل کرسکوں۔ بصرہ میں، میں نے یہ مسئلہ بہت سے علماء کے سامنے رکھا لیکن شافعی جواب نہیں مل سکا۔ بصرہ سے میں بغداد چلا گیا وہاں میں نے شیخ حمزہ بن عبداللہ سے یہی مسئلہ دریافت کیا۔ آپ نے اس کا شافعی جواب عنایت کیا۔ پھر ایک طویل عرصے تک میں شیخ حمزہ بن عبداللہ کی خدمت میں رہا اور آپ کے ملفوظات سے اپنے دل کے آئینے کو چمکاتا رہا۔ آپ ہی سے میں نے طریقت کے آداب سیکھے۔ پھر میں واپس اپنے شہر آ گیا ہر سال کے آغاز میں، میں ایک درہم کے ''جو'' خریدتا، انہیں پیس کر آٹا بنالیتا اور پھر وہی آٹا میری ایک برس کی خوراک کے لیے کافی ہوتا۔ 20 برس تک میں نے یہی معمول جاری رکھا۔

اس حکایت کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بچے کا دل ایک صاف آئینے کی مانند ہوتا ہے جس میں ہر چیز کا عکس ظاہر ہو جاتا ہے۔ اگر وہ بچہ کسی عارف کامل کی صحبت اختیار کرے گا تو یقیناً اپنے زمانے کے اولیاء میں شامل ہوگا اس کے برعکس اگر وہ کسی فاسق کی صحبت اختیار کرے گا تو اپنے وقت کا شیطان ثابت ہوگا (مشہور کہاوت ہے) المرأ علی دین خلیلہ آدمی کی پہچان اس کے دوستوں کے ذریعے ہوتی ہے۔

<u>چوتھی قسم</u>

غلاموں اور ماتحتوں کے حقوق

✧ عن عائشة قالت آخرُ ما اوصى به رسول الله الصلوة وما ملكت ايمانكم وقال رسول الله عليه السلام اتقوا الله فى ما ملكت ايمانكم اطعموهم مما تاكلون واكسوهم ما تكسون ولا تكلفوهم من العمل مالا يطيقون فما احببتم فامسكوا وما كرهتم فبيعوا ولا تعذبوا خلق الله فان الله ملك كم اياهم ولوشاء ملكهم اياكم

ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وصیت غلاموں کے بارے میں ارشاد فرمائی تھی۔

آپ نے فرمایا ہے:

''اپنے غلاموں (اور باندیوں) کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ انہیں وہی کچھ کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور انہیں ویسے ہی کپڑے پہناؤ جیسے تم خود پہنتے ہو اور انہیں وہ کام کرنے کا حکم نہ دو جو وہ نہیں کر سکتے، جو (غلام) تمہیں پسند ہو اسے اپنے پاس رکھو اور جو ناپسند ہو اسے بیچ دو۔ اللہ کی مخلوق میں سے کسی ایک کو بھی اذیت نہ پہنچاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی تمہیں ان کا مالک بنایا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو انہیں تمہارے مالک بنا دیتا۔''

✦ قال رسول الله لایدخل الجنة خب ولاخائن ولاسیء الملکة

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''فریبی، خیانت کرنے والا اور دوسروں کے ساتھ زیادتی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

✦ عن عبدالله بن عمر قال جاء رجل الی رسول الله فقال یارسول الله کم نعفوا عن الخادم فصمت رسول الله ثم قال اعف عنه فی کل یوم سبعین مرة

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

ایک مرتبہ ایک شخص بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے خادم سے کتنی مرتبہ درگزر کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد ارشاد فرمایا: روزانہ 70 مرتبہ۔

✦ عن ابی مسعود الانصاری قال بینما انا اضرب غلاما لی فسمعت صوتامن خلفی یاابا مسعود فالتفت فاذا رسول الله فالقیت

السوط فقال واللہ، اللہ اقد علیك منك علی ھذا فقلت یارسول اللہ ھو حر لوجہ اللہ فقال لولم تفعل لسفعت وجھك النار

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک دن میں اپنے غلام کو پیٹ رہا تھا کہ آواز آئی اے ابومسعود! میں نے مڑ کے دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے۔ میں نے اسی وقت چابک پھینک دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ تم پر زیادہ قدرت رکھتا ہے بہ نسبت اس قدرت کے جو تمہیں اس غلام پر حاصل ہے۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اسے اللہ کی رضا کے حصول کے لیے آزاد کرتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو تمہارا چہرہ دوزخ کی آگ سے سیاہ ہو جائے گا۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی ایک خادمہ نے ایک دن آپ کو مخاطب کرتے ہوئے دریافت کیا میں مسلسل ایک برس سے آپ کو زہر دے رہی ہوں لیکن اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا (آخر اسکی کیا وجہ ہے؟) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا آخر تم ایسا کیوں کرتی تھیں؟ اس نے عرض کی اس لئے کہ آپ انتقال کر جائیں تو میں آزاد ہو جاؤں گی۔ آپ نے فرمایا: تم جہاں جانا چاہو جا سکتی ہو کیونکہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے آزاد کرتا ہوں۔

حضرت عوف رضی اللہ عنہ کا غلام

حضرت عوف بن عبداللہ کا ایک غلام تھا جو بہت بے ادب تھا۔ حضرت عوف کو جب کبھی بہت زیادہ غصہ آتا تو آپ صرف یہ ارشاد فرماتے یہ غلام اپنے آقا کی مانند ہے۔ اس کا آقا اپنے حقیقی مالک کا نافرمان ہے اور یہ اپنے آقا کا نافرمان ہے۔ لوگ آپ کو مشورہ دیتے کہ آپ اسے فروخت کیوں نہیں کر دیتے تو آپ فرماتے ہیں میں اس غلام کی بدخوئی کی وجہ سے اپنے نفس کی اصلاح کرتا ہوں۔

غلام کے حقوق

قصہ مختصر یہ کہ غلام ہو یا کنیز، آقا سے ان کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں حساب

لیا جائے گا۔ غلام کے آقا پر 7 حقوق ہیں۔

(1) کھانے اور پہننے کے بارے میں غلام کو اپنے برابر سمجھے۔

(2) غلام کی طاقت سے زیادہ کام نہ سونپے۔

(3) غلام سے متعلق شرعی احکام کی اسے تعلیم دے۔

(4) اگر غلام سارا دن کام میں مصروف رہے تو رات کے وقت اسے کوئی اور کام نہ سونپے۔

(5) غلام کی تحقیر نہ کرے۔

(6) نماز کے اوقات میں غلام کو کوئی کام نہ کہے تاکہ اس کی نمازیں قضا نہ ہوں۔

(7) غلام کی ہر وہ خامی جو کسی دینی نقصان کا سبب نہ ہو اس سے درگزر کرے۔

پانچویں قسم

دوست احباب کے حقوق

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا

(تم اس حالت میں صبح کرو کہ تمہارے بھائی تم سے راضی ہوں)

عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰه ان حول العرش منا برمن نور علیها قوم لباسهم نور وجوههم نور لیسوا انبیآء ولاشهدآء یغبطهم النبیون والشهداء فقالوا یارسول اللّٰه! صفهم لنا قال هم المتحابون فی اللّٰه والمتجالسون فی اللّٰه والمتزاورون فی اللّٰه

✧ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''(قیامت کے دن) عرش کے اردگرد نورانی منبر ہوں گے اور ان پر ایسے لوگ بیٹھے ہوئے ہوں گے جن کے لباس نورانی ہوں گے، جن کے چہرے نورانی ہوں گے، وہ انبیاء نہیں ہوں گے اور نہ ہی شہزادے ہوں گے لیکن ان کی نورانیت قابل رشک ہوگی۔ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں بتائیں

وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جو صرف اللہ کی رضا کے لیے نیک اور پرہیزگار لوگوں سے محبت رکھتے تھے، ان کے پاس بیٹھتے تھے اور ان کی زیارت کرتے تھے۔"

✧ من اراد اللہ به خیرا رزقه خلیلا صالحا ان نسی ذکره وان ذکر اعانه

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے نیک دوست عطا فرما دیتا ہے جو (اللہ کے احکام کی فرمانبرداری) بھولنے پر اسے یاد دلا دیتا ہے اور اگر یاد ہو تو اس کی مدد کرتا ہے۔"

حضرت داؤد کی وحی

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف یہ وحی نازل کی۔

"اے داؤد (علیہ السلام)! تم گوشہ تنہائی میں یوں اکیلے رہ رہے ہو؟ انہوں نے عرض کی اے اللہ! میں صرف تیری رضا کے لیے لوگوں سے میل جول ترک کر چکا ہوں۔ ارشاد ہوا اے داؤد اٹھو (اور خلوت سے باہر نکل کر) ایسے دوست تلاش کرو (جو ہماری بندگی میں تمہارا معاون ثابت ہو) اور جو شخص ہماری رضا کے حصول کے لیے تمہاری موافقت نہ کرے اس کی دوستی سے پرہیز کرنا کیونکہ وہ تمہارا دشمن ہوگا جو تمہارے دل کو سخت کر دے گا اور تمہیں ہم سے دور کر دے گا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وحی

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل کی۔

"اے عیسیٰ! اگر تو میری اتنی عبادت کرے جتنی تمام روئے زمین اور آسمان کی مخلوق کرتی ہے لیکن تمہیں اللہ کے لیے کسی سے محبت یا دشمنی نہ ہو تو یہ سب عبادت تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گی۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں:

''تم پر لازم ہے کہ تم (نیک) دوست بناؤ کیونکہ یہ لوگ دنیا اور آخرت میں انسان کے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ کیا تم نے (قرآن کی) وہ آیت نہیں پڑھی جس میں جہنمیوں کا یہ قول نقل کیا گیا ہے (کہ قیامت کے دن جب ان سے یہ پوچھا جائے گا کہ تمہیں جہنم سے چھٹکارا دلانے والا کوئی نہیں ہے؟ تو وہ یہ کہیں گے)

فمالنا من شافعین ولاصدیق حمیم

(ہمارا کوئی دوست اور شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔)

یعنی ہم نے دنیا میں کوئی ایسا دوست نہیں بنایا جو آج ہماری شفاعت کرسکتا یا ہمیں اس عذاب سے نجات دلاسکتا۔

ہارون الرشید کا خط

(مشہور عباسی خلیفہ) ہارون الرشید تخت نشین ہونے سے پہلے صوفیاء اور صالحین کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور دنیاداروں کو برا بھلا کہتا تھا۔ حضرت سفیان ثوری کے ساتھ اسے خاص عقیدت تھی۔ جب (عباسی خلیفہ) موسیٰ بن محمد الہادی کی وفات کے بعد ہارون خلیفہ بنا تو عراق کے تمام علماء اور مشائخ اسے مبارکباد دینے آئے۔ سوائے سفیان ثوری کے۔ آخر ایک دن ہارون نے انہیں خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔

''میرے بھائی سفیان! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مجھے خلافت اور بادشاہی سے کوئی رغبت نہیں تھی لیکن کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کوشش اور اختیار کے بغیر مجھے مسلمانوں کا نگران مقرر کیا ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اسکے تمام حقوق اچھی طرح ادا کروں اور یہ کام علماء دین کی معاونت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے آپ کو چاہئے کہ سابقہ دوستی کا خیال رکھتے ہوئے اس دینی کام میں میری مدد کریں۔

سفیان نے اسے جواب بھجوایا

میں نے تمہارے ساتھ اس شرط پر دوستی کی تھی کہ تم خواہش نفس کو اپنا معبود نہیں بناؤ گے اور مردار دنیا کو اپنی توجہ کا مرکز نہیں بناؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کے بجائے شیطان کے خدمت گار نہیں بنو گے۔ جب تم نے ان شرائط کی پاسداری نہیں کی تو ہمارا تعلق بھی ختم ہو گیا۔ اب میں دنیا اور آخرت میں تم سے بیزار ہوں۔ مناسب ہو گا کہ آئندہ تم مجھے یاد کرنے کی، اپنی زبان پر میرا نام لینے کی کوشش نہ کرنا۔''

ہارون نے جب یہ جواب پڑھا تو رو پڑا۔ جب رات کا وقت ہوا تو ایک بوسیدہ لباس پہن کر حضرت سفیان ثوری کے دروازے کے باہر جا کر بیٹھ گیا۔ صبح نماز کے وقت جب آپ گھر سے باہر نکلے تو ہارون نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے چہرہ پھیر کر کہا میں تم سے بیزار ہوں۔ ہارون رو پڑا اور عرض کی آپ کا مجھ سے بیزار ہونا آسان ہے کیونکہ آپ اہل دنیا سے گریز کرتے ہیں لیکن میں آپ سے گریز نہیں کر سکتا کیونکہ میں اپنی آخرت سے بے نیاز نہیں ہوں (اور اپنی آخرت کی اصلاح کے لیے مجھے آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے)

شامی بادشاہ کا واقعہ

ملک شام کے صالح نامی ایک بادشاہ کا معمول یہ تھا کہ رات کے وقت ایک غلام کے ہمراہ پورے شہر کی مساجد مقابر اور بازاروں کا گشت کرتا تھا تاکہ لوگوں کے حالات سے آگاہ ہو سکے۔ ایک مرتبہ موسم سرما میں گشت کرتے ہوئے وہ ایک مسجد میں پہنچا جہاں ایک درویش ناکافی لباس میں بیٹھا سردی سے کانپ رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا:

''اے میرے پروردگار! اگر قیامت کے دن یہ غافل بادشاہ، جو تیری نعمتوں کے ذریعے اپنی نفسانی خواہشات پوری کرتے ہیں اور اس فانی حکومت کی وجہ سے تکبر کا شکار ہو جاتے ہیں اور کمزور و ناتواں لوگوں کا خیال نہیں رکھتے۔ اگر یہ یہ بادشاہ جنت میں چلے گئے تو تیری عزت و جلال کی قسم میں جنت میں قدم نہیں رکھوں۔''

یہ سن کر بادشاہ نے گرم لباس اور اشرفیوں کی ایک تھیلی درویش کی خدمت میں پیش کی

اور روتے ہوئے کہا میں نے یہ حدیث سن رکھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جنت کے بادشاہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں دنیا میں مناسب خوراک اور مناسب لباس دستیاب نہیں ہوتا تھا لیکن اس کے باوجود وہ راضی برضائے الٰہ رہے۔

اس لئے آج جبکہ میری بادشاہی کا دور ہے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ کل جب آپ کی بادشاہی کا وقت آئے گا تو آپ میرے ساتھ مخاصمانہ رویہ اختیار نہیں کریں گے بلکہ آپ کی حمایت اور مہربانی میرے شامل حال ہوگی اور آپ کی شفاعت سے میں محروم نہیں رہوں گا۔

معزز قارئین! بھائی چارگی اور دوستی کی اہمیت آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے۔ اب آپ یہ سمجھ لیں کہ جو شخص اپنے آپ کو آپ کا بھائی قرار دیتا ہے کیا وہ آپ کا دینی بھائی بھی بن سکتا ہے یا نہیں؟ یہ ٹھیک ہے کہ ہر شخص محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہی کسی سے دوستی رکھنے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے بزرگان دین ارشاد فرماتے ہیں انسان کو 5 طرح کے لوگوں کی دوستی سے بچنا چاہئے۔ احمق و جاہل، بداخلاق، متکبر، عادی فاسق، بدعتی، حریص و بخیل۔

جاہل اور احمق میں فرق

جاہل اور احمق کے درمیان فرق یہ ہے کہ جاہل اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنی منزل سے ناواقف ہو لیکن احمق وہ شخص ہے جو اس مقام کو اپنی منزل سمجھ لے جو درحقیقت اس کی منزل نہیں ہے لیکن جو شخص کسی احمق کی صحبت اختیار کرے گا وہ رحمت خداوندی سے دور ہوتا چلا جائے گا۔ خواجہ حسن بصری ارشاد فرماتے ہیں:

"مقاطعة الاحمق قربان الى الله"

(احمق سے قطع تعلق اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔)

حضرت سفیان ثوری ارشاد فرماتے ہیں:

"النظر الى وجه الاحمق خطيئةٌ"

''احمق کی طرف دیکھنا گناہ ہے۔''

جہاں تک بداخلاق کا تعلق ہے تو ہم سابقہ باب میں یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ حسن اخلاق کا مطلب حسن سیرت ہے اور بداخلاق اس شخص کو کہیں گے جس میں مذموم صفات کا عنصر غالب ہو۔ لہٰذا جب ایسا شخص کوئی دینی کام کرنا چاہئے گا تو ان مذموم صفات کا اثر اس پر غالب ہونے کی وجہ سے ان کی تاریکی اس کی عقل پر پردہ ڈال کر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت معطل کردے گی جس کی وجہ سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکے گا۔

فاسق کی دوستی

عادی فاسق کی دوستی کسی بھی طرح قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ آخرکار یہ انسان کو بدنام کردیتی ہے جو بھی شخص خدا سے ڈرتا ہو وہ مسلسل خدا کے احکام کی نافرمانی نہیں کرسکتا۔ لہٰذا جو شخص خدا سے نہ ڈرتا ہو اسے دین یا دنیا میں اپنا دوست نہیں بنانا چاہئے۔

بدعتی کی دوستی

بدعتی کی دوستی میں خطرہ یہ ہے کہ انسان خود بدعت کے راستے پر گامزن ہو جائے۔

يحشر المرء على دين خليله

(انسان کا حشر اس کے دوست کے دین کے مطابق کیا جائے گا۔)

نبی کریم ﷺ نے بدعتی کی توہین کا حکم دیا ہے لہٰذا مومن اسے کیسے اپنا دوست بنا سکتا ہے۔

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

امام جعفر صادق فرماتے ہیں 5 قسم کے لوگوں کی دوستی سے بچو۔

جھوٹا شخص

کیونکہ وہ ایک سراب کی مانند ہوتا ہے جو بظاہر موجود محسوس ہوتا ہے لیکن درحقیقت کچھ نہیں ہوتا۔ (اس طرح جھوٹا شخص اپنی جھوٹی باتوں کے ذریعے تمہیں سبز باغ دکھا کر دھوکہ دے سکتا ہے۔)

احمق

کیونکہ اپنے زعم میں وہ تمہیں فائدہ پہنچانا چاہے گا لیکن اپنی حماقت کے باعث تمہیں

نقصان پہنچائے گا۔

بخیل

برسہابرس پرانی دوستی کے باوجود ضرورت کے وقت پر تم سے کنارہ کش ہو جائے گا۔

ڈرپوک

مصیبت کے وقت یہ تمہیں دشمن کے حوالے کر کے خود بھاگ جائے گا۔

فاسق

یہ تمہیں ایک لقمے کے عوض فروخت کر دے گا۔

ساتویں عباسی خلیفہ عبداللہ بن مامون کا قول ہے کہ مخلوق کی 3 قسمیں ہیں۔

(1) جو غذا کی مانند ہیں یعنی جن کی موجودگی ضروری ہے۔ یہ بزرگان دین ہیں جن کا وجود علم و تقویٰ کا مجموعہ ہے اور ان کی نصیحت کی وجہ سے غافل لوگوں کے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں۔

(2) وہ لوگ جو دوا کی مانند ہیں کہ بیماری کے وقت ان کی ضرورت پیش آتی ہے۔

(3) وہ لوگ جو خود بیماری کی مانند ہیں ان کی کبھی ضرورت نہیں آتی بلکہ ان کی وجہ سے انسان خود مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اخوت اور بھائی چارگی کا بیان

اہل ایمان کے درمیان اپنی اخوت اور بھائی چارگی ہونی چاہئے۔ اس بھائی چارگی کے حقوق کی ادائیگی مسلمانوں کا خاص شیوہ سلوک ہے۔ اس لئے ان حقوق کی معرفت نہایت ضروری ہے۔ یہ حقوق سات اقسام پر مشتمل ہیں۔

1- حق مال

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

(اہل ایمان) خود ضرورت مند ہونے کے باوجود (دوسرے مسلمان بھائیوں کے لیے) ایثار کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مثل الاخوین مثل الیدین یغسل احدیھما الاخریٰ

دو بھائیوں کی مثال دونوں ہاتھوں کی مانند ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کرتا ہے۔

یعنی ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتا ہے۔

حضرت خثیمہ کا واقعہ

حضرت خثیمہ رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر تابعین میں سے ایک ہیں، بہت سخی تھے۔ ایک مرتبہ بصرہ میں قحط پڑ گیا۔ آپ نے 70 ہزار درہم قرض لے کر غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیئے۔

حضرت مسروق (جو مشہور تابعین میں سے ایک ہیں) کے ساتھ آپ کا بھائی چارگی کی معاملہ تھا۔ انہوں نے بھی اسی طرح 70 ہزار درہم قرض لے کر فقراء و مساکین میں تقسیم کیے۔

حضرت خثیمہ نے اپنے قرض کی ادائیگی سے پہلے مسروق کا قرض ادا کیا، دوسری طرف مسروق نے اپنے قرض کی ادائیگی سے پہلے خثیمہ کا قرض ادا کیا اور دونوں اس بات سے کئی دن تک بے خبر رہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی میں آپ کے ساتھ بھائی چارہ قائم کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا، کیا تمہیں اس کے حقوق معلوم ہیں؟ اس نے عرض کی آپ بتائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: بھائی چارگی کا ایک حق تو یہ ہے کہ میں تمہارے مال میں تم سے زیادہ تصرف کر سکوں کیونکہ عرب داناؤں کا قول ہے:

"مقادیر النفقه موازین المحبة" (مال خرچ کرنا محبت کا پیمانہ ہے)

یعنی انسان دوست کی رضا کے لیے جس قدر زیادہ مال خرچ کرے گا اس قدر زیادہ محبت ظاہر ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کی محبت انسان کی سرشت میں شامل کی ہے اور انسان مال کی محبت دل میں موجود ہونے کے ساتھ اللہ کی محبت کا دعویٰ نہیں کرسکتا لہٰذا دعویٰ محبت میں سچائی کی نشانی یہ ہے کہ انسان دنیا کی فانی محبتوں کو ہمیشہ باقی رہنے والے محبوب حقیقی (یعنی اللہ تعالیٰ) کی محبت پر نثار کردے۔

2- حق معاونت

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے دینی بھائی کی مدد دلی مسرت کے ساتھ کرے اور پھر احسان جتانے سے گریز کرے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں:

احب القلوب الی اللہ ارقھا علی الاخوان

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب دل وہ ہیں جو اپنے دوستوں کے لیے زیادہ نرم ہوں۔

خواجہ ابوالحسن بصری ارشاد فرمائے ہیں:

اخوان احبا الینا من اھلینا واولادنا لان اولاد نایذکروننا الدنیا واخواننا یذکروننا الاخرۃ

ہمارے دینی بھائی ہمیں اپنی اولاد اور اہل خانہ سے زیادہ عزیز ہیں کیونکہ ہماری اولاد ہمیں، دنیا کی یاد دلاتی ہے اور ہمارے یہ دینی بھائی ہمیں آخرت یاد دلاتے ہیں۔

عہد تابعین کے ایک بزرگ اپنے ایک دینی بھائی کے انتقال کے بعد 40 برس تک اس کے اہل وعیال کی مالی امداد کرتے رہے اور اسے اپنے ذمے واجب سمجھتے رہے۔

3- حق زبان

یعنی اپنے دینی بھائی کی موجودگی میں یا اس کی غیر موجودگی میں اس کے عیوب کا

تذکرہ نہ کرے، اس کے راز فاش نہ کرے۔ اسی طرح اگر دینی بھائی سے گفتگو کے دوران کوئی غلطی ہو جائے تو لڑائی جھگڑے سے کام نہ لے، اپنے بھائی کی برائیوں کا ذکر نہ کرے لیکن اس کی اچھی باتوں کا خوب چرچا کرے۔

ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے دریافت کیا اگر تمہارا دینی بھائی سو رہا ہو اور ہوا چلنے سے اس کی شرمگاہ سے پردہ ہٹ جائے تو تم کیا کرو گے؟ انہوں نے عرض کی ہم اس کی شرمگاہ کو ڈھانپ دیں گے اور اسے بیدار کر دیں گے۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تمہیں چاہئے کہ تم اس کی شرمگاہ کو مزید بے پردہ کر دو۔ انہوں نے عرض کی سبحان اللہ! یہ کیسے ممکن ہے؟ آپ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے بھائی کا کوئی عیب دیکھے یا اس کے بارے میں سنے اور پھر دوسروں کو بتاتا پھرے تو یہ اس سے زیادہ غلط حرکت ہوگی۔

4- حق نفرت

صحیح دینی محبت اور حقیقی بھائی چارگی کی علامت یہ ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی عزت کا خیال رکھے یہاں تک کہ اگر کوئی اس بھائی کی غیبت کرنا چاہے تو اشارے کنائے کے ساتھ یا واضح طور پر (حسب حال) اسے منع کرنے کی کوشش کرے اور اس شخص کی مخالفت کرنے اور اسے روکنے کے معاملے میں غفلت نہ کرے۔ ایسے موقع پر خاموشی اختیار کرنا یا تحمل و بردباری سے کام لینا مناسب نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص آپ کے دینی بھائی کی برائی بیان کر رہا ہو اور آپ خاموشی سے بیٹھے سن رہے ہیں تو اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ ایک شخص اپنے بھائی کو آدم خور کتوں میں گرا دیکھ لے جو اسے نوچ رہے ہوں، اس کی کھال اور گوشت کو بھنبھوڑ رہے ہوں اور یہ شخص کھڑا ہو۔ بھائی چارگی کا خیال اس کے دل میں یہ احساس پیدا نہ کر سکے کہ مجھے اپنے بھائی کو کتوں کے نرغے سے باہر نکالنا چاہئے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ عزت نوچنا، گوشت و پوست نوچنے سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ فکرھتموہ"

"کیا تم میں سے کوئی ایک بھی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا

گوت کھائے تم (یقیناً) اسے ناپسند کرو گے۔''

5- حق نصیحت

ہر مومن پر لازم ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو نصیحت کرے اور تعلیم دے جس طرح انسان اپنے دینی بھائی کی مالی پریشانی دور کرنا، اپنے ذمے لازم سمجھتا ہے اسی طرح آخرت کے امور کی تعلیم اور رہنمائی اور دینی معاملات میں نصیحت بھی اپنے ذمے لازم سمجھنا چاہئے۔ انسان کو اپنے مسلمان بھائی کو اس کے نفسانی عیوب سے آگاہ کرنا چاہئے۔ بری باتوں اور برے کاموں کے ارتکاب سے روکنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور نفسانی خواہشات کی پیروی سے منع کرنا چاہئے۔ نصیحت کے دوران نرمی اور مہربانی کا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ اسی طرح اپنے مسلمان بھائی کی خامی کا ڈھنڈورا پیٹنے سے گریز کرنا چاہئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

جو شخص میرے عیب میرے سامنے بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے۔

جو شخص اپنے مسلمان بھائی میں کوئی عیب دیکھے اور اسے اس عیب کی تباہ کاریوں سے آگاہ نہ کرے تو گویا وہ اس کے دین میں خیانت کا مرتکب ہوا ہے جس کا قیامت کے دن حساب دینا پڑے گا۔

6- حق معافی

یعنی اپنے مسلمان بھائی کی غلطی اور لغزش پر اسے معاف کر دیا جائے یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ غلطی کی دو قسمیں ہیں۔

(1) بھائی چارگی کے حقوق کی ادائیگی میں لغزش ہونا

(2) دینی امور میں لغزش۔

پہلی صورت میں ہر حال میں درگزر کرنا بہتر ہے جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے تو اس باب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری کا فرمان

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

اذا انقلب اخوك عما كان عليه فابغضه من حيث احببته

یعنی تم نے جس شخص کو اس کے علم اور نیکوکاری کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے اپنا دوست بنایا تھا جب اس کی حالت تبدیل ہو جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی شروع کر دے تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے تم اسے اپنا دشمن سمجھنے لگو تا کہ تمہاری دوستی اور دشمنی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو۔

حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اکثر صوفیاء عظام کی رائے اس سے مختلف ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

لاتهجرا خاك عندالذنب فانه يرکبه اليوم ويترکه غدا

گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے اپنے مسلمان بھائی سے ترک تعلق اختیار نہ کرو کیونکہ اگر وہ آج گناہ کرتا ہے تو ممکن ہے کل توبہ کر لے۔

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو آگاہ کرنے کے لیے بظاہر نبی کریم ﷺ سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ

اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں تو کہہ دو کہ میں تمہارے اعمال سے بری الذمہ ہوں۔

[illegible]

[illegible]

شرمندگی اور شرمساری کا شکار کر کے توبہ پر آمادہ کر لے جبکہ اس شخص سے قطع تعلقی اختیار کرنے کے نتیجے میں وہ گناہوں کے ارتکاب پر مزید پختہ ہو کر ابدی ہلاکت کا شکار ہو جائے۔

اس بات کا ایک یہ پہلو بھی ہے کہ انسان جب روحانی بھائی چارگی قائم کرتا ہے تو اس کے حقوق کی ادائیگی زیادہ ضروری ہے اور بھائی چارگی کے حقوق کا مطلب یہ ہے کہ حاجتمندی اور فقر و فاقہ کے عالم میں اپنے دینی بھائی کو تنہا نہ چھوڑا جائے جبکہ یہ بات بھی طے ہے کہ دنیاوی ضرورت پورا کرنے کی بہ نسبت اخروی ضرورت پورا کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اسی طرح جسمانی یا مالی مصیبت کی بہ نسبت دینی مصیبت زیادہ سخت ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں اپنے دینی بھائی کا خاص خیال رکھتے ہوئے اس کی مصیبت ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

7- حق وفا بعد از وفات

یعنی اپنے دینی بھائی کے قال کے بعد اس کے لیے دعائے مغفرت کرنا اسی طرح اس کے اہل خانہ کے ساتھ عمدہ سلوک کرنا، اخوت (بھائی چارگی) کی بنیادی شرط یہ ہے کہ انسان اپنے لئے جو دعا کرے، اپنے بھائی کو بھی اس میں شریک کرے اور بھائی کی وفات کے بعد اس کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اذا دعا الرجل لاخيه في ظهر الغيب قال الملك ولك مثلك ذلك

جب کوئی شخص اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں اس کے لیے دعا کرتا ہے تو ایک فرشتہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بھی یہی چیز عطا فرمائے۔

شیخ اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

شیخ محمد بن اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

''دینی بھائیوں اور اولاد کے درمیان بڑا فرق ہے کیونکہ تمہارے مرنے کے بعد تمہاری اولاد تمہارا مال تقسیم کر کے خوش و خرم زندگی بسر کرے گی لیکن تمہارا

دینی بھائی ہر وقت تمہارے بارے میں پریشان رہے گا۔ وہ رات کی تاریکیوں میں کی جانے والی دعائے خیر تمہیں ہدیہ بھجوائے گا جس کی وجہ سے تمہیں خاک کے نیچے رہتے ہوئے بھی خوشی اور فرحت محسوس ہوگی۔''

بعض مشائخ اپنے دینی بھائیوں کی زندگی میں ان کی مالی امداد اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اسی طرح ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد کی ضروریات کی تکمیل بھی اپنے ذمے لازم سمجھتے تھے جیسا کہ ایک بزرگ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اپنے دینی بھائی کے انتقال کے 40 برس بعد تک اس کے پسماندگان کی ضروریات کی تکمیل کرتے رہے۔

حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے والد کی جانب سے وراثت میں 50 ہزار دینار ملے، آپ نے وہ سب اپنے دینی بھائیوں پر خرچ کر دیئے۔ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا آپ نے وہ اپنے بیوی بچوں کے لیے کیوں نہ سنبھال کر رکھے؟ آپ نے جواب دیا میں ہر لمحے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے دینی بھائیوں کے لیے جنت کی دعا کرتا رہتا ہوں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اس حقیر دنیا کا مال و اسباب ان پر نثار نہ کروں۔

درحقیقت سچی محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کے ذریعے غافل لوگوں کو تنبیہ کی جاسکے اور طالب لوگوں کو ترغیب دی جاسکے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

''گناہگار لوگوں کے ساتھ دشمنی کرکے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنالو۔ ان سے دور رہ کے خود کو رب العزت سے قریب کرلو۔ انہیں ناراض کرکے اللہ تعالیٰ کو راضی کرلو، لوگوں نے عرض کی اے روح اللہ! ہم کن لوگوں کے پاس بیٹھیں؟ آپ نے فرمایا: جنہیں دیکھنے سے اللہ یاد آجائے، جس کی نصیحت تمہارے اعمال کو بہتر کردے اور جس کے اعمال تمہیں آخرت کی جانب راغب کردیں۔

صوفیاء کرام کے نزدیک حقیقی محبت وہ ہے جو نصیحت اور پرہیزگاری کے پہلو بہ پہلو ہو

جو محبت پرہیزگاری کے بغیر ہو گی وہ آخر کار دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ

(قیامت کے دن) پرہیزگار لوگوں کے سوا سب دوست ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔ جو لوگ دنیا میں برے لوگوں کی صحبت کا شکار تھے وہ یہی کہیں گے:

یالیت بینی وبینك بعد المشرقین

''کاش میرے اور تمہارے درمیان مشرق و مغرب جتنی دوری ہوتی۔''

ایسے لوگ قیامت کے دن ان الفاظ میں حسرت و ندامت کا اظہار کریں گے۔

یٰوَیۡلَتٰی لَیۡتَنِیۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِیۡلًا

''ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔''

سچی محبت کی نشانی

اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ سچی محبت کی نشانی یہ ہے کہ جب انسان ان کی خدمت میں حاضر ہو تو اسے نصیحت حاصل ہو اور وہ نیک لوگ اپنے دینی بھائی کو ابدی سعادت کے راستے تک پہنچانا اپنا فرض سمجھتے ہوں اور اس فرض کی ادائیگی میں کسی کوتاہی کے مرتکب نہ ہوں چونکہ انسان جملہ امور میں دوسرے لوگوں کے ساتھ تعلق برقرار رکھنے پر مجبور ہے۔ بطور خاص حکمران طبقے کو امور مملکت چلانے کے لیے نائبین اور دیگر سرکاری اہلکاروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے حکمران طبقے کو چاہئے کہ وہ امور مملکت سرانجام دینے کے لیے ایسے افراد تلاش کریں جن کا ظاہر اور باطن برائی اور گناہ کی آلودگی سے پاک ہو۔ یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ جاہل شخص کی ہم نشینی اور فاسق کی گمراہ شخص سے دوستی انسان کے اپنے ذاتی دینی معاملات میں خرابی کا باعث بنتی ہے جبکہ امور سلطنت میں ایسے افراد کی دخل اندازی نظام کو تباہ کر دیتی ہے۔ ان کا قرب دین اور دنیا میں تباہی اور بربادی کا باعث بنتا ہے۔ (کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے)

شاخ امل بزن کہ چراغ ست زود مہر　　　　بیخ ہوس بکن کہ درختے ست کم بقاء
ازکوئے رہزنان طبیعت بریدہ شو　　　　واز خوئے رہروان طریقت طلب صفاء

''غلط تمناؤں کی شاخ کو کاٹ دو کیونکہ ایسی تمنائیں اس چراغ کی مانند ہیں جوجلدی بجھ جاتا ہے۔ اسی طرح ہوس کی جڑ کو کاٹ دو کیونکہ یہ ایک ایسے درخت کی مانند ہے جوزیادہ دیر باقی نہیں رہتا نفسانی خواہشات کے غلاموں سے کنارہ کش ہوجاؤ اور تصوف کی راہ میں چلنے والوں سے رہنمائی حاصل کرو''۔

پانچوں باب

امور سلطنت کا بیان

اس باب میں حکومت، سلطنت، امارت، رعایا کے حقوق، حکومت کی شرائط، ذمہ داریاں اور عدل واحسان کی ضرورت پر گفتگو کی جائے گی۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ○ (19.14)

''بے شک اللہ تعالیٰ انصاف، احسان اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہے اور برائی وگناہ اور زیادتی کرنے سے باز رہنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔''

اس آیت کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ظلم وزیادتی اور ناانصافی کے راستے سے ہٹا کر، انہیں انصاف، بھلائی اور نیکی کے راستے کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے۔ ہر قسم کی برائی اور ممنوع امور سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ حکمران طبقے سے بطور خاص ان امور کے بارے میں حساب لیا جائے گا کیونکہ وہ ان امور کی پاسداری کے زیادہ پابند ہیں۔

✧ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مامن وال یلی شیئا من امور المسلمین الا اونی یوم القیامة ویداه مغلولتات الی عنقه لایفکهما الاعدله اذایتوقف علی جسر من النار فینفض به ذٰلك الجسر انتفافا یزیل کل عضو عن موضعه

ثم تعاد فیھا فیحاسب فان کان محسنا نجا باحسانه وان کان مسیئًا یتخرّق به الجسر فیھوٰی فی النار سبعین خریفاً

مسلمانوں کے امور میں سے کسی ایک امر کے لیے جس شخص کو نگران بنایا جائے گا اسے قیامت کے دن اس حال میں (میدان محشر میں) لایا جائے گا کہ اس کے دونوں ہاتھ گردن پر بندھے ہوئے ہوں گے اور عدل و انصاف کے علاوہ کوئی بھی چیز ان ہاتھوں کو نہیں کھول سکے گی پھر اس نگران کو آگ کے پل پر کھڑا کیا جائے گا۔ وہ پل اس طرح جھٹکا دے گا کہ اس نگران کا جسم کئی حصوں میں تقسیم ہو کر بکھر جائے گا۔ پھر اس کے اعضاء کو اکٹھا کر کے حساب لیا جائے گا اگر اس نے (دنیاوی زندگی میں) اپنے فرائض صحیح طریقے سے سرانجام دیے تھے تو وہ اپنے اس عمل کی بدولت نجات حاصل کرے گا لیکن اگر اس نے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کی تھی تو وہ پل ٹوٹ جائے گا اور وہ شخص آگ میں 70 برس کی مسافت کے برابر گہرائی میں جا گرے گا۔

✦ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایما راع لم یرحم رعیته حرم اللّٰه علیه الجنة

”جو حکمران اپنی رعایا پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت حرام کر دیتا ہے۔“

✦ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من ولی امرا من امور المسلمین ثم اغلق بابه دون الضعیف و ذی الحاجة اغلق اللّٰه باب رحمة عند حاجته وفقره

”جو شخص مسلمانوں کے کسی امیر کا نگران مقرر ہو اور پھر وہ حاجت مندوں اور کمزوروں کے لیے اپنے دروازے بند کرے تو اس شخص کی ضرورت اور حاجت کے وقت (یعنی قیامت کے روز)“ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا دروازہ اس کے لیے بند کر دے گا۔“

✦ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم نے ارشاد فرمایا:

مابات راع غاشا لرعیته لیلة حتی یصبح الاحرم اللہ علیه الجنة

''جو حکمران صرف ایک رات کے لیے اپنی رعایا کو دھوکہ دے اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔''

✧ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم نے ارشاد فرمایا:

ان اھون الخلق علی اللہ تعالیٰ من ولی امرا من امور المسلمین شیئا فلم یعدل بینھم

''بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساری مخلوق میں سب سے زیادہ ذلیل وہ شخص ہے جو مسلمانوں کے کسی امر کا نگران مقرر ہو اور پھر عدل نہ کرے۔''

✧ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم نے ارشاد فرمایا:

ان لی علی قریش حقا ولھم علی الناس حق ما استرحموا فرحموا واستحکموا فعدلوا وائتمنوا فادوا فمن لم یفعل ذلك فعلیه لعنة اللہ والملائکة والناس اجمعین لایقبل منھم صرفا لاعدلا

''بے شک قریش پر میرا حق ہے اور قریش کا لوگوں پر حق ہے۔ اس وقت تک جب تک لوگ ان سے رحم کی درخواست کریں تو وہ (یعنی قریش) ان پر رحم کریں۔ جب انہیں ثالث مقرر کیا جائے تو انصاف کریں جب کوئی امانت ان کے سپرد کی جائے تو اسے ادا کریں۔ جب کوئی (قریشی حکمران) ایسا نہیں کرے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت نازل ہوگی ایسے حکمران سے کوئی عذر یا تاوان قبول نہیں کیا جائے گا۔

✧ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اول من یدخل الجنة شھید و عبد مملوك احسن عبادة ربه ونصح لسیده ورجل عفیف متعفف ذوعیال واول من یدخل النار امیر متسلط لم یعدل وذوثروة من المال لم یعط من المال حقه۔

''سب سے پہلے جنت میں شہید اور ایسے مملوک غلام داخل ہوں گے جس غلام

نے اپنے پروردگار کی اچھی طرح عبادت کی ہو اور اس کے ساتھ وہ اپنے آقا کی خدمت بھی کرتا رہا ہوں۔ ان کے علاوہ وہ شخص بھی پہلے جنت میں داخل ہوگا جس کے اہل خانہ تنگدستی کا شکار ہوں لیکن اس نے اپنی تنگدستی کا اظہار دوسروں سے نہ کیا ہو۔ نیز جہنم میں سب سے پہلے وہ حکمران داخل ہوگا جو زبردستی حکمران بنا ہو اور لوگوں کے درمیان انصاف نہ کرتا ہو اس کے علاوہ ایسا امیر آدمی (بھی جہنم میں سب سے پہلے داخل ہوگا) جس نے اپنے مال کا حق (یعنی زکوٰۃ) ادا نہ کی ہو۔''

✧ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مااسترعی اللہ عبد اعلٰی رعیته فلم یحفظها بنصیحة الاحرم اللّٰہ علیه الجنة

''جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو حکمران بنا دے اور وہ اپنے فرائض صحیح طریقے سے سرانجام نہ دے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام قرار دے دیتا ہے۔''

✧ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یوتی یوم القیامة بالامام الجائر ولیس معه نصیر ولا معاذر فیلقی فی جهنم فیدور کما یدورُ الرحی ثم یرتبط فی قعرها

''قیامت کے دن ظالم حکمران کو ایسی حالت میں لایا جائے گا کہ اس کے ہمراہ کوئی مددگار یا سفارشی نہ ہوگا اور پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ وہ جہنم میں اس طرح گھومے گا جیسے چکی گھومتی ہے اور پھر اسے جہنم کی گہرائی میں باندھ دیا جائے گا۔''

✧ حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہما اپنے والد کے حوالے سے روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان اخوف مااخاف علی امتی ثلاثة اعمال قالوا یارسول اللّٰہ وما هن قال زلة عالم وحاکم جائر وهوی متبع

''مجھے اپنی امت کے بارے میں تین باتوں کا زیادہ خوف ہے۔ صحابہ نے دریافت کیا، وہ تین باتیں کون سی ہیں۔ آپ نے فرمایا عالم کی لغزش، حکمرانوں کی زیادتی اور نفسانی خواہشات کی پیروی۔''

✧ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان احب الناس الی اللہ عزوجل یوم القیامۃ واقربھم منہ مجلسا امام عادل وان ابغض الناس الی اللہ یوم القیامۃ واشدھم عذابا امام جائر۔

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ قریب اور محبوب عادل حکمران ہوگا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند اور سب سے زیادہ شدید (عذاب کے مستحق) ظالم حکمران ہوگا۔''

معزز قارئین! اہل علم و دانش اسی باب پہ متفق ہیں کہ بنی نوع انسان اپنی پیدائش کے وقت سے ہی فطری طور پر ایک دوسرے سے مختلف استعداد اور صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں ان کے مقاصد اور اغراض میں اختلاف رونما ہوتا ہے۔ ان کے عقائد واخلاق اور اعمال ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں بعض لوگوں کی فطرت میں منفی صفات موجود ہوتی ہیں۔ برے اخلاق، ظلم، زیادتی، کینہ، حسد، بخل وغیرہ چند لوگوں کی سرشت میں شامل ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت دنیا کا نظام اس طریقے سے قائم کیا ہے کہ کوئی حکمران جو عدل اور اصلاح کے جذبے سے معمور ہو وہ معاشرے میں فیصلہ کن قوت کے ذریعے امن وامان اور نظم ونسق قائم کرے۔ شرعی احکام کو اپنی بساط کے مطابق نافذ کرے اسلامی حدود کی حفاظت کے لیے مساوات کی بنیاد پر لوگوں کے ساتھ معاملہ کرے اور اپنی سیاسی قوت کی بدولت ظالم اور سرکش افراد کی سرکوبی کر کے معاشرے کو ظلم وستم سے محفوظ رکھے تاکہ معاشرے کا نظام کسی خرابی کے بغیر جاری وساری رہے۔ ظلم یا بدعت شریعت کے باغ میں داخل نہ ہو سکے اور لوگوں میں موجود حیوانی صفات کے اثرات دوسروں کو متاثر نہ کریں۔

حضرت آدم علیہ السلام کا منصب

(بنی نوع انسان میں) سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے اس بلند منصب کو قبول کیا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کی ظاہری زندگی میں ہی ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد کی تعداد 40 ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام ان سب کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے کے طریقے سکھایا کرتے، ان کے درمیان نظم ونسق اور عدل و انصاف قائم کرتے، حضرت آدم علیہ السلام خود پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تھے اور نہ ہی سلا ہوا کپڑا پہنتے تھے۔ ہنسنے سے گریز کرتے، بلاضرورت گفتگو سے پرہیز کرتے (فاقہ کشی کی کثرت کے باعث) آپ کی پسلیاں گنی جاسکتی تھیں۔ آپ اکثر اوقات مراقبے اور غور وفکر میں گم رہتے۔ آپ کے پوتے پوتیاں آپ کے اوپر سوار ہوجاتے لیکن آپ انہیں کچھ نہ کہتے۔ جب ان بچوں کے بڑے سرزنش کرتے تو آپ ان بڑوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے، جو نعمتیں میں نے دیکھی ہیں وہ تم نے نہیں دیکھی ہیں۔ مجھے ایک غلطی کے ارتکاب کے باعث بہشت سے نکال کر دنیا میں بھیج دیا گیا۔ اب مجھے ڈر ہے کہ اگر مجھ سے کوئی اور غلطی سرزد ہوگئی تو کہیں مجھے کائنات کی سب سے زیادہ گہرائی میں بند نہ کر دیا جائے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی شخصیت دو مناصب کی جامع تھی ایک طرف آپ کو منصب نبوت پر فائز کیا گیا تو دوسری طرف منصب حکومت وریاست سے سرفراز کیا گیا۔

یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ منصبِ نبوت کی حامل شخصیت نفس اور نفسانی خواہشات سے مغلوب نہیں ہوسکتی کیونکہ منصبِ نبوت کی حقیقت صرف انبیاء کرام کے پاک اور مقدس اجسام میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے برعکس منصب حکومت وریاست میں نفس اور نفسانی خواہشات سے مغلوب ہونے کا قوی اندیشہ موجود ہوتا ہے اور اسی وجہ سے لوگ گمراہی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ (اگر آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ بات بخوبی واضح ہوجائے گی کہ) منصب حکومت اکثر ظالم و جابر اور بدبخت افراد کے پاس رہا ہے۔ انبیاء کرام میں سے حضرت آدم، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت محمد

مصطفیٰ علیہم السلام کو منصب حکومت عطا کیا گیا اور اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ چند شخصیات ہیں جنہوں نے منصب حکومت و ریاست کے جملہ حقوق صحیح طریقے سے ادا کئے اور ظالم و جابر حکمرانوں کے لیے اپنے طرز عمل کو نمونے کے طور پر پیش کیا۔

آج جبکہ بیشتر حکمران ظلم و ستم میں مبتلا ہیں نفس اور نفسانی خواہشات کے غلام بن چکے ہیں انہوں نے ظلم اور شر کو سلطنت کے آئین کی حیثیت دے دی ہے اور ان کے نزدیک فسق و فجور بڑائی کی علامت ہے ایسے حکمرانوں کو نصیحت کرنے کے لیے انبیاء اکرام اور خلفاء راشدین کی سیرت کے چند واقعات ہم یہاں نقل کریں گے تاکہ آخرت میں کامیابی کے حصول کے طلبگار نصیحت حاصل کرسکیں اور نفسانی خواہشات کے غلام اور شیطانی طریق کار کے پیروکار لوگوں لیے حجت قائم ہو سکے۔

حکایت

فرعون کی تباہی کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منصب حکومت بھی عطا کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی نازل کی کہ بنی اسرائیل کو ''اریحا'' کے مقام پر لے جاؤ اور وہاں موجود ''عمالقہ'' نامی قوم کے ساتھ جہاد کر کے بیت المقدس کو ان کے قبضے سے نجات دلائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لشکر بارہ حصوں پر مشتمل تھا ہر حصے میں ایک لاکھ 20 ہزار سپاہی شامل تھے اور ہر حصے کا الگ سپہ سالار تھا جیسا کہ قرآن میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ ـــ

''اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کے لیے بارہ نقیب مقرر کیے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام 36 برس تک اور ایک روایت کے مطابق 39 برس تک اس فوج کے حکمران رہے لیکن اس تمام عرصے کے دوران آپ نے اپنی ذاتی رہائش گاہ تعمیر نہیں کی اور نہ ہی ذاتی سواری کے لیے کوئی جانور خریدا اس پوری مدت کے دوران آپ نے خود

کھانا نہیں خریدا۔ آپ سادہ لباس زیب تن کیا کرتے تھے۔ کچے چمڑے کے جوتے پہنتے تھے۔ آپ کے پاس ایک عصاء موجود تھا۔ رات کے وقت جہاں جگہ ملتی سو جاتے۔ بنی اسرائیل باری باری آپ کو کھانا پہنچاتے۔ کوئی صبح کے وقت کھانا پیش کرتا اور کوئی رات کا کھانا لا کر دیتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا

ایک مرتبہ ایک شخص اپنے مقررہ وقت پر کھانا نہیں لایا تو آپ نے بارگاہ ربّ العزت میں عرض کی ''اے اللہ! تو نے مجھے کس آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے کہ میرے کھانے کا بندوبست کرنا بھی دوسروں کے ذمہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی نازل کی، اے عمران کے فرزند، دل چھوٹا نہ کرو، ہم اپنے دوستوں کی روزی گناہگار لوگوں کے سپرد کر دیتے ہیں تاکہ وہ گناہگار اس عمل خدمت کی برکت سے آخرت میں ابدی سعادت حاصل کر سکیں۔

حکایت

حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے حکمران بنے تو آپ کا جسم روز بروز لاغر اور کمزور ہونا شروع ہو گیا۔ امراء نے اس کا سبب دریافت کیا لیکن آپ نے کوئی وجہ بیان نہیں کی۔ ایک دن امراء کے بے حد اصرار پر آپ نے فرمایا کہ میں جس دن سے حکومت کے تخت پر بیٹھا ہوں اس دن کے بعد آج تک میں نے ایک مرتبہ بھی پیٹ بھر کے جو کی روٹی بھی نہیں کھائی۔ امراء نے عرض کی آپ اپنے آپ کو اتنی تکلیف کیوں دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، میں مصر میں رہنے والے محتاج اور تنگدست لوگوں کی طرح گزارہ کرتا ہوں کیونکہ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ اگر میں خود پیٹ بھر کر کھانا کھا لوں اور مصر میں کوئی محتاج بھوکا رہ جائے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں مجھ سے اس بات کی باز پرس ہوگی کہ تم امور سلطنت میں مشغول ہو کر محتاج اور تنگدست لوگوں سے غافل ہو گئے تھے۔

شاہی باورچی خانہ

روایات کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کے شاہی باورچی خانے میں جنات

نے پتھروں کی اتنی بڑی بڑی دیگیں بنائی ہوئی تھیں کہ ان میں سے کسی ایک دیگ میں بیک وقت 10 اونٹوں کا گوشت پکتا تھا۔ قرآن نے اسی بات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رَّاسِيَاتٍ (34-13)

''ان کے پیالے حوض کی مانند تھے اور دیگیں اپنی جگہ پر مضبوطی سے جمی ہوئی تھیں۔''

ان دیگوں میں روزانہ منوں کے حساب سے گوشت پکتا اور لوگوں میں تقسیم کیا جاتا لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام خود روزہ رکھتے تھے اور امور مملکت سے وقت نکال کر ذاتی طور پر کوئی کام کر کے اس کی آمدن سے جو کی روٹی خرید کر کسی مسکین کے ساتھ بیٹھ کر افطار کیا کرتے تھے۔

چاندی کا فرش

بعض روایات میں یہ بات موجود ہے کہ جنات نے آپ کے لیے چاندی کا ایک فرش بنایا تھا جو لمبائی اور چوڑائی میں تین فرسنگ کے برابر تھا۔ اس کے وسط میں سونے کا ایک تخت موجود تھا جس کے دائیں طرف سونے کی 6 ہزار کرسیاں جبکہ بائیں طرف چاندی کی 6 ہزار کرسیاں موجود تھیں۔ ایک طرف 6 ہزار محرابیں بنی ہوئی تھیں۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا دربار منعقد ہوتا تو سونے کی 6 ہزار کرسیوں پر انبیاء اکرام کی اولاد امجاد سے تعلق رکھنے والے افراد تشریف فرما ہوتے جبکہ چاندی کی کرسیوں پر علماء اکرام رونق افروز ہوتے۔ ' بادت گزار الگ الگ محراب میں مصروف عبادت ہو جاتے۔ جنات وحیوانات اور پرندے ترتیب کے ساتھ صفیں قائم کر لیتے کبھی ہوا اس پورے فرش کو تمام افراد سمیت اٹھا کر بیت المقدس سے فارس لے آتی اور شام کو واپس بیت المقدس پہنچا دیتی۔ یاد رہے کہ بیت المقدس فارس کے درمیان ایک ماہ کی مسافت کے برابر فاصلہ موجود تھا

قرآن نے اسی بات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ" (۳۴-۱۲)

''اور ہم نے سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا وہ صبح شام انہیں ایک ماہ کی

مسافت کے برابر فاصلہ طے کروا دیا کرتی تھی۔‘‘

سبحان اللہ کی فضیلت

’’ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایسی عظیم حکومت عطا کی ہے کہ جو کسی اور کو نہیں دی گئی۔‘‘ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ سن کر ارشاد فرمایا، اے نادان! خدا کی قسم! صدق و اخلاص کے ساتھ ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے کا جو اجر و ثواب کسی مسلمان کو عطا کیا جاتا ہے وہ اس سلطنت سے بہتر ہے جو سلیمان کو دی گئی ہے کیونکہ سلیمان کو ملنے والی یہ سلطنت عارضی اور فانی ہے جبکہ تسبیح پڑھنے کے نتیجے میں ملنے والا اجر و ثواب ہمیشہ باقی رہے گا۔

سیّدہ خاتون جنت کا زُہد

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے 2 لشکر ’’نجد‘‘ کی طرف روانہ کیے۔ ایک لشکر کا امیر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جبکہ دوسرے لشکر کا امیر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مقرر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آگے چل کر جب دونوں لشکر اکٹھے ہوں گے تو علی رضی اللہ عنہ ان سب کے امیر ہوں گے۔ اور اگر دونوں لشکر جدا ہو جائیں تو علی اور خالد رضی اللہ عنہما اپنے اپنے حصے کے امیر ہوں گے جب یہ لشکر روانہ ہوئے تو انہیں ایام میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طبیعت خراب ہوگئی۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: آؤ! فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کے لیے چلیں۔ جب ہم خاتون جنت کے دروازے پر پہنچے تو نبی کریم ﷺ نے دستک دی۔ اندر سے خاتون جنت نے دریافت کیا، کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تمہارا والد۔ خاتون جنت نے عرض کی، اندر تشریف لے آئیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا: میرے ہمراہ عمران بھی موجود ہے کیا وہ بھی اندر آ جائے؟ خاتون جنت نے عرض کی وہ کیسے اندر آ سکتے ہیں؟ چونکہ میرے جسم پر ایک پرانا لباس ہے۔ اگر اس کے ذریعے سر ڈھانپا جائے تو پاؤ ظاہر ہو جاتے ہیں اور اگر پاؤں ڈھانپے جائیں تو سر ظاہر ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جو پیوند لگی ہوئی چادر خود اوڑھ رکھی تھی خاتون جنت کو دیتے ہوئے فرمایا: اس کے ذریعے اپنا سر ڈھانپ لو۔ عمران کہتے ہیں جب وہ اندر داخل ہوئے تو

میں نے دیکھا کہ خاتون جنت فرش پر تشریف فرما ہیں۔ کمزوری اور نقاہت کے باعث ان کے چہرے کا رنگ زرد ہو چکا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے حال دریافت کیا تو خاتون جنت نے عرض کی بیماری اور بھوک کے باعث خاصی کمزوری محسوس ہو رہی ہے کیونکہ پچھلے تین دن سے کچھ بھی کھانے کے لیے نہیں ملا۔ بچے بھی بھوکے ہیں۔ عمران کہتے ہیں یہ سن کر نبی کریم ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور میں بھی رو پڑا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا، تین دن سے میں نے بھی کچھ نہیں کھایا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مجھے بلند مرتبہ حاصل ہے اور اگر میں اس سے کوئی چیز مانگتا تو وہ مجھے عطا کر دیتا۔

(ایک مرتبہ) حضرت جبرائیل امین علیہ السلام میرے پاس تمام خزانوں کی کنجیاں لائے تھے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے! (اے رسول!) اگر تم چاہو تو یہ تمام خزانے تمہارے ساتھ چلیں گے۔ لیکن میں ظاہری فقر کی حالت میں رہنا پسند کرتا ہوں اور میں نے اللہ تعالیٰ سے یہی دعا مانگی ہے کہ اگر میں ایک دن سیر ہو کر کھانا کھاؤں تو دوسرے دن فاقہ بھی نصیب ہو (عمران کہتے ہیں) اسی دوران حضرت جبرائیل امین علیہ السلام وہاں تشریف لائے اور عرض کی، اے محمد ﷺ! فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سلام کہا ہے اور ساتھ یہ پیغام بھیجا ہے کہ تمہارے اس فقر و فاقہ کے اجر کے طور پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمام جہان کی عورتوں کا سردار بنا دیا ہے لہٰذا تم مبارکباد قبول کرو۔ یہ سن کر خاتون جنت نے عرض کی، تمام جہان کی عورتوں کی سردار ہماری محترم دادی سیّدہ حوا ہیں اور ان کے بعد سیّدہ سارہ اور سیدہ ہاجرہ ہیں اور ان کے بعد سیّدہ آسیہ اور سیّدہ مریم ہیں اور اس زمانے میں میری والدہ سیّدہ خدیجہ اور سیّدہ عائشہ ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین)

حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے کہا ان خواتین کی بزرگی اپنے زمانے کی عورتوں تک محدود ہے لیکن تم بنی نوع انسان سے تعلق رکھنے والی تمام عورتوں کی سردار ہو۔

✧ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

والله ما شبع رسول الله علیه السلام یومین متتابعین من خبز شعیر حتی قبض

''خدا کی قسم نبی کریم ﷺ نے اپنی وفات تک کبھی بھی مسلسل دو روز پیٹ بھر کر جو کی روٹی بھی نہیں کھائی''۔

✧ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بعض اوقات ایسی صورتحال بھی پیش آجاتی ہے کہ لگاتار تیس یا چالیس دن تک نبی کریم ﷺ کے حجرہ مبارک میں آگ نہیں جلتی تھی کہ جس پر کوئی چیز پکائی جاسکے۔ آپ اور آپ کے اہل خانہ وہی چیز کھا لیتے تھے جو کسی صحابی کے گھر سے بطور ہدیہ بھیجی گئی ہوتی تھی لیکن اس فقر کا کسی کو پتہ نہ چلتا تھا۔

✧ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

جس دن نبی کریم ﷺ کا وصال ظاہری ہوا اس وقت آپ نے ایک اونی قمیض زیب تن کی ہوئی تھی جس میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض پیوند دنبے کی کھال کے تھے۔ آپ کے ذمے کچھ رقم بطور قرض واجب الادا تھی جو آپ نے قرض لے کر فقراء و غرباء میں تقسیم فرمائی تھی۔ یہ قرض بعد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ادا کیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کرلیا گیا اس انتخاب کے اگلے روز آپ ذریعہ معاش کے لیے کپڑے کے چند تھان لے کر فروخت کرنے کے لیے بازار میں آکر بیٹھ گئے کیونکہ اس انتخاب سے پہلے آپ کپڑے کی تجارت کے ذریعے ہی اپنے اہل خانہ کی ضروریات پوری کیا کرتے تھے۔ بعض صحابہ نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی، یہ کام منصب خلافت کے شایان شان نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنے اہل خانہ کی ضروریات کی تکمیل مجھ پر واجب ہے۔ اگر میں ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کروں گا تو میرا نفس فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کا عادی ہوتا چلا جائے گا اور کل میں مسلمانوں کے حقوق کی ادائیگی میں بھی کاہلی اور سستی سے کام لوں گا۔ یہ سن کر تمام صحابہ نے باہمی مشورہ کے ساتھ یہ فیصلہ کیا کہ خلیفہ صاحب کے اہل خانہ کا ضروری خرچ بیت المال سے ادا کیا جائے گا تاکہ وہ پوری یکسوئی کے ساتھ امور خلافت سرانجام دے سکیں۔

لہٰذا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کا یومیہ خرچ ڈیڑھ درہم روزانہ مقرر کیا گیا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کو یہ وصیت کی کہ فلاں قطعہ اراضی میری ملکیت ہے تمام ات فروخت کر کے وہ تمام رقم بیت المال کو واپس کر دو جو مجھے بیت المال کی طرف سے ملتی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا گیا تو حسب دستور ان کے اہل خانہ کا خرچ بیت المال سے ادا کرنے پر اتفاق کیا گیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس تجویز کو قبول نہیں کیا اور فرمایا: میں خود اس کا بندوبست کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوں اس لئے مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول یہ تھا کہ اشراق کے وقت سے لے کر زوال تک امور مملکت سرانجام دیتے اور پھر اینٹوں کا کام کرتے۔ ظہر کے وقت مسجد میں تشریف لا کر نماز ظہر میں مسلمانوں کی امامت کرتے اور عصر کی نماز تک اینٹوں کا کام کرتے۔ اس مزدوری سے حاصل ہونے والی رقم کے ذریعے اپنے اہل خانہ کا خرچ ادا کرتے۔

ایک مرتبہ بیت المال کے نگران حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو صفائی کے دوران ایک درہم پڑا ہوا نظر آیا تو وہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک نوعمر صاحبزادے کو دے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب بچے کے ہاتھ میں درہم دیکھا تو دریافت کیا، یہ کہاں سے آیا؟ اس نے عرض کی، یہ درہم مجھے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بلوا کر دریافت کیا، کیا ساری مخلوق میں تمہیں عمر کے بیٹے سے زیادہ بڑا دشمن نظر نہیں آیا جو تم نے وہ درہم اسے دے دیا؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ قیامت کے دن امت کے افراد ایک درہم کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کا محاسبہ شروع کر دیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بچے سے وہ درہم واپس لے کر بیت المال میں واپس جمع کروا دیا۔

خلافت کے ابتدائی برسوں میں یہ معمول جاری رہا لیکن پھر عمر میں اضافہ کے باعث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کمزور ہو گئے تو ایک روز منبر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا:

''برادران اسلام! اب میں کمزور ہو گیا ہوں اور اب مجھ میں مزدوری کی ہمت باقی

نہیں رہی نیز امور مملکت اس قدر پھیل چکے ہیں کہ بیشتر وقت انہیں میں صرف ہو جاتا ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ایک عام مسلمان کی بنیادی ضروریات کے مطابق بیت المال میں سے میرے اہل خانہ کا خرچ مقرر کر دیں تاکہ میرے اہل خانہ مسلمانوں کے مال میں سے اپنی ضروریات کی تکمیل کریں اور میں خود اہل اسلام کی فلاح و بہتری کے کام میں مشغول رہوں۔

ایک عظیم واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل حکومت میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو شام کے شہر حمص کا گورنر مقرر کیا۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے ایک طویل عرصہ تک یہ خدمت سرانجام دی۔ اس پورے عرصہ کے دوران ان کی رہائش گاہ میں ایک پرانی چٹائی، ایک تلوار، ایک لوٹا، ایک پیالہ اور قرآن مجید کے ایک نسخے کے علاوہ اور کوئی چیز موجود نہ تھی۔ رفع حاجت کے لیے انہیں آبادی سے دور جانا پڑتا تھا اور یہ عمل ان کے لیے خاصہ تکلیف دہ تھا۔ اس سے بچنے کے لیے انہوں نے ایک دن بیت المال سے اڑھائی درہم کی رقم حاصل کر کے اپنے گھر کے ساتھ بیت الخلاء تعمیر کروا لیا۔ جب اس کی اطلاع خلیفہ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو مندرجہ ذیل مکتوب تحریر کیا

> ''اے عویمر! مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تم نے بیت المال سے رقم حاصل کر کے ذاتی استعمال کے لیے طہارت خانہ تعمیر کروایا ہے۔ روم کے سابقہ حکمرانوں کی تعمیر کردہ عمارات عبرت کے حصول کے لیے کافی نہیں تھیں جو تم نے بھی تعمیرات کا آغاز کر دیا ہے جیسے ہی یہ مکتوب تم تک پہنچے تو تم خود کو معزول سمجھو اور تمہارے لئے مزید حکم یہ ہے کہ دمشق جا کر اپنی زندگی کے بقیہ ایام وہیں بسر کرو۔''

جب یہ مکتوب حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے پڑھا تو اپنے عہدے سے الگ ہو کر دمشق تشریف لے گئے اور وہیں وصال فرمایا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زُہد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو انہوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خود سے جدا کر دیا کیونکہ یہ دونوں صاحبان صورت و سیرت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔اس کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کا احترام کرتے تھے اور ان کی کوئی بات رد نہیں کرتے تھے۔ لوگ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ہدایا اور تحائف بھیجا کرتے تھے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معمول یہ تھا کہ آپ جو پسوا کر اسے ایک برتن میں اچھی طرح بند کر دیتے تھے۔ افطار کے وقت اس برتن میں سے کچھ جو نکال کر اس کی روٹی پکاتے اور اس سے افطار کرتے۔ کبھی پسے ہوئے جو پانی کے ساتھ استعمال کر لیتے۔ آپ کا لباس پیوند لگا ہوتا اور آپ کے پاؤں میں کھجور کے ریشوں کی بنی ہوئی عام سی جوتی موجود ہوتی۔ لوگوں نے عرض کی آپ جو کے برتن کو اچھی طرح بند کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، مجھے یہ اندیشہ ہے حسن یا حسین رضی اللہ عنہما اس میں کوئی اور چیز نہ ملا دیں۔

زُہد کا دوسرا واقعہ

ایک دن ایک عرب سردار جناب حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی زیارت کے لیے وہ جب مسجد میں پہنچا تو لوگ مغرب کی نماز ادا کر کے جا چکے تھے۔ اس نے دیکھا کہ مسجد کے ایک کونے میں ایک درویش پانی کے ساتھ جو پھانکنے میں مشغول ہے۔ نماز سے فراغت کے بعد وہ سردار اس درویش کے پاس سے گزرا تو درویش نے ایک مٹھی بھر جو سردار کو بھی دے دیئے۔ جو اس نے اپنی چادر کے کونے میں باندھ لئے۔ مسجد سے نکل کر درویش جناب حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان حضرات نے مہمان نوازی کے طور پر انواع و اقسام کے دسترخوان کھانے سجا دیئے۔ سردار نے عرض کی میں ابھی مسجد سے اٹھ کر آ رہا ہوں وہاں ایک درویش سادہ پانی کے ساتھ جو پھانکنے میں مشغول تھا۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں یہ کچھ کھانے اسے دے آؤں؟ یہ سن کر حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آنکھوں میں

آنسو آ گئے۔ انہوں نے سردار کو بتایا کہ جس درویش کو تم نے اس حال میں مسجد میں دیکھا وہ خلیفہ وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور انہوں نے خود اس فقر کو اختیار کیا ہے۔

زُہد کا تیسرا واقعہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک دفعہ میں جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ کا لباس پیوندوں سے بھرا ہوا تھا۔ آپ نے خطبے کے دوران ارشاد فرمایا:

''میرے اس لباس میں اس قدر پیوند لگ چکے ہیں کہ اب اس میں مزید پیوند لگواتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے (لیکن پھر میں سوچتا ہوں) علی رضی اللہ عنہ کو دنیا کی زینت سے کیا مطلب؟ میں ختم اور فنا ہو جانے والی لذت اور نعمت سے کس طرح لطف اندوز ہو سکتا ہوں؟ ایسے وقت جبکہ حجاز میں کئی لوگ بھوکے پیٹ سوتے ہوں۔ میں پیٹ بھر کر کیسے کھانا کھا سکتا ہوں۔ میں اہل اسلام کا امیر کہلاتا ہوں تو ان کی پریشانی، تنگی، بھوک میں ان کی موافقت کیوں نہ کروں۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ سن کر حاضرین رو پڑے اور مجھے بھی رونا آ گیا۔ میں نے عرض کی اگر آپ نیا لباس زیب تن فرمائیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے حکمرانوں کے لیے یہ بات لازم کی ہے کہ ان کا پہناوا، رعایا کے غریب ترین افراد کے پہناوے کی مانند ہوگا تاکہ اہل ثروت ان حکمرانوں کی پیروی کریں اور غرباء اپنی تنگدستی کی وجہ سے غمگین نہ ہوں''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مکتوب گرامی

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ملاقات بصرہ کے رہنے والے ایک شخص سے ہوئی تو آپ نے اس سے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کے احوال دریافت کیے۔ اس نے عرض کی ایک دن میں نے انہیں ایک

صاحب ثروت کے ہاں دعوت کھاتے ہوئے دیکھا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کو مکتوب تحریر کیا:

"مجھے یہ افسوسناک اطلاع ملی ہے کہ تم اہل ثروت کی ضیافتوں میں شریک ہوتے ہو اور وہ طرح طرح کے کھانوں سے تمہاری تواضع کرتے ہیں۔ یاد رکھو اہل ثروت کی جن پر تکلف دعوتوں میں غرباء کو شامل ہونے سے سختی سے روکا جاتا ہے ایسی دعوت میں شریک ہونے والا حکمران حق اور باطل کے درمیان تمیز نہیں کر سکتا۔ (لہٰذا تمہیں معزول کیا جاتا ہے)۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کو گورنری کے منصب سے معزول کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور خوفِ آخرت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ عید کے دن کچھ غرباء اور مساکین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر جمع ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور بیت المال کے نگران حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کی ضروریات کی تکمیل کریں۔ تیس ہزار درہم ان فقراء میں تقسیم کر دیئے گئے۔ عید کی نماز ادا کرنے کے بعد میں ان کے ہمراہ ان کے گھر آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جو کی خشک روٹیاں پکی ہوئی ہیں۔ میں نے عرض کی اتنی بڑی رقم غرباء میں تقسیم کی گئی ہے اگر ایک درہم کی گندم خرید کے آپ اپنے لئے گندم کی روٹی پکوا لیتے تو کیا حرج تھا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ قیامت کے دن اس خیانت کے باعث مجھے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے۔ خدا کی قسم! میرے نزدیک سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ قیامت کے دن مجھے شرمندگی اور رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اور مسندِ خلافت

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو اپنے والد کی طرف سے بہت سا مال وراثت میں ملا تھا۔ خلیفہ منتخب ہونے سے پہلے آپ خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن جب آپ کو خلیفہ

منتخب کرلیا گیا تو آپ نے اپنا تمام مال غرباء میں تقسیم کردیا اور پھر دریافت کیا شہر میں ایک عام مزدور کی یومیہ اجرت کیا ہے۔ آپ کو بتایا گیا، ایک عام مزدور روزانہ چار درہم کماتا ہے۔ آپ نے فرمایا آج کے بعد مجھے بیت المال کی طرف سے روزانہ چار درہم اجرت دی جائے گی تاکہ میرے اہل خانہ اس رقم کے ذریعے اپنی ضروریات پوری کرسکیں اور میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے کاموں میں مصروف رہ سکوں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا وقتِ رخصت

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے 19 صاحبزادے ہیں جب آپ کا وقت رخصت قریب آیا تو گھر میں قرآن مجید کے ایک نسخے اور ایک تلوار کے علاوہ اور کچھ بھی موجود نہ تھا۔ آپ کے ایک قریبی عزیز نے عرض کی، جو کام آپ نے کیا ہے وہ کبھی کسی نے نہیں کیا، آپ نے دریافت کیا، وہ کیا؟ اس نے عرض کی، آپ نے اپنا سارا مال ضائع کردیا اور اپنی اولاد کو محتاج بنا دیا، آپ نے فرمایا، میں کسی کا رزق اپنی اولاد کو نہیں دے سکتا اور اپنی اولاد کا رزق کسی کو نہیں دے سکتا۔ میرے مرنے کے بعد میرے بیٹے یا تو نیک ہوں گے یا گناہگار ہوں گے۔ اگر وہ نیک ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو رزق سے محروم نہیں رکھے گا اور اگر وہ گنہگار ہوں گے تو وہ خود خدا کے دشمن ہوں گے اور مجھے خدا کے دشمنوں کا فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

مکتوب اور جوابی مکتوب

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے حضرت خواجہ حسن بصری کو خط لکھا کہ مجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت سے آگاہ کیجئے تاکہ میں اس پر عمل کرسکوں۔ خواجہ حسن بصری نے جواب لکھا، آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں موجود نہیں ہیں۔ اس لئے ان جیسا طرز عمل اختیار نہیں کرسکتے تاہم اگر آپ اپنے زمانے کے مطابق وہ طرز عمل اختیار کریں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق کیا تھا تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔

معزز قارئین! آپ کو بخوبی یہ اندازہ ہوگیا ہوگا کہ انبیاء کرام اور خلفاء راشدین کا طرز حکومت کیا تھا۔ شوکت، اقتدار اور خزانوں پر تصرف کے باوجود انہوں نے کس طرح اپنے

نفس کو قابو میں رکھا اور دنیا میں پیش آنے والی تکلیف سے صبر سے کام لیا۔
بنی نوع انسان میں احسان، عدل اور نیکی کے اثرات کو پھیلانے کی بھرپور کوشش کی اور اس کے باوجود حکومت کے منفی اثرات سے بچنے کی کوشش کرتے رہے۔

حکومت اہم ذمہ داری ہے

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی تعلیمات میں حکومت اور ریاست ایک نہایت عظیم پُرخطر ذمہ داری ہے لہٰذا جو حکمران عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق امور مملکت سرانجام دے گا اور معاشرے میں شرکی احکام نافذ کرے گا وہ حقیقی معنی میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی خاص فتح نصرت اسے حاصل ہوگی اس کے برعکس جو حکمران عدل وانصاف سے کنارہ کشی اختیار کرے گا اور مخلوق خدا پر شفقت کرنے کے بجائے نفسانی خواہشات کا غلام ہو کر رہ جائے گا۔ معاشرے میں شرعی حدود کا نفاذ نہیں کرے گا وہ درحقیقت شیطان اور دجال کا آلہ کار ہوگا اور خدا اور اس کے رسول ﷺ کا دشمن ہوگا۔

حکومت کے ذریعے آخرت میں وہی شخص کامیابی حاصل کرسکتا ہے جو اس بات پر غور کرے کہ اس کی حقیقت کیا ہے اور اس کا انجام کیا ہوگا۔ دنیا میں اسے بھیجنے کا مقصد کیا ہے؟ لہٰذا کتاب وسنت میں غور وفکر کر کے وہ بخوبی یہ نتیجہ اخذ کرے گا کہ یہ دنیا ایک سرائے کی مانند ہے اور یہاں آنے والا ہر شخص ایک مسافر کی مانند ہے جس کے سفر کی مخصوص منزلیں ہیں۔

انسان کے اس سفر کی پہلی منزل باپ کی پشت ہے۔ دوسری منزل ماں کا رحم ہے۔ تیسری منزل دنیا کی فضا ہے، چوتھی منزل قبر ہے اور پانچویں منزل حشر کا میدان ہے اور چھٹی اور آخری منزل جنت یا دوزخ ہے۔

دنیا میں آنے والے ہر شخص جنت کی سعادت یا دوزخ کی بدبختی کا انتخاب اس دنیاوی منزل میں کر لیتا ہے اور وقت کا سیل رواں انسان کو مختلف منازل سے گزارتے ہوئے اس کی آخری منزل تک پہنچا دیتا ہے۔

(اگر غور کیا جائے) تو ہر سانس ایک قدم کی مانند ہے۔ ہر دن ایک میدان کی طرح ہے۔ ہر مہینے کی مثال ایک میل کی مانند ہے اور ہر سال ایک فرسخ کی مانند ہے۔ انسان جب

سانس لیتا ہےتو اس کی زندگی کے مکان کی ایک اینٹ گر جاتی ہے۔ وہ دنیا سے ایک قدم دور ہوجاتا ہے اور آخرت سے ایک قدم نزدیک ہوجاتا ہے۔ درحقیقت دنیا، آخرت کے راستے کا ایک پل ہے یا قیامت کے صحرا کے ایک کنارے پر بنی ہوئی ایک سرائے ہے۔ کوئی بھی عقل مند کسی پل پر عمارت تعمیر نہیں کرتا اور کسی صحرا میں مستقل قیام کا نہیں سوچتا بلکہ کچھ دیر ستا کر اور آگے کا زادراہ لے کر اپنے سفر پر روانہ ہوجاتا ہے۔ سفر کے بنیادی اصولوں میں یہ بات شامل ہے کہ ضرورت سے زیادہ سامان اپنے ہمراہ نہیں رکھا جاتا۔ اس لئے انسان کو یہ یقین کر لینا چاہئے کہ قیامت کے دن تمام دنیاوی حکمران نہایت نادم اور پشیمان ہوں گے اور یہ آرزو کریں گے کہ اے کاش! دنیا کے تمام خزانے مٹی ہوتے اور دنیا میں سونے چاندی روپے پیسے کا کوئی وجود نہ ہوتا۔

حکایت

جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کا گورنر مقرر کیا گیا تو ان کے صاحبزادے عبداللہ جو نہایت متقی و پرہیز گار تھے اور شرف صحابیت انہیں حاصل تھا وہ اپنے والد سے الگ ہوکر عبادت میں مشغول ہوگئے۔ جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا آخری وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت عبداللہ کو بلا کر ایک صندوق ان کے حوالے کیا، حضرت عبداللہ نے عرض کی مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا اس میں سونا بھرا ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ نے عرض کی پھر تو مجھے اس کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ رو پڑے اور کہا اے کاش! یہ صندوق مٹی سے بھرا ہوا ہوتا۔

معزز قارئین! ان حقائق کی روشنی میں یہ بات آپ کے سامنے واضح ہوگئی ہوگی کہ حکومت اور ریاست ایک پرخطر کام ہے۔ اب ہم آپکے سامنے حکومت کی کچھ شرائط کا ذکر کریں گے جن کی پاسداری کے بغیر دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے امور مملکت صحیح طور پر سرانجام نہیں دیئے جاسکتے۔ نیز ہر حاکم کے ذمے رعایا کے کچھ مخصوص حقوق ہوتے ہیں جن کی ادائیگی کے بغیر کوئی بھی حکمران دائمی عذاب سے نجات حاصل نہیں کرسکتا۔ ان حقوق کو اختصار کے ساتھ ہم یہاں بیان کریں گے۔

شرائط سلطنت

سلطنت کے لیے مندرجہ ذیل 10 شرائط کی پاسداری ضروری ہے۔

(i) پہلی شرط: ہر واقعہ اور مسئلے میں حکمران خود کو رعایا کے ایک عام فرد کی مانند تصور کرے اور پھر دوسرے شخص کو حکمران تصور کرتے ہوئے یہ سوچے کہ اگر یہ دوسرا شخص میرے بارے میں وہی فیصلہ دیتا ہے جو میں اس کے بارے میں دے رہا ہوں تو کیا یہ فیصلہ مجھے پسند آتا ہے۔ اگر وہ فیصلہ خود کو پسند نہ آئے تو اسے اپنے مسلمان بھائی کے خلاف پسند نہ کرے۔

(ii) دوسری شرط: (رعایا اور بطور خاص) مسلمانوں کی حاجت روائی کو عبادت شمار کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

✧ ادخال السرور في قلب المؤمن يوازی اعمال الثقلين

''کسی مسلمان کو کوئی خوشی دینا انسانوں اور جنات کی عبادات کے برابر ہے۔''

لہٰذا ہر مسلمان حکمران کے لیے یہ لازم ہے کہ حاجت مندوں اور ضرورت مندوں کا منتظر رہے اور جب کوئی ضرورت منداس کے دروازے پر آئے تو اس کی حاجت روائی سے پہلے کسی دوسری (نفلی) عبادت میں مشغول نہ ہو۔ نیز محض اپنے آرام اور سہولت کی خاطر مسلمانوں کی حاجت روائی کے معاملے میں سستی سے کام نہ لے۔

(iii) تیسری شرط: قیام وطعام اور لباس کے معاملات میں خلفاء راشدین کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو پر تکلف لباس یا غذا کا عادی بنانے سے گریز کرے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر رونق افروز ہوئے تو آپ نے تین درہم کا ایک کرتہ خریدا اور ہاتھوں سے آگے آستین جب کہ گھٹنوں سے نیچے دامن کو کاٹ دیا۔ کسی نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا: یہ لباس تواضع اور عاجزی ظاہر کرتا ہے اور عام مسلمان اس کی پیروی آسانی سے کر سکتے ہیں۔

(iv) چوتھی شرط: نرم رویہ اختیار کرے اور بلاضرورت سختی سے گریز کرے۔ لوگوں کے عذر سن کر ملول و دل گرفتہ نہ ہو کمزوروں اور غریبوں سے زیادہ گفتگو کرنے میں شرم محسوس نہ

کرے۔

مشہور عباسی خلیفہ مامون الرشید کے عہد حکومت میں ایک شخص کو جرم کر کے مفرور ہوگیا۔لوگوں نے اس کے بھائی کو پکڑ کر خلیفہ کے سامنے پیش کر دیا۔ مامون نے حکم دیا تم اپنے بھائی کو ڈھونڈ کر لاؤ ورنہ اس کے بدلے تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔اس شخص نے خلیفہ سے دریافت کیا اگر آپ کا کوئی سرکاری اہلکار مجھے قتل کرنا چاہتا ہو اور پھر آپ اسے پیغام بھیجیں کہ وہ مجھے چھوڑ دے تو کیا وہ مجھے چھوڑ دے گا؟ خلیفہ نے کہا ہاں! اس شخص نے کہا تو میں آپ کے سامنے خدا کا حکم پیش کرتا ہوں۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی

''کوئی شخص کسی دوسرے (کے جرم کا) وزن نہیں اٹھائے گا۔''

یہ سن کر خلیفہ نے اس شخص کی رہائی کا حکم جاری کر دیا۔

(v) پانچویں شرط: مخلوق میں سے کسی کی رضا کے حصول کے لیے شرعی احکام کے نفاذ میں کاہلی اور سستی سے کام نہ لیا جائے یا کسی کی خوشنودی کے حصول کے لیے کسی شرعی حقوق کی خلاف ورزی نہ کی جائے اور یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھی جائے کہ کچھ نہ کچھ لوگ ہمیشہ حاکم وقت سے ناراض رہتے ہیں کیونکہ کسی بھی اختلافی مسئلے میں عدل وانصاف کے ذریعے فیصلہ کر کے صرف ایک فریق کو ہی خوش کیا جاسکتا ہے۔تمام فریقوں کو خوش رکھنا عملاً ناممکن ہے اس لئے ہر حکمران اپنے تمام فیصلوں اور احکام میں لوگوں کی رضا یا ناراضگی کا خیال کیے بغیر صرف اللہ کی رضا کا حصول پیش نظر رکھے۔اس طرح اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے گا اور مخلوق کو بھی اس سے راضی کر دے گا۔یہی بات نبی کریم ﷺ نے ان الفاظ میں بیان کی ہے:

من طلب رضاء الله بسخط الناس رضی الله منه وارضی الناس عنه

''جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کی رضا کے مطابق عمل کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ خود اس سے راضی ہو جاتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے راضی کر دیتا ہے۔''

(vi) چھٹی شرط: حکومت کی ذمہ داری کی اہمیت سے غافل نہ ہو اور ہمیشہ یہ بات پیش

نظر رکھے کہ اپنے فرائض صحیح طریقے سے سرانجام دے کر آخرت میں ابدی سعادت حاصل کی جاسکتی ہے یا اگر ان فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کی تو آخرت کا دائمی عذاب میرا مقدر بنے گا۔

بیشتر حکمران دنیا کے فریب میں مبتلا ہو کر نفسانی خواہشات کے غلام بن جاتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں اپنا دین اور آخرت تباہ کر لیتے ہیں۔ لہٰذا آج کے زمانے میں حکمرانوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ ان کا دنیاوی منصب ان کی آخرت کی تباہی کا باعث نہ بنے۔ اس لئے انہیں عدل وانصاف کا دامن مضبوطی سے تھام کر اپنے فرائض صحیح طریقے سے سرانجام دینے کی کوشش کرنی چاہئے۔

ایک روایت کے مطابق عادل حکمران کے عدل کو اس کی رعایا کی تمام تر عبادت کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے تو اس حکمران کے عدل کا اجر و ثواب تمام رعایا کی جملہ عبادات کے برابر ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر حاکم کو بھرپور کوشش کرنی چاہئے کہ وہ ابدی سعادت کے حصول سے محروم نہ رہے۔

(vii) ساتویں شرط: حاکم کو چاہئے کہ وہ علماء اور صلحاء کی ہم نشینی اور زیارت کو اپنے اوپر لازم کرے۔ اگرچہ حقیقی علماء اور صلحاء آج کے زمانے میں نہایت کمیاب ہیں تاہم اگر ایسی کسی بزرگ ہستی کا پتہ چلے تو حاکم وقت کو ان کی خدمت میں ضرور حاضری دینی چاہئے۔ اسی طرح بد باطن اور گنہگار لوگوں کی صحبت سے گریز کرنا چاہئے۔ بطور خاص وہ دنیادار جو علماء ومشائخ کا سا رہن سہن اختیار کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور دنیاوی فائدے کے حصول کے لیے ہر ظالم حکمران کی تعریف کرتے ہیں۔

شفیق بلخی کی نصیحت

ایک مرتبہ مشہور عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے مشہور صوفی بزرگ حضرت شفق بلخی سے نصیحت کی درخواست کی تو شیخ شفیق بلخی نے فرمایا۔

اے امیر المؤمنین! خدا کی ایک سرائے ہے جس کا نام دوزخ ہے اور خدا نے تمہیں اس کا دربان بنایا ہے اور تمہیں تین چیزیں عطا کی ہیں تاکہ تم ان کی مدد سے لوگوں کو دوزخ

میں جانے سے روکو وہ تین چیزیں مال، تلوار اور تازیانہ ہیں مال کے ذریعے تم محتاجوں کی حاجت روائی کر کے انہیں حرام کھانے سے روک سکتے ہو۔ تلوار کی مدد سے تم ظالموں کو ظلم کے ارتکاب سے باز رکھ سکتے ہو اور تازیانہ کی مدد سے تم گناہگاروں کو نیکی کی ہدایت کر سکتے ہو اگر تم یہ تینوں کام کر لو گے تو اپنے ساتھ باقی مخلوق کو بھی جہنم میں داخل ہونے سے بچا لو گے اور اگر تم نے اس کام میں کوئی کوتاہی کی تو سب سے پہلے تم خود جہنم میں داخل ہو گے اور تمہارے پیچھے دوسرے گناہگار لوگ اس میں داخل ہوں گے۔

(viii) آٹھویں شرط: حاکم کو چاہئے کہ جبر اور سختی کے ذریعے لوگوں کو اپنے آپ سے متنفر نہ کرے بلکہ کمزور اور محتاج لوگوں کے ساتھ نرمی اور شفقت کا رویہ اختیار کر کے ان کے دلوں میں گھر کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (74)

خیار ائمتکم الذین تحبونھم وتصلون علیھم ویصلون علیکم وشرار ائمتکم الذین تبغضونھم ویبغضونکم وللضونھم ولصونکم

''بہترین حکمران وہ ہے جس سے لوگ محبت کریں اور جو لوگوں سے محبت کرے وہ لوگوں کے لیے دعا کرے اور لوگ اس کے لیے دعا کریں اور بدترین حکمران وہ ہے جو لوگوں سے نفرت کرے اور لوگ اس سے نفرت کریں وہ لوگوں کو برا بھلا کہے اور لوگ اسے برا بھلا کہیں۔''

(ix) نوویں شرط: حکمران کو چاہئے کہ وہ اپنے نائبین اور سرکاری اہلکاروں کی خیانت اور ظلم سے غافل نہ ہو اور بدخصلت افراد کو رعایا پر مسلّط نہ کرے۔ اگر کسی سرکاری اہلکار کی زیادتی ظاہر ہو تو اسے سخت سزا دے کر دوسروں کے لیے نمونہ عبرت بنا دے۔ اس فرض کی ادائیگی میں کسی کوتاہی کا مرتکب نہ ہو۔ سرکاری اہلکاروں اور صاحبان ثروت کو نصیحت او خوف دونوں طریقوں سے راہ راست پر برقرار رکھنے کی کوشش کرے۔

(x) دسویں شرط: حکمران کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ وہ پورے غور و فکر کے ساتھ ہر پیش آمدہ مسئلے کا حل تلاش کرے اور کوئی بھی فیصلہ صادر کرنے سے پہلے مسئلے کے تمام پہلو کا گہری نظر سے جائزہ لے اور اپنے فیصلے کے نتائج و ثمرات کو پیش نظر رکھے۔ اگر مسئلے کا

ظاہری حل شرعی احکام میں موجود ہو تو اس کے مطابق فیصلہ دے اور اگر موجود نہ ہو تو پوری تحقیق ذمہ داری کے ہمراہ اس کا صحیح حل تلاش کرے۔ اس معاملے میں سابقہ اہل علم کی آراء نقل کرنے والے (جمہور پسند علماء) کے بیان پر اعتماد نہ کرے کیونکہ جدید پیش آمدہ حوادث اور مسائل لامحدود ہیں جبکہ اہل علم کی آراء محدود ہیں اور کوئی بھی محدود چیز لامحدود مسائل کے حل کے لیے کافی نہیں ہوتی۔ (حکمران کو کس طرح مسائل کی چھان بین کرنی چاہئے اس کے لیے ہم بطور مثال، ایک واقعہ بیان کرتے ہیں)

حضرت سلیمان کا واقعہ

ایک روایت کے مطابق ایک مرتبہ دو خواتین نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ایک مقدمہ پیش کیا۔ وہ دونوں خواتین ایک بچے کے بارے میں اس بات کی دعویدار تھیں کہ یہ میرا بچہ ہے لیکن دونوں میں سے ایک ثبوت کے ذریعے یہ بات ثابت نہیں کر سکی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ حکم جاری کیا کہ تلوار کے ذریعے بچے کے دو ٹکڑے کر کے دونوں خواتین کو ایک ایک ٹکڑا دے دیا جائے۔ سرکاری اہلکار نے تلوار اٹھائی تو ایک خاتون رو پڑی اور بولی بچے کو کچھ نہ کہو۔ میں اپنے دعوے سے دستبردار ہوتی ہوں تاہم دوسری عورت کے چہرے سے کوئی بے چینی ظاہر نہ ہوئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ فیصلہ دیا کہ جو خاتون بیقرار ہو کر اپنے دعوے سے دستبردار ہوئی تھی وہ اس بچے کی حقیقی ماں ہے اور یہ بچہ اس کے حوالے کر دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ․ن حکومت و ریاست کو حقائق کی باریکی تک پہنچنے کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (176)

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ

''اور اگر وہ لوگ اس مسئلے کو رسول اور ''اولی الامر'' کی خدمت میں پیش کرتے تو اہل استنباط اس کا حل ضرور تلاش کر لیتے۔''

کیونکہ حکمرانوں اور سرکاری اہلکاروں کو عام لوگوں کے ساتھ اکثر واسطہ رہتا ہے۔ اس

لئے ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے معاملات کا باریک بینی سے جائزہ لیں اور اپنی فہم وفراست کے ذریعے مسائل کا حل تلاش کریں۔

فراست کی دو قسمیں:

(1) شرعی فراست

(2) حکیمی فراست

(1) شرعی فراست:

شرعی فراست سے مراد وہ نور یقین ہے جو ردی اخلاق سے نفس کو اور مذموم صفات سے قلب کو پاک کرنے کی بدولت چشم بصیرت سے جہالت، خجالت اور غفلت کے پردے کو دور کرنے میں مدد ومعاون ثابت ہوتا ہے تاکہ حقیقی مومن شخص اللہ تعالیٰ کے نور کی مدد سے دیکھنے کے قابل ہوسکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندہ خاص کی بینائی اور شنوائی کی قوت بن جائے۔

قرآن کہتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ

''بے شک زمین وآسمان میں کوئی بھی شے اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔''

اس حقیقت کا ادراک صرف بارگاہ الٰہیہ کے مقربین اولیاء ہی کرسکتے ہیں اور یہ مرتبہ اس سے کہیں بلند وبرتر ہے کہ ہر گنہگار شخص کا دست آرزو اس کے مقدس گنبد کی بلندی تک پہنچ سکے اور اس سعادت کا راستہ اس سے کہیں زیادہ قیمتی ہے کہ ٹیڑھی چال چلنے والا شخص اس تک پہنچنے کے قابل ہوسکے۔

(2) حکیمی فراست:

یہ وہ قسم ہے جسے فلسفی حضرات نے اپنے مشاہدے اور تجربے کے نتیجے میں دریافت کیا ہے۔ اس معرفت کا حصول بھی ہر شخص کے لیے ممکن نہیں ہے۔ البتہ ہم یہاں حکماء کے ارشادات کی روشنی میں چند بنیادی امور کی نشاندہی کریں گے تاکہ اہل بصیرت اپنے اپنے عمل وفہم کے مطابق جانچنے اور پرکھنے کی صلاحیت حاصل کرسکیں۔

(1) رنگ: حکماء کا خیال ہے کہ اگر کسی شخص کا رنگ انتہائی سفید ہو اور اس کی آنکھیں سبز ہوں تو ایسا شخص بے شرم، خائن، فاسق اور کم عقل ہوگا اور اس کے ساتھ اگر اس کی ٹھوڑی پتلی ہو، آنکھیں تیز ہوں، پیشانی کھلی ہو اور سر پر بہت زیادہ بال ہوں تو ایسا شخص افعی (نامی) سانپ سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

(2) بال: حکماء کے نزدیک عمدہ اور مناسب رنگت والے بال بہادری اور صحت مند دماغ کا علامتی نشان ہیں جبکہ بالوں کا نرم ہونا، کمزوری، ڈر اور کم فہمی کی دلیل ہے، گردن یا کندھوں پر بالوں کی زیادتی حماقت کا علامتی نشان ہے۔ سینے اور پیٹ پر بالوں کی زیادتی وحشت طبع کی عکاسی ہوتی ہے۔ سیاہ رنگ کے بال امانت اور عقل کی خصوصیت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جبکہ سرخی مائل سیاہ بال معتدل مزاج کی نشاندہی کرتے ہیں۔

(3) پیشانی: حکماء نے بیان کیا ہے، ایسی کشادہ پیشانی جس پر سرخ دار لکیریں نہ ہوں یہ جھگڑالو طبیعت اور فضول گوئی کا نشان ہوتا ہے۔ اس کے برعکس کسی تنگ اور باریک پیشانی طبیعت میں موجود کمینگی اور گھٹیا پن کی عکاسی ہوتی ہے جبکہ درمیانی حجم والی پیشانی جس پر شاخ دار لکیریں ہوں یہ طبیعت میں موجود محبت، سچائی، سمجھ بوجھ، علم وفضل وغیرہ کی دلیل ہوتی ہے۔

(4) کان: حکماء فرماتے ہیں، کانوں کے حجم کا بڑا ہونا حافظے کی بہترین اور سمجھداری کی علامت ہے۔ البتہ ایسا شخص مزاج کے معاملے میں تیز واقع ہوتا ہے جبکہ چھوٹے کانوں کا مالک یا تو احمق ہوگا یا پھر اس میں دھوکہ دہی کے جراثیم پائے جائیں گے۔ کانوں کے حجم کا متوسط ہونا فہم وادراک کی علامت ہے۔

(5) ابرو: بڑے اور زیادہ بالوں والے ابر طبیعت کی سختی کی نشانی ہیں جبکہ کنپٹی تک پہنچے ہوئے طویل ابرو تکبر کی علامت ہیں۔ سیاہ رنگت والے، متوسط حجم کے ابرو طبیعت کی نفاست اور فہم وفراست کی علامت ہیں۔

(6) آنکھ: نیلی آنکھیں سب سے زیادہ خطرناک ہوا کرتی ہیں۔ تیز نظر والی سیاہ آنکھ حسد،

خیانت اور کاہلی کا علامتی نشان ہوا کرتی ہیں۔ آنکھ کا ساکن رہنا اور کم حرکت کرنا کم عقلی اور سست طبیعت کا نشان ہے جبکہ آنکھ کا تیزی سے حرکت کرنا، طبیعت میں دلیری اور بہادری کی موجودگی کو ظاہر کرتا ہے۔ آنکھ کے ڈھیلے کے اوپر موجود زرد رنگ کے نقطے شرانگیز طبیعت کے عکاس ہوتے ہیں جبکہ جسم اور رنگت کے اعتبار سے متوسط آنکھ طبیعت میں فہم وفراست اور محبت ودیانت کی عکاسی ہوا کرتی ہے۔

(7) ناک: ناک کا پتلا ہونا طبیعت میں نرمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح ناک میں ہلکا سا ٹیڑھا پن بہادری کا علامتی نشان ہوتا ہے۔ ناک کا چوڑا ہونا شہرت کی نشاندہی کرتا ہے۔ نتھنوں کا کشادہ ہونا حاسد طبیعت کا عکاس ہے، ناک کا درمیان میں سے موٹا ہونا یا پھر ناک کے سرے کا زیادہ موٹا ہونا فضول گوئی اور دروغ بیانی کی نشاندہی کرتا ہے جبکہ لمبائی چوڑائی، موٹائی اور باریکی کے اعتبار سے ناک کا متوسط ہونا طبیعت میں موجود اعتدال پسندی اور فہم وفراست کی دلیل ہوتا ہے۔

(8) منہ: منہ کی فراخی بہادری کا علامتی نشان ہے جبکہ ہونٹوں کی موٹائی حماقت کی نشانی ہے۔ متوسط جسم کے سرخ ہونٹ ہموار طبیعت کا نشان ہُوتے ہے۔

(9) دانت: دانتوں کا ٹیڑھا ہونا طبیعت میں موجود مکر وفریب اور خیانت کو ظاہر کرتا ہے جبکہ ہموار اور کھلے دانت عمدہ صفات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

(10) رخسار: بھورے بھورے اور پُر گوشت رخسار جہالت اور سخت مزاجی کا نشان ہیں۔ اسی طرح کسی بیماری کے بغیر رخساروں کا کمزور اور زرد ہونا خبث باطن کی علامت ہے جبکہ متوسط درجے کے رخسار اعتدال پسند طبیعت کی نشاندہی کرتے ہیں۔

(11) آواز: آواز کا بلند ہونا شجاعت کا نشان ہے جبکہ باریک ہونا توہم پرستی کی علامت ہے اور متعدل ہونا عمدہ صفات کی موجودگی پر دلالت کرتا ہے گفتگو کے دوران غنہ ی آواز کا زیادہ پیدا ہونا حماقت اور تکبر کی علامت ہے۔ اسی طرح نشست و برخاست اور گفتگو کے دوران الفاظ کا انتخاب اور ہاتھوں کی مناسب حرکت عمدہ طبیعت کی نشانی ہے۔

(12) گردن: گردن کا چھوٹا ہونا طبیعت میں موجود فریب و دھوکہ دہی کی نشانی ہے جبکہ پتلی گردن حماقت کا علامتی نشان ہے۔ گردن کا غیر معمولی طور پر موٹا ہونا جہالت اور بسیار خوری کی نشانی ہے جبکہ ایک متوسط حجم والی گردن طبیعت میں موجود عمدہ اخلاق کی نشاندہی کرتی ہے۔

(13) شکم: شکم کے حجم کا بڑا ہونا جہالت، حماقت اور بزدلی کو ظاہر کرتا ہے جبکہ شکم کا کم ہونا حسن رائے اور اعتدال پسندی کو ظاہر کرتا ہے۔

(14) کندھے: کندوں اور پشت کی چوڑائی بہادری اور کم عقلی کو ظاہر کرتی ہے جبکہ کندھوں کا کمزور ہونا برے اخلاق اور سوئے مذہب کا علامتی نشان ہیں۔

(15) انگلیاں: انگلیوں کا لمبا ہونا کسی فن میں مہارت کا علامتی نشان ہے۔

(16) پنڈلیاں: پنڈلیوں کا موٹا ہونا نادانی اور سخت مزاجی کی علامت ہے جبکہ ان کا معتدل ہونا اعتدال پسند رویے کی عکاسی کرتا ہے۔

یہ وہ علامات ہیں جو حکماء نے اپنے تجربے کی روشنی میں بیان کی ہیں اور کوئی بھی عقلمند شخص ان کی روشنی میں باآسانی کسی بھی شخص کے طبعی وفطری رجحان سے آگاہی حاصل کرسکتا ہے۔

رعایا کے حقوق

رعایا کے حقوق دو طرح کے ہیں کیونکہ رعایا کی دو قسمیں ہیں:

(1) مسلمان رعایا

(2) غیر مسلم رعایا۔

ان دونوں کے حقوق کے احکام کفر اور اسلام کی دینی تعلیمات کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوجاتے ہیں۔ جہاں تک مسلمان رعایا کا تعلق ہے تو مسلم رعایا کے حاکم پر بیس حقوق ہیں جن کی ادائیگی حاکم اور بادشاہ پر فرض ہے۔ مسلمان حکمران کو چاہئے کہ وہ تمام مسلمانوں کے ساتھ تواضع و انکساری سے پیش آئے اور اپنی حکومت کے باعث کسی ایک

مسلمان سے بھی خود کو بطور تکبر، بڑا یا بہتر نہ سمجھے۔

تکبر ناپسندیدہ چیز ہے

یہاں حق یہ ہے کہ حاکم اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ تکبر اور زیادتی کو ناپسند فرماتا ہے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

✧ ان اللہ عزوجل اوحی الی ان تواضعوا حتی لایفتخر احدٌ علی احد

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل کی ہے کہ تم تواضع اختیار کرو یہاں تک کہ کوئی ایک شخص بھی کسی دوسرے شخص سے خود کو بہتر نہ سمجھے۔''

ایک اور روایت میں یوں نقل کیا گیا ہے:

لایدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر

''جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر موجود ہوگا، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

(2) رعایا کا دوسرا حق یہ ہے کہ حاکم لوگوں کی آپس میں ایک دوسرے کے خلاف کی جانے والی باتوں پر کان نہ دھرے کیونکہ اس کے نتیجے میں اسے بذات خود آزمائش اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بالخصوص فاسقوں، خودغرض لوگوں، حسد کرنے والوں اور لالچ کا شکار لوگوں کی باتوں میں نہ آئے کیونکہ لالچی شخص صرف ایک لقمے کے حصول کے لیے بہت سے لوگوں کو پریشانی کا شکار کر دیتا ہے جبکہ حاسد کی نظر میں ہر ہنر ایک عیب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا

''اگر کوئی فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔''

کسی دانا کا قول ہے:

من نقل الیك نقل عنك

''جو دوسروں کی برائیاں تمہارے سامنے کرتا ہے، وہ یقیناً تمہاری برائیاں

دوسروں کے سامنے بیان کرتا ہوگا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے کسی کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا: اے شخص میں تمہاری بات تحقیق کروں گا اگر تمہاری بات درست ثابت ہوئی تو تمہاری عیب جو فطرت کے باعث تمہیں اپنا بھی دشمن سمجھوں گا لیکن اگر تمہاری بات غلط ثابت ہوئی تو جھوٹ بولنے کے جرم میں تمہیں سزا دوں گا۔ البتہ اگر تم توبہ کرلو تو میں تمہیں معاف کردوں گا، اس شخص نے عرض کیا، حضرت! میں توبہ کرتا ہوں۔

شیخ قرظی کا جواب

شیخ محمد بن قرظی سے کسی نے دریافت کیا، کسی بھی حاکم کی سب سے بری خصلت کیا ہوسکتی ہے؟

آپ نے فرمایا: "زیادہ گفتگو کرنا، ریاست کے راز ہر ایک کے سامنے بیان کردینا، ہر شخص کی بات (چغلی یا غیبت) سن لینا۔"

(3) رعایا کا تیسرا حق یہ ہے کہ جب کسی کی غلطی کی وجہ سے حاکم اس سے ناراض ہو اور پھر اس شخص کو معاف کردینے کی گنجائش بھی موجود ہو تو حاکم کو چاہئے کہ اظہار ناراضگی کے بعد تین دن گزرنے سے پہلے اس شخص کو معاف کردے، یہ صرف اس وقت ممکن ہے جبکہ اس کی ناراضگی کا سبب کوئی دینی معاملہ نہ ہو کیونکہ کسی دینی معاملے کی وجہ سے ساری زندگی ناراض رہنا بھی درست ہے۔ البتہ دنیاوی امور میں درگزر اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے۔

✦ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

من اقال مسلما اقال اللہ یوم القیامۃ

"جو شخص کسی مسلمان کو معاف کردے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادے گا۔"

ایک اور روایت میں یوں ذکر کیا گیا ہے:

✦ اوحی اللہ الی یوسف، یایوسف بعفوك عن اخوتك رفعت ذکرك

''اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی، اے یوسف! تم نے اپنے بھائیوں کو معاف کیا، اس کی وجہ سے ہم نے تمہارے ذکر کو بلند کر دیا۔''

(4) حاکم کا عدل و انصاف تمام رعایا کے لیے عام ہونا چاہئے۔ اور اس معاملے میں احسان کے لیے اہل یا نااہل کے درمیان کوئی فرق روا نہ رکھے کیونکہ بادشاہ سایۂ حق ہے اور رحمت حق ہر کافر و مومن کو شامل ہے، بالکل اسی طرح حاکم کے احسان کو ہر نیک و بد سے متعلق ہونا چاہئے۔

✦ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

راس العقل بعدالدین التودد الی الناس واصطناع المعروف علی کل بر وفاجر

''ایمان لانے کے بعد سب سے بڑی عقلمندی یہ ہے کہ انسان لوگوں کے ساتھ محبت کرے اور ہر اچھے برے آدمی کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے۔''

(5) رعایا کا پانچواں حق یہ ہے کہ حاکم وقت حکومت کے زور پر عام مسلمانوں کی چار دیواری کے حق کی خلاف ورزی نہ کرے اور اجازت حاصل کیے بغیر کسی کے گھر میں داخل نہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عظیم ترین مرتبہ و مقام کے باوجود جب کسی مسلمان کے ہاں تشریف لے جاتے تو پہلے چار مرتبہ آواز دیتے۔ اگر اندر داخل ہونے کی اجازت مل جاتی تو اندر تشریف لے جاتے اور اگر نہ ملتی تو واپس تشریف لے جاتے اور اس بات پر کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الاستیذان ثلاثة فالاولی یستمعون والثانیة یستصلحون والثالثة یاذنون اویردون

تین مرتبہ اجازت حاصل کی جائے گی۔ پہلی مرتبہ اہل خانہ صرف سنتے ہیں دوسری مرتبہ خودکو تیار کرتے ہیں اور تیسری مرتبہ اجازت دیتے ہیں یا منع کر دیتے ہیں۔

(6) رعایا کا چھٹا حق یہ ہے کہ حاکم مختلف مراتب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے ساتھ بات چیت اور معاملہ کرتے ہوئے فضل مراتب کا خاص خیال رکھے۔ ظالموں اور اوباش فطرت لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش نہ آئے۔ اسی طرح عامۃ الناس کے ساتھ فصاحت و بلاغت کے ہمراہ گفتگو نہ کرے۔ پہاڑوں اور جنگلات کے باسیوں کے ساتھ اشراف کے مخصوص آداب کی رعایت نہ کرے بلکہ ہر شخص کو اس کی صلاحیت کے مطابق ذمہ داری سونپے اور اس بات کا یقین رکھے کہ ہر خص اپنے مرتبے کا اسیر ہے۔ حاکم کو چاہئے کہ وہ عوام میں سے کسی کے ساتھ بھی میل جول کو ناپسند نہ کرے۔

حضرت داؤد کی التماء

ایک روایت کے مطابق، ایک مرتبہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی:

اے اللہ! ایسا کون سا کام ہے جس کی بدولت مخلوق مجھے پسند کرنے لگے اور تیری ذات کا قرب بھی مجھے نصیب ہو؟ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

خالق الناس لعقولهم واحسن في مابيني وبينك

''لوگوں کے ساتھ ان کی عقل کے مطابق معاملہ کرو اور میرے ساتھ اپنے تعلق کا خاص خیال رکھو۔''

(7) رعایا کا ساتواں حق یہ ہے کہ حاکم عمر رسیدہ افراد کا خاص احترام کرے۔ بطور خاص وہ بزرگ لوگ جو دیندار بھی ہوں اسی طرح حاکم کو چاہئے کہ وہ بچوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

✧ ليس منا من لم يرحم صغيرنا ولم يوقر كبيرنا

''جو شخص ہمارے بچوں پر شفقت نہ کرے اور بزرگوں کی تعظیم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔

✧ ایک اور روایت میں یوں ارشاد فرمایا:

ما اکرم شاب شیخا من اجل شیبه الاقبض اللّٰه له عند شیبه من یکرمه

''جو شخص جوانی میں کسی عمر رسیدہ شخص کا اس کی بزرگی کی وجہ سے احترام کرے گا اللہ تعالیٰ اس (نوجوان) کو بڑھاپے میں عزت عطا فرمائے گا۔''

اس روایت میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ بزرگوں کی عزت کرنے کی وجہ سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔

(8) رعایا کا آٹھواں حق یہ ہے کہ جب مسلمان حاکم کسی شخص سے کوئی وعدہ کرے تو اس وعدے کو پورا کرے اور حتی الامکان وعدہ خلافی سے گریز کرے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

✧ العهدة دينٌ لازم

''وعدہ پورا کرنا انسان کے ذمے فرض ہے۔''

ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

✧ آية المنافق ثلاث اذا حدث كذب واذا وعد اخلف و اذا ائتمن خان

''منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بھی بولے گا جھوٹ بولے گا، جب وعدہ کرے تو اسے پورا نہیں کرے گا اور جب اس کے سپرد کوئی امانت کی جائے گی تو خیانت کرے گا۔

ذوالقرنین کی خوبیاں

ایک روایت کے مطابق یوں ذکر کیا گیا ہے۔

✧ ان ذوالقرنين اعطى ما اُعطى بثلاث خصال انه اذا تكلم صدق واذا وعدوفى ولم يحزن شيئا لغد.

''ذوالقرنین (حکمران) کو اس قدر عظیم الشان سلطنت اس کی تین خوبیوں کی

وجہ سے عطا کی گئی تھی۔ایک یہ کہ وہ ہمیشہ سچ بولتا تھا، دوسرا یہ کہ جب بھی کوئی وعدہ کرتا اسے پورا کرتا اور تیسری خوبی یہ تھی کہ وہ آنے والے کل کے مال و دولت کو خزانے میں اکٹھا نہیں کرتا تھا''۔

(9) حاکم کے ذمے یہ بات لازم ہے کہ احکام جاری کرتے ہوئے اور فیصلہ بیان کرتے ہوئے غیر ضروری سختی اور ترش روی سے پرہیز کرے اور ہر مرتبے کے افراد کے ساتھ یکساں نرمی کے ساتھ پیش آئے بلکہ ضعیفوں اور کمزوروں کا خاص خیال رکھے۔

جنت کے بالا خانے

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان فی الجنة غرفا یری بطونها من ظهورها قیل لمن هی یارسول الله فقال لمن طیب الکلام واطعم الطعام وصلّی باللیل والناس نیام

جنت کے بعض مخصوص کمرے ایسے ہیں جو اندر باہر سے صاف نظر آتے ہیں۔ عرض کی گئی، یہ کن لوگوں کے لیے ہیں؟ یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا ان لوگوں کے لیے جو عمدہ گفتگو کرتے ہیں، دوسروں کو کھانا کھلاتے ہیں اور اس وقت رات کی نماز ادا کرتے ہیں جب دوسرے لوگ سو رہے ہیں۔

(10) حاکم کو چاہئے کہ انصاف کو ہمیشہ پیش نظر رکھے، جس طرح اسے لوگوں سے اپنے فرائض کی ادائیگی میں مکمل انصاف کی توقع ہوتی ہے بالکل اسی طرح اس کی ذات سے دوسروں کو بھی انصاف ملے، لوگوں کے ساتھ اس کے معاملات کی کیفیت یہ ہو کہ اگر بعینہ یہی سلوک لوگ اس کے ساتھ کریں تو اسے ناگوار نہ گزرے۔

عمدہ سلوک کی فضیلت

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من سره ان یزحزح عن النار ویدخل الجنة فلیأت الی ما یحب ان یؤتی الیه

''جو شخص آتش جہنم سے نجات پا کر جنت میں داخلے کا خواہش مند ہو اسے چاہئے کہ وہ دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرے جیسے (عمدہ) سلوک کی (اپنے لئے) اسے دوسروں سے توقع ہوتی ہے۔''

(11) حاکم کو مسلمانوں کے باہمی اختلافی معاملات میں صلح کروانے میں جلدی کرنا چاہئے اور ان اختلافات کا فیصلہ کرتے ہوئے کسی قسم کی کاہلی یا تاخیر کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے۔ خاص طور پر جو اختلافاتی امور واضح ہوں انہیں خود حل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے کیونکہ تاخیر کی صورت میں اس بات کا امکان موجود ہے کہ وہ اختلاف آگے چل کے مسلمانوں کے درمیان مستقل دشمنی اور کینے کا باعث بن سکتا ہے۔

صلح کروانے کی فضیلت

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الاخبر کم بافضل من درجة الصیام والصلوٰة والصدقة قالوا بلی قال اصلاح ذات البین

کیا میں تمہیں نماز، روزے اور صدقے سے بھی زیادہ افضل کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ضرور بتائیں، آپ نے فرمایا صلح کروانا۔

(12) حاکم کو چاہئے کہ وہ عام مسلمانوں کی غلطیوں کے بارے میں غیر ضروری تجسس کا مظاہرہ نہ کرے اور معمولی لغزشوں پر لوگوں کو تنگ کرنے سے گریز کرے اور جہاں تک ممکن ہو عفو و درگزر سے کام لے اور لوگوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرے۔

پردہ پوشی کی فضیلت

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من ستر مسلماستره الله فی الدنیا والأخرة

جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

اپنے عہد خلافت میں ایک رات گشت کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک گھر سے

گانے کی آواز سنائی دی، آپ نے دیوار پر چڑھ کر دیکھا کہ ایک شخص ایک عورت کے ہمراہ بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے شراب رکھی ہوئی تھی۔ آپ نے گرجدار آواز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اے خدا کے دشمن! کیا تو یہ سمجھتا ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ تجھے رسوا نہیں کرے گا؟ اس نے جواب دیا: اے امیر المؤمنین! ذرا تحمل سے کام لیں۔ میں تو صرف ایک گناہ میں مبتلا ہوں، جب کہ آپ تین غلطیوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا، وہ کس طرح؟

اس نے عرض کی: اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

ولا تجسسوا

(لوگوں کے عیوب کی) جاسوسی نہ کرو۔

آپ اس غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

واتوا البیوت من ابوابھا

گھروں میں، دروازوں کی جانب سے داخل ہو۔

آپ اس فرمان کے برعکس، دیوار پر چڑھے ہیں۔ تیسرا ارشاد باری تعالیٰ یوں ہے:

لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا

دوسروں کے گھروں میں اجازت لئے بغیر داخل نہ ہوں۔

جب آپ بغیر اجازت داخلے کے مرتکب ہوئے ہیں اس شخص کی زبان پر بات سن کر سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا:

تم ٹھیک کہہ رہے ہو، اگر آج میں تمہیں معاف کر دوں تو کیا آئندہ تم اس گناہ کے ارتکاب سے باز آ جاؤ گے۔

اس نے وعدہ کیا، ایسا ہی ہوگا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے معاف فرما دیا۔

(13) حاکم کو چاہئے کہ خواہش نفس کے پیروکار لوگوں کو ڈھیل نہ دے اور مشکوک مقامات اور محافل میں شرکت سے اجتناب کرے۔ بالفرض اگر حاکم خود کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اسے حتی الامکان دوسروں سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ عوام الناس

حکمرانوں کی دیکھا دیکھی بہت خرابیوں کو اپنا لیتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر حاکم نیکی کے راستے پر گامزن ہو تو عامۃ الناس کو بھی نیکی کی ترغیب ملتی ہے اور ان کی نیکی کا ثواب بھی اس حاکم کے نامہ اعمال میں درج کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر حکمران برائی کے راستے پر گامزن ہو تو عوام بھی اس برائی کو اپنا لیتے ہیں اور آخر کار ان تمام لوگوں کے گناہوں کا وبال اس حاکم کے نامہ اعمال میں درج کیا جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

✧ من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها ومن سن سنة سيئة في الاسلام فعليه وزرها وَزر من عمل بها.

جو شخص کسی اچھی روایت کو قائم کرے اس کے مطابق عمل کرنے والوں کا ثواب بھی اس شخص کو ملے گا اور جو کوئی کسی بری روایت کا آغاز کرے گا تو اس کے مطابق عمل کرنے والوں کے عمل کا وبال بھی اس شخص کو نصیب ہوگا۔

''اگر کسی مسلمان کا کوئی مسئلہ حاکم کی کسی سفارش کے ذریعے حل ہو سکتا ہو تو حاکم کو سفارش کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہئے اور اس معاملے میں کاہلی اور سستی سے بچنا چاہئے۔ حکومت کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ بعض اوقات بہت سے امر اور ضروری کام حاکم کی زبانی ہدایت پر ہی حل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے حاکم کو اس عظیم نیکی کے ثواب کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔

✧ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مامن صدقة افضل من صدة اللسان قيل كيف ذلك قال الشفاعة تحصن بها الدماء وتجربها المنفعة الى الأخر ويدفع بها المكروه عن الآخر

سب سے بہترین صدقہ زبان (سے متعلق) صدقہ ہے۔ عرض کی گئی وہ کس طرح؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سفارش کے ذریعے بہت سی

جائیں محفوظ رہتی ہیں۔ لوگوں کی تکالیف دور ہو جاتی ہیں اور لوگوں کو بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

(15) حاکم کو چاہئے کہ وہ صاحب ثروت اور طاقتور لوگوں کے ساتھ زیادہ میل جول رکھنے کے بجائے غریبوں اور کمزوروں کے ساتھ وقت بسر کرے، جہاں تک ممکن ہو فقراء اور اولیاء اللہ کی ہم نشینی اختیار کرے اور اپنے آئینۂ قلب کو ان نیکوکار حضرات کے مواعظ کے ذریعے جلاء بخشتا رہے، کیونکہ حکومتی مصروفیات اور لوگوں سے میل ملاقات کی کثرت دل کو تاریک کر دیتی ہے۔ اس طرح دنیاداروں اور دولت مندوں کی ہم نشینی بھی دل کی تاریکی کا باعث بنتی ہے۔ جب یہ دونوں طرح کی تاریکیاں مسلسل کچھ عرصے تک دل پر قابض رہیں تو دین کی حالت خطرے کا شکار ہو جاتی ہے اور انسان کا دل ایک بڑے حجاب کا شکار ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ آخرکار ابدی عذاب اور دائمی محرومی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ

''صرف یہ ہے کہ ان کے اعمال کی بدولت ان کے قلوب زنگ آلود ہو گئے ہیں۔''

یہ وہ بدنصیب لوگ ہیں جو دائمی عذاب کا شکار بن چکے ہیں، گناہوں پر اصرار کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی تاریکی نے ان کے قلوب میں موجود ایمان کے نور کو ختم کر دیا ہے اور شریعت کی مخالفت کے دھویں نے ان کی بینائی چھین لی ہے جس کے نتیجے میں آخرت میں لوگ راندہ درگاہ اور مردود بارگاہ قرار پائیں گے۔ انہیں حضوری نصیب نہ ہو سکے گی۔ جنت کی نعمتیں ان کا نصیب نہیں بن سکیں گی۔

✦ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ایاکم ومجالسة الموتی قیل من الموتی یارسول اللّٰه ؟ قال الاغنیاء

''مردہ لوگوں کے پاس بیٹھنے سے بچو، عرض کی گئی، یارسول اللہ ﷺ! کون مردہ لوگ؟ فرمایا: (دنیادار) دولت مند۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام کا معمول

حضرت سلیمان علیہ السلام کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب آپ دربار برخواست کرتے تو اٹھ کر سیدھا مسجد میں تشریف لے جاتے اور پھر تلاش کر کے کسی مسکین کے ہمراہ بیٹھ کر کھانا کھاتے، یہ کہتے کہ ایک مسکین نے دوسرے کے ہمراہ بیٹھ کر کھانا کھایا ہے۔

(16) رعایا کا سولھواں حق یہ ہے کہ حاکم وقت فاقہ زدہ عوام کی حالت زار سے بے خبر نہ رہے، اور پوری کوشش کرے کہ کوئی شخص بھوک کا شکار نہ ہو، حاکم کو چاہئے کہ بیوہ خواتین اور یتیم بچوں کا خاص خیال رکھے اور اس بارے میں قیامت کے دن کی بازپرس کے خوف سے ہمیشہ لرزہ براندام رہے کیونکہ اس دن حساب کتاب سے نجات کے لیے مال و دولت کام نہیں آسکیں گے اور اس دن یہ تمام مستحقین اپنے اپنے حقوق کے حصول کے لیے اس حاکم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس لئے اسے چاہئے کہ اپنے فرائض سے اس دنیا میں سبکدوش ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ ہمت اور صلاحیت عطا فرمائی ہے۔

غریب پروری کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یوتی بالعبد یوم القیامة فیقول اللّٰہ له اِستطعتك فی الدنیا فلم تطعمنی واستکیتك فلم تکسنی فیقول کیف ذٰلك یارب ؟ فلان کان فی جوارك جائعًا وفلان عاریًا فلم تتعهد علیهم من فضلك فبعزتی وجلالی لامنعك الیوم من فضلی کما منعتهم

''قیامت کے روز ایک بندے کو بارگاہ ربّ العزت میں حاضر کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس شخص سے دریافت فرمائے گا، میں نے تجھ سے دنیا میں کھانا مانگا تھا لیکن تو نے مجھے کھانا نہیں دیا، اس طرح ایک مرتبہ میں نے تجھ سے کپڑا پہننے کے لیے مانگا تھا لیکن تو نے مجھے پہننے کو کپڑا بھی نہیں دیا۔ وہ شخص عرض کرے گا، اے میرے پروردگار یہ کیسے ممکن ہے؟ (تیری شان اس بات سے بلند و بالا ہے) تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا، تیرے پڑوس میں فلاں شخص بھوکا تھا، فلاں

کے پاس پہننے کے لیے کپڑا نہیں تھا۔ لیکن تو نے ان کا خیال نہیں رکھا، جس طرح تو نے انہیں کچھ نہیں دیا، اسی طرح آج کے دن، مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ہے، میں تجھے اپنے فضل میں سے کچھ بھی عطا نہیں کروں گا۔''

(17) رعایا کا سترہواں حق یہ ہے کہ حاکم ریاستی رعب و دبدبے کے ذریعے معاشرے میں امن و امان کو قائم و دائم رکھے۔ اس میں چوری، ڈاکہ وغیرہ سے عوام کی حفاظت بھی شامل ہے۔ حاکم کو چاہئے کہ امن عامہ کہ نقصان پہنچانے والے عناصر کی سرکوبی کرے اور انہیں دوسروں کے لیے نمونہ عبرت بنادے جگہ جگہ پولیس چوکیاں قائم کرے، اور اہل لوگوں کو ان کا نگران مقرر کرے۔

اچھے حاکم کی فضیلت

ایک روایت یوں منقول ہے:

ایما وال اهتم امن طرقات المسلمین بدفع الردی ورفع الاذی نام وسیفه یستغفر له ومن لم یفعل لعنه سیفه

جو حکمران اپنی پوری کوشش کے ذریعے امن عامہ کو قائم و دائم رکھتا ہے ایسا حاکم اگر سو بھی رہا تو اس وقت بھی اس کی تلوار اس کے لیے دعائے استغفار میں مشغول ہوتی ہے اور اگر کوئی حکمران ایسا نہ کرے تو اس کی تلوار اس پر لعنت بھیجتی ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا لوگ مجھے خلیفة المسلمین کہتے ہیں، میرے اور میری خلافت کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا:

اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری کا بچہ بھی (آپ کی عدم توجہ یا کوتاہی کے باعث) ہلاک ہوجائے تو آپ کو (ایک اچھا) خلیفہ قرار دینا درست نہیں ہوگا۔

(18) رعایا کا 18 واں حق یہ ہے کہ مملکت میں جہاں کہیں سرائے، پل، سڑکوں (اور ڈیم تعمیرات) کی ضرورت ہو حاکم اپنی سی پوری کوشش کر کے جلد از جلد وہ تعمیرات قائم کرے

اور اس معاملے میں غفلت کے ارتکاب سے بچے۔

فلاح عامہ کی فضیلت

ایک روایت میں یہ بات نقل کی گئی ہے:

✧ من بنی قنطرة یسهل علیه عبور المسلمین سهل الله له جوازه علی الصراط

''جو شخص مسلمانوں کی آسانی کے لیے پل تعمیر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے پل صراط سے گزرنا آسان فرمادے گا''۔

(19) حاکم کو چاہیے کہ سرکاری طور پر ہر بستی میں ایک مسجد ضرور تعمیر کروائے اور اس مسجد میں امام اور موذن کا تقرر کرے۔ان حضرات کے وظائف مقرر کرے تاکہ یہ حضرات معاشی پریشانیوں سے آزاد ہوکر مکمل یکسوئی کے ساتھ مذہبی فرائض کی ادائیگی میں لوگوں کی پیشوائی کرسکیں۔

مسجد تعمیر کرنے کی فضیلت

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من بنی مسجدالله بنی الله له بیتافی الجنة

''جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے مسجد تعمیر کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں گھر عطا فرمائے گا''

(20) رعایا کا بیسواں حق یہ ہے کہ حاکم بھلائی کی تبلیغ اور برائی کی تردید سے غافل نہ ہو۔ ہر خاص و عام کو نیکی کی دعوت دے اور برائیوں کے ارتکاب سے بچنے کی تلقین کرے۔

نہی عن المنکر

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

من رای منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه ولیس وراء ذلك اسلام

''اگر کوئی شخص برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ کے ذریعے روکے، اگر اس بات کی استطاعت نہ ہو تو زبان کے ذریعے روکے، اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل میں اس کو برا ضرور سمجھے۔ اس سے پرے اسلام باقی نہیں رہتا''۔

(شیخ ہمدانی فرماتے ہیں) اس روایت کی تعلیم کے مطابق ہاتھ کے ذریعے برائی کو روکنا بطور خاص حکمرانوں پر فرض ہے جبکہ زبان کے ذریعے برائی کا مقابلہ کرنا علماء کے ذمے فرض ہے۔

خیر خواہی کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الدین النصیحة ثلاث مرات قیل لمن یارسول اللہ؟ قال، للہ ولکتابه ولائمة المسلمین وعامتهم

''دین خیر خواہی کا نام ہے (یہ بات) آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔ عرض کی گئی، کس کی خیر خواہی؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب مسلمان حکمرانوں اور عامۃ المسلمین کی خیر خواہی۔

ایک اور روایت یوں نقل کی گئی ہے:

ما من عبد یسرعیه اللہ رعیه لم یحفظها بنصیحة الا لم یجد رائحة الجنة

''جس شخص کو اللہ تعالیٰ نگران مقرر کرے اور وہ خیر خواہی کے ہمراہ اپنے فرائض کی ادائیگی نہ کرے تو ایسا شخص جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔''

غیر مسلم رعایا کے حقوق

مذکورہ سطور میں ذکر شدہ شرعی حقوق کا تعلق مسلم رعایا کے ساتھ تھا۔ اب ہم غیر مسلم رعایا کے مخصوص حقوق کا تذکرہ کریں گے کیونکہ بعض امور میں غیر مسلم رعایا کے احکام مختلف ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں چند احکام مرتب فرمائے ہیں جن کی روشنی میں مفتوحہ غیر مسلم علاقوں میں رعایا کے ساتھ طرز عمل اختیار کیا تھا۔ ہر علاقے کا والی اس بات کا

پابند تھا کہ وہ ان امور کا خاص خیال رکھے اور ان شرائط کے تحت غیر مسلم رعایا کے جان و مال کی حفاظت کا پابند ہو۔

(1) غیر مسلم، مسلمانوں کے زیر نگیں علاقوں میں اپنی نئی عبادت گاہیں تعمیر نہیں کریں گے۔

(2) اس نوعیت کی پرانی اور ویران عمارت کو از سر نو آباد کرنے کی کوشش نہیں کریں۔

(3) اگر کوئی مسلمان مسافران میں سے کسی عبادت میں داخل ہونا چاہے تو اس کو منع نہیں کریں گے۔

(4) اگر کوئی مسلمان مسافران کے ہاں بطور مہمان قیام کرتا ہے تو تین دن تک اس کی مہمان نوازی کریں گے۔

(5) کسی جاسوس کو پناہ نہیں دیں گے اور خود بھی جاسوسی نہیں کریں گے۔

(6) اگر کوئی غیر مسلم، مشرف بہ اسلام ہونا چاہئے تو اسے زبردستی روکنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

(7) غیر مسلم رعایا سے متعلق شرعی احکام کی پاسداری کریں گے۔

(8) مسلمانوں کا احترام کریں گے۔

(9) مسلمانوں کے مخصوص لباس کے ساتھ مشابہت رکھنے والا لباس نہیں پہنیں گے۔

(10) مسلمانوں کے نام نہیں رکھیں گے۔

(11) گھوڑے پر زین اور لگام کے ہمراہ سوار نہیں ہوں گے۔

(12) اپنے پاس ہتھیار نہیں رکھیں گے۔

(13) نگینے یا مہر والی انگوٹھی نہیں پہن سکیں گے۔

(14) شراب نوشی، یا شراب فروشی کھلے عام نہیں کر سکیں گے۔

(15) اپنے رسوم و رواج کی اشاعت کی کوشش نہیں کریں گے۔

(16) اپنا مخصوص لباس پہنیں گے۔

(17) اپنی الگ بستی تعمیر کریں گے۔

(18) اپنے مردوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کریں گے۔

(19) وفات پر بلند آواز میں ماتم نہیں کریں گے۔

(20) مسلمان غلام کو نہیں خریدیں گے۔

اس حکم نامے کے آخر میں یہ بات تحریر کی تھی۔

اگر غیر مسلم رعایا کا کوئی فرد ان میں سے کسی ایک شرط کی بھی خلاف ورزی کرے تو وہ امان کا مستحق نہیں رہے گا اور اگر اجتماعی طور پر غیر مسلم رعایا انہیں قبول کرنے سے انکار کردے تو ان کے خلاف جنگ شروع کردی جائے گی۔ ہدایت پر گامزن رہنے والے لوگ سدا سلامت رہیں گے۔

چھٹا باب

روحانی سیاست

اس باب میں معنوی سلطنت، انسانی خلافت اور روحانی سیاست کے اسرار و کیفیات کی تشریح کی جائے گی اور جسم کی مملکت کی تعمیر و تخریب، حسی ولایت کے تغیرات کا نفسی خلافت کے اسرار سے تعلق واضح کیا جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ فَمَنْ کَفَرَ فَعَلَیْهِ کُفْرُهٗ

(اس ذات نے تمہیں زمین میں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے پس جو اس کا انکار کرے گا (تو اس انکار کا وبال) اسی پر ہو گا)

(شیخ ہمدانی فرماتے ہیں) اس باب مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں تمہارے اپنے وجود کی مملکت میں اپنا نائب بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جو کچھ بھی پیدا فرمایا ہے ان سب کا نمونہ انسانی جسم میں ودیعت فرما دیا ہے لہٰذا جو شخص اس نعمت کی ناشکری کرے گا اور اس نعمت کے آفتاب کو اپنی جہالت کی گرد میں چھپانے کی کوشش کرے گا تو اس کفر کا وبال آخر اسے خود ہی بھگتنا پڑے گا۔

ہر شخص نگران ہے

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته

(تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور اس سے نگرانی کے بارے سوال کیا جائے گا)

(شیخ ہمدانی فرماتے ہیں، اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ) تم میں سے ہر ایک شخص اپنے وجود کی مملکت کا حکمران ہے اور ہر ایک سے اس کے وجود کی مملکت کی رعایا کے بارے میں پوچھ گچھ کی جائے گی۔

معزز قارئین: انسان کا وجود کائنات کا مغز اور نچوڑ ہے، یہی وجہ ہے کہ اہل علم کے نزدیک انسانی وجود ایک عالم صغیر (چھوٹی کائنات) کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عرش معلیٰ سے لے کر تحت الثریٰ تک جو کچھ بھی پیدا فرمایا ہے، سب کا نمونہ انسانی وجود میں رکھ دیا ہے بلکہ وہ شے جو زمین و آسمان کی وسعت میں بھی نہیں سما سکی، وہ انسان کے قلب میں رکھ دی گئی۔

عالم صغیر اور عالم کبیر

(جیسا کہ ایک حدیث قدسی کے مطابق) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ماوسعتنی ارضی ولاسمائی ووسعنی قلب عبدی المؤمن التقی النقی

(ہماری معرفت) زمین و آسمان میں نہیں سما سکتی مگر وہ میرے پاک وصاف اور پرہیزگار مومن بندے کے دل میں سما جاتی ہے۔ (ظاہری طور پر) انسانی وجود کی مملکت اگرچہ عالم صغیر ہے لیکن باطن کے اعتبار سے اس کی حیثیت عالم کبیر کی سی ہے۔ لہٰذا ایک کامل انسان کے وجود کی مملکت کی وسعت اور اس کی روح کے اسرار کی تفصیلات بیان کرنے کی یہ کتاب متحمل نہیں ہو سکتی لیکن ہم یہاں سلطنت صوری اور سلطنت معنوی میں موجود چند یکساں امور کی مشابہت کی وضاحت کریں گے۔ لہٰذا آپ سب سے پہلے یہ نکتہ ذہن نشین کر لیں کہ جس طرح دنیا کی محدود اور فنا ہو جانے والی کسی بھی مملکت میں حکومت کے اراکین ہوتے ہیں۔ وزراء، نائبین، کوتوال، قاضی اور دیگر انتظامی اراکین کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کے بغیر حکومت کرنا ممکن نہیں ہوتا اسی طرح انسانی جسم کے اندر روح اس وقت تک حکومت نہیں کر سکتی جب تک اس کے ضروری مددگار نہ ہوں کیونکہ انسان کی خوش بختی اور بدبختی کے آثار ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں اس لئے جو شخص آخرت میں ابدی سعادت کے حصول کا خواہش مند ہو اسے چاہئے کہ وہ ان تمام حقائق میں سے ہر ایک حقیقت کے ثبت

اور منفی پہلوؤں سے آگاہی حاصل کرے کیونکہ یہ ایک طے شدہ فطری اصول ہے کہ کسی بھی مملکت کا حکمران جب تک معاشرے کے مثبت اور منفی رجحانات رکھنے والے افراد کے درمیان تمیز نہیں کرے گا اس وقت تک مملکت فتنہ وفساد سے محفوظ نہیں رہ سکتی۔لہٰذا انسان جسم کی مملکت سے متعلق چند حیوانی اور روحانی قوتوں سے متعلق مختصر تفصیلات ہم یہاں بیان کریں گے تا کہ روح انسان کے جسم کے اندر اپنے معاونین سے آگاہ ہو سکے اور انسان کے جسم کے اعضاء جو درحقیقت رعایا اور عوام کی حیثیت رکھتے ہیں وہ روح کے احکام پر عمل پیرا ہو سکیں۔

روح نائب ہے

معزز قارئین: اللہ تعالیٰ آپ کو حقائق اور اسرار کا فہم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو اپنے نیک اور پرہیزگار بندوں میں شامل فرمائے۔ یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ اللہ تعالیٰ نے روح کو انسانی جسم کی مملکت میں اپنا نائب مقرر کیا ہے اور اس مملکت (یعنی انسانی جسم) کے عین درمیان اس خلیفہ کی رہائش مقرر کی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (ص195)

''بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے قلوب اور تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے۔''

یہ بات طے شدہ ہے کہ جب کوئی کسی کو اپنا نائب مقرر کرتا ہے تو اس کی نظر ہمیشہ اپنے نائب کی جائے قیام پر ہوا کرتی ہے۔

(تو بالواسطہ طور پر ثابت یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نائب کا مقام دل قرار دیا ہے۔)

(یاد رکھیں) یہاں دل سے مراد گوشت کا وہ مخصوص لوتھڑا نہیں ہے، جو انسانی سینے کے اندر بائیں جانب موجود ہوتا ہے کیونکہ گوشت کا یہ ٹکڑا تو تمام حیوانات میں پایا جاتا ہے یہاں دل سے مراد ایک لطیف شے ہے جس میں بے شمار اسرار موجود ہیں۔ یہاں بہت سے غیوب اور شہادت کا علم موجود ہے اور گوشت کا جو ٹکڑا ہمارے سینے میں بائیں جانب موجود ہے یہ اس لطیف شے کے تصرف اور تدبیر کا مقام ہے۔ یہ لطیف شے نفس اور روح سے مل کر پیدا

ہوتی ہے۔اس لئے وقتی نسبت کے اعتبار سے اسے نفس کے ساتھ مشابہت اور کیونکہ اس کی اصل روح ہے اس لئے یہ روح سے بھی مانوس ہوتا ہے۔ جب اس کی توجہ روح کی طرف مبذول ہوتی ہے تو اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اسرار اور روحانی انوار کی بدولت منور ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں یہ ارکان احکام کو عمدگی سے قبول کر لیتا ہے اور اس قبولیت کے آثار انسان کے اعضا پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ انسان مکمل طور پر ایک متقی اور پرہیزگار شخص بن جاتا ہے لیکن اس کے برعکس جب اس لطیف شے کی توجہ نفس کی طرف مبذول ہوتی ہے تو انسان کی طبیعت پر نفسانی خواہشات اور حیوانی قوتیں غلبہ پا جاتی ہیں جسکے نتیجے میں اس لطیفے کا آئینہ تاریک ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس پر اس قدر گردوغبار چھا جاتا ہے کہ اس گرد میں اس کی صفائی چھپ جاتی ہے اور اس میں روحانی فیوض و برکات حاصل کرنے کی صلاحیت (وقتی طور پر) ختم ہو جاتی ہے۔اس حالت میں انسانی جسم کے اعضاء پر نافرمانی کا رنگ غالب آ جاتا ہے جس کے نتیجے میں انسان گناہوں کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (ص196)

''بے شک انسانی جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا موجود ہے اگر وہ ٹھیک رہے تو تمام جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ خبردار (گوشت کا وہ ٹکڑا دل ہے)''

وزیرِمملکت: کسی بھی سلطنت کے امور مملکت کو چلانے کے لیے وزیر کی موجودگی ضروری ہے۔اسی طرح جسم انسانی کی مملکت کے نظام کی اصلاح کے لیے خلیفہ روح کو ایک وزیر کی ضرورت درپیش ہوتی ہے جسے عقل کہا جاتا ہے جو آخرت میں ابدی سعادت کے حصول کی تدبیر کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وزیر کے لیے جسم کی مملکت کے سب سے بلند ترین مقام کو جائے قیام قرار دیا ہے جسے دماغ کہتے ہیں۔

مخلوق کی پانچ اقسام

عالم شہادت میں موجود تمام مخلوقات کا تعلق مندرجہ ذیل پانچ میں سے کسی ایک قسم کے ساتھ ضرور ہوگا۔

1- وہ اشیاء جنہیں دیکھا جا سکے۔
2- وہ اشیاء جنہیں سونگھا جا سکے۔
3- وہ اشیاء جنہیں سنا جا سکیں۔
4- وہ اشیا جنہیں چھو سکیں۔
5- وہ اشیاء جنہیں چکھا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت دماغ کے محل میں پانچ جھروکے مقرر فرمائے ہیں جن میں سے ہر ایک جھروکے سے متعلق معلومات کی آگاہی کے لیے عقل کا وزیر جھانک کر معلومات حاصل کر سکتا ہے جس طرح دنیا میں عام طور پر بادشاہ لوگ ہر ایک صوبے کے لیے اپنا گورنر مقرر کرتے ہیں جو صوبے سے متعلق تمام معلومات مرکز خلافت تک پہنچاتے ہیں اسی طرح خلیفہ روح کے بھی پانچ نگران ہیں جو اپنے اپنے صوبے سے متعلق تمام معلومات مرکز خلافت تک پہنچانے کے ذمہ دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دماغ کی دہلیز پر حس مشترک نامی نگران کو تعینات فرمایا ہے جو ان تمام معلومات کو حاصل کر کے خیال کے دفتر میں جمع کروا دیتا ہے۔ خیال کا یہ دفتر دماغ کی دوسری منزل پر واقع ہے۔ یہاں سے تمام معلومات دماغ کی تیسری منزل پر موجود شعبہ ''حافظ'' کے سپرد کر دی جاتی ہیں تاکہ انہیں ضائع ہونے سے محفوظ رکھا جا سکے۔ چوتھی منزل پر وقف ذاکرہ کا پہرہ ہے جس کی حیثیت وزیر عقل کے سیکرٹری کی سی ہے۔ پھر تمام معلومات وزیر عقل کے سامنے پیش کر دیتا ہے پھر وزیر عقل کے حکم سے قاضی عدل ان تمام امور کی ہدایت اور عقلمندی کے ترازو میں رکھ دیتا ہے اور اپنی فطری ذہانت و استعداد کی مدد سے نیک اعمال کے کھرے اور اعمال بد کے کھوٹے سکوں کے درمیان تمیز پیدا کر دیتا ہے اور پھر نتیجہ اخلاص کی فائل میں رکھ کر خلیفہ روح کی خدمت میں پیش کر دیتا ہے پھر خلیفہ روح ان پاکیزہ اعمال کے ذریعے بارگاہ رب العزت میں مرتبہ و مقام کے حصول کا مستحق قرار پاتا ہے اور پھر ان اعمال کو خزانہ غیب کے خزانچی علم قدیم کے ریکارڈ میں بطور امانت محفوظ کر لیتے ہیں کیونکہ (قرآن نے کہا ہے)

ص آیت 198

’’(قیامت کے دن صرف اعمال ہی کام آئیں گے) اس دن مال یا اولاد نفع نہیں دے گی۔‘‘

اس لئے یہی نیک اعمال بروز قیامت انسان کی نجات کا باعث بنیں گے۔

عمل کے دس مراحل

معزز قارئین! انسان جو بھی نیک عمل کرتا ہے، آغاز سے لے کر قبولیت تک وہ عمل 10 مختلف مراحل سے گزرتا ہے جس میں سے ہر ایک مرتبہ و مقام ایک مخصوص فرشتے کے ساتھ مختص ہے۔ اس مقام سے متعلق امور کی تدبیر اسی مخصوص فرشتے کے سپرد ہے جس کی تفصیل درج ذیل میں ہے:

(1) پہلا مرحلہ: ان مراحل میں سے پہلے مرحلے کو ہم متفرقات قرار دے سکتے ہیں کیونکہ جب تک اعمال کے حقائق حواس خمسہ کی ولدیت میں موجود ہیں اس وقت تک ہر ایک حس اپنے محدود دائرے میں عمل کرتے ہوئے صرف معلومات کا ادراک کرتی ہے۔ کوئی ایک حس کسی دوسری حس کے حصے کا کام سرانجام نہیں دے سکتی۔ ان پانچوں حواس میں سے ہر ایک حس کے لیے ایک مخصوص فرشتہ مقرر ہے اور فرشتوں کی خصوصیت یہ ہے کہ انہیں جس مقصد اور کام کے لیے تخلیق کیا گیا وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے کام یا مقصد سے کوئی واقفیت نہیں رکھتے۔

قرآن نے اسی حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ

’’اور ہم میں سے ہر ایک (فرشتے) کا مخصوص مقام ہے۔‘‘

(2) دوسرا مرحلہ: دوسرے مرحلے کا تعلق محسوسات کے ساتھ ہے، جب حواس پر متعین موکل معلومات اکٹھی کر لیتے ہیں تو ان معلومات کو اپنے نگران حس مشترک تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس حس کو حس مشترک اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ پانچویں حواس سے متعلق جملہ امور کے ادراک کی صلاحیت رکھتی ہے۔

(3) تیسرا مرحلہ: جس وقت اعمال حس مشترک کی منزل سے گزر کے خیال کہ دفتر

تک پہنچتے ہیں اس وقت انہیں مخیلات کہا جاتا ہے۔اس مقام پر فائز فرشتے عالم غیب اور عالم شہادت کے درمیان رابطے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔

(4) چوتھا مرحلہ: جس وقت حفظ کی قوت، خیال کے دفتر سے ان معلومات کو حاصل کر کے محفوظ کر لیتی ہے اس وقت ان معلومات کو محفوظات کہا جاتا ہے۔

(5) پانچواں مرحلہ: جس وقت قوت ذاکرہ معلومات کے اس ذخیرے کے وزیر عقل کے سامنے پیش کرتی ہے اس وقت انہیں مذکورات کہا جاتا ہے۔

(6) چھٹا مرحلہ: جس وقت یہ معلومات وزیر عقل کے سامنے حاضر ہوتی ہیں اس وقت انہیں معقولات کا نام دیا جاتا ہے۔

(7) ساتواں مرحلہ: جس وقت قاضی عدل ان میں سے حق و باطل کو جدا جدا کر دیتا ہے اس وقت انہیں زاکیات کہا جاتا ہے اور اس مقام پر ملاء اعلیٰ سے تعلق رکھنے والے چار فرشتے تعینات ہوتے ہیں۔

(8) آٹھواں مرحلہ: جس وقت یہ وزیر عقل کے دفتر سے نکل کر خلیفہ روح کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اس وقت انہیں روحانیات کہا جاتا ہے۔

(9) نواں مرحلہ: جب ان اعمال کو بارگاہ ربّ العزت کے دربان فرشتے، بارگاہ خداوندی میں پیش کرنے کے لیے اپنے قبضے میں لیتے ہیں اس وقت انہیں ملکوتیات کہا جاتا ہے۔

(10) دسواں مرحلہ: جب ان اعمال کو خزانہ غیب کے ریکارڈ میں جمع کر دیا جاتا ہے اس وقت انہیں اسرار کہتے ہیں۔

(قرآن کہتا ہے)

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ

''یہ علم رکھنے والے، زبردست (پروردگار کا مقرر کردہ) نظام ہے۔''

اس ترقی کا تعلق ان اعمال کے ساتھ ہے جن کا تعلق حقوق اللہ کے ساتھ ہے لیکن جو عمل حقوق العباد سے متعلق ہو اس میں اگر ظلم کا شائبہ بھی شامل ہو جائے خواہ وہ ایک خیال یا

لفظ کی شکل میں ہی کیوں نہ ہو ایسے عمل کو خزانہ خیال میں قید کر دیا جاتا ہے اور عالم ملکوت کے دروازے اس پر بند کر دیئے جاتے ہیں۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ

"ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ ہی وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کے اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے گا۔"

علم کی تین صورتیں

مذکورہ بالا تمام بحث کا تعلق اعمال کے ساتھ تھا۔ علم کا حکم ذرا مختلف ہے۔ علم کی تین صورتیں ہیں۔

معلومات کا تعلق عالم ناسوت سے ہوگا یا پھر عالم ملکوت سے ہوگا یا عالم لاہوت سے ہوگا۔

ہر عالم سے متعلق معلومات اسی عالم تک محدود رہیں گی عالم ناسوت سے متعلق معلومات کا عالم ملکوت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح عالم ملکوت سے متعلق معلومات کا عالم لاہوت سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق علم کائنات کے جملہ علوم سے بلند و برتر ہے کیونکہ کائنات سے متعلق علوم ممکن اور حادث ہوں گے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات امکان اور حدث سے پاک ہے اور اس علم سے آگاہ ہونے والا معرفت الٰہی کی نسبت سے دیگر علوم کے ماہرین سے افضل و اعلیٰ قرار پاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۝ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۝

"اندھا اور بینا برابر نہیں ہیں، نہ ہی تاریکیاں اور نور اور نہ ہی سایہ اور گرمی (برابر ہیں)"

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِ الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ

''تم کہہ دو کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوسکتے ہیں۔ بے شک عقل مند لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔''

شیخ رازی کا بیان

شیخ یحییٰ معاذ رازی فرماتے ہیں:

''توحید کا ایک مخصوص نور ہے جس طرح شرک کے لیے ایک مخصوص آگ ہے۔ جس طرح شرک کی آگ نیکیوں کو جلا دیتی ہے۔ توحید کا نور اس سے زیادہ (شدت اور سرعت کے ساتھ) گناہوں کو جلا دیتا ہے۔''

انسان کا مقصدِ تخلیق ہی معرفت الٰہی کا علم حاصل کرنا ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

''ہم نے جن اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

(روایات کے مطابق) تورات میں یہ بات تحریر تھی:

''اے ابن آدم! میں نے تمام اشیاء تمہارے لئے پیدا کی ہیں اور تمہیں اپنے لئے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا جو میں نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے اس کے باعث تم اسے خراب نہ کرو جو میں نے اپنے لئے پیدا کیا ہے۔''

تورات کے الفاظ

حضرت کعب الاحبار روایت کرتے ہیں تورات میں یہ بات موجود ہے۔

''اے ابن آدم! اگر تم میری تقسیم پر راضی ہو جاؤ تو میں تمہارے دل و جسم کو راحت دوں گا اور تم میرے نزدیک قابل تعریف ہو جاؤ گے اور اگر تم میری تقسیم پر راضی نہیں ہوں گے تو میں تم پر دنیا مسلط کردوں گا اور تم اس طرح سرگرداں پھرو گے جیسے جانور جنگل میں گھومتے ہیں پھر مجھے اپنے جلال و عزت کی قسم ہے کہ تمہیں وہی ملے گا جو میں نے تمہاری تقدیر میں لکھا ہے لیکن تم

میرے نزدیک قابل مذمت ہو جاؤ گے۔''

اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاکِنًا

''کیا تم نے دیکھا کہ تمہارے پرودگار نے کس طرح سائے کو لمبا کر دیا اور اگر وہ چاہتا تو وہ اسے ساکن بنا دیتا۔''

یعنی اے محمد ﷺ! کیا تم نے غور کیا کہ تمہارے پروردگار نے کس طرح موجودات کے سائے امکان کے میدان میں بچھا دیئے ہیں اور قابلیت و استعداد کی زمین پر وجود کی بارش کے قطرے برسائے ہیں مادی اشیاء کو نفسانی خواہشات کا محرم بنایا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو ان سب کو خزانہ غیب میں ساکن کر دیتا اور اپنی قدرت کے تحت انہیں عدم کے پردے میں پوشیدہ رکھتا لیکن اس نے اپنی خاص حکمت کے تحت یہ چاہا کہ مظاہر ارادت کے اعیان عالم غیب و عالم شہادت کے درجات کی مختلف منازل میں ہر وقت حرکت میں رہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور وہ جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔

جب یہ بات واضح ہوگی کہ عالم شہادت میں دکھائی دینے والی اشیاء عالم غیب کے حقائق کا سایہ ہیں تو اب یہ جان لو کہ سائے کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ جتنی دیر مرضی اس کے پیچھے چلتے رہیں ایک قدم سے زیادہ سائے پر پاؤں نہیں رکھ سکیں گے لیکن اگر آپ اس سے منہ پھیر لیں تو آپ جہاں تک مرضی چلتے جائیں سایہ آپ کے پیچھے ہوگا۔

حدیثِ قدسی

ایک روایت کے مطابق ایک حدیث قدسی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے دنیا جو شخص میری خدمت کرتا ہے تو اس کی خدمت کر اور جو تیری خدمت کرتا ہے تو اسے تنگ کر۔''

معزز قارئین! یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ انسان دنیا میں جو کچھ حاصل کرتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَکٰی مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا

''اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی ایک بھی کبھی بھی کسی بھی چیز سے پاک نہ ہوتا۔''

یعنی اگر ہمارے کرم کے دریا کا فیض نہ ہوتا تو کوئی بھی وجود نہ پاتا اور اگر وجود میں آنے کے بعد ہمارا فضل شامل حال نہ ہوتا تو کوئی بھی اچھے اخلاق سے بہرہ مند نہ ہوتا۔ جب خلافت وحکومت کا مرتبہ خدا کا سایہ ہے تو حکمران میں بھی مہربانی اور عطا کی یہ صفت موجود ہونی چاہئے۔

حکمران کی چار صفات

عام طور پر حکمران چار میں سے کسی ایک صفت کے مالک ہوتے ہیں۔

(1) حاکم اپنی ذات اور رعایا دونوں کے حق میں بخیل ہو۔

(2) حاکم اپنی ذات اور رعایا دونوں کے حق میں سخی ہو۔

(3) حاکم اپنی ذات کے حق میں سخی اور رعایا کے حق میں بخیل ہو۔

(4) حاکم اپنی ذات کے حق میں بخیل اور رعایا کے حق میں سخی ہو۔

بہترین حکمران وہ ہے جو اپنی ذات اور رعایا دونوں کے حق میں سخی ہو اور بدترین حکمران وہ ہے جو اس کا الٹ ہو۔

ایک حدیث قدسی کے مطابق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''کمینہ شخص ہماری مہربانی حاصل نہیں کر سکے گا۔''

روح قدسی کی چار حالتیں

عالم معنوی کے خلیفہ یعنی روح قدسی بھی چار حالتوں سے خالی نہیں ہوتی اور علم وعمل اس خلیفہ کا وجود واحسان ہے جو جمع اور تفرقہ کا مقام ہے۔ اس کے ظاہر کی زینت عمل ہے اور اس کا باطن علم سے آراستہ ہے۔ دنیاوی حکمرانوں کی طرح اس کی رعایا کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسری باطنی۔ پھر ظاہری کی دو قسمیں ہیں ایک منفصل اور دوسری متصل۔ منفصل سے مراد عالم شہادت ہے اور متصل سے مراد اس کا جسم ہے جس پر اس کا تصرف کسی واسطے کے بغیر جاری وساری ہے اور یہ خلیفہ روح کبھی سلطنت معنوی کے احکام

جسم کی مملکت کے اطراف میں جاری کرتا ہے اور کبھی آفاق کی تختیوں پر اللہ تعالیٰ کے اسرار کی آیات کا مطالعہ کرتا ہے اور مقام جمع میں دونوں کو جمال مطلق کا آئینہ سمجھتا ہے۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ

''عنقریب انہیں آفاق میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے اور ان کے اپنے وجودوں کے اندر ہی تاکہ ان کے سامنے یہ واضح ہو جائے کہ بیشک وہ حق ہے۔''

جب یہ اپنی نظر کو بلند کرتا ہے اور غیر سے صرف نظر کر لیتا ہے تو حق کا مشاہدہ کر کے یہ پکار اٹھتا ہے:

تو مرا مونس رواں بودی — لیک از چشم من نہاں بودی
ازتو می یافتم خبر بہ گماں — چوں شدم بے خبر عیاں بودی
جانم اندر جہاں ترامی جست — تو خود اندر جہانِ جاں بودی
من خود اندر حجاب خود بودم — ورنہ بامن تودرمیاں بودی

''تم میرے غم خوار تھے مگر میری نگاہ سے اوجھل بھی تھے۔ میں تم سے گماں والی خبر حاصل کرتا تھا پھر جب میں بے خبر ہوا تو تم عیاں تھے۔ میری جان، جہان میں تمہیں تلاش کرتی تھی جبکہ تم جان کے جہان کے اندر تھے۔ میں خود ہی حجاب میں مبتلا تھا ورنہ تم میرے درمیان ہی موجود تھے۔''

باطنی رعایا کی دو اقسام

باطنی رعایا کی بھی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم میں روحانی قوتیں جیسے عقل، فہم، حفظ، ذکر، عدل، حیاء، صدق اور وفا شامل ہیں جبکہ دوسری قسم میں نفسانی قوتیں جیسے جہالت، حمایت، غفلت، خیانت، وغیرہ شامل ہیں۔ اس دوسری قسم سے متعلق افراد کو اصحاب الشمال کہتے ہیں جبکہ روحانی قوت سے متعلق افراد کی دو قسمیں ہیں۔ یعنی سابقین اور اصحاب الیمین۔

اصحاب الیمین کا تعلق مناصب اور مقامات کے ساتھ ہے جبکہ سابقین وہ اہل محبت ہیں جن کے وجود کی کشتی قدم کے دریا میں غرق ہو چکی ہے اور یہ حضرات عالم حادث سے

رہائی پا چکے ہیں۔ انہوں نے سیر الی اللہ کے دوران ماسوی اللہ کو چھوڑ دیا ہے یعنی ساری کائنات سے منہ موڑ کر اپنا رخ اللہ کی طرف کرلیا ہے۔ ان کی آنکھ غیر اللہ کو نہیں دیکھتی۔ انہوں نے دنیا کے اس فانی اسباب کو فنا کی آگ میں جلا دیا ہے اور ان کے اوراق پر اللہ کے سوا اور کوئی نام تحریر نہیں ہے۔ یہ صرف اسی راستے سے واقف ہیں جو اللہ کی طرف جاتا ہے۔ اسی لئے عوام ان کو پہنچاننے سے عاجز ہے۔ دنیادار لوگ ان تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے تاکہ ان کی تمام تر اہمیت اور عزت صرف اللہ کی بارگاہ کے ساتھ مخصوص ہے اور ہر ناپاک نظر کا غبار ان کے پاک چہرے پر نہ پڑے۔ ایک حدیث قدسی کے مطابق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اولیائی تحت قبائی لایعرفھم غیری

''میرے ولی میر قبا (خاصی رحمت) کے نیچے ہیں۔ انہیں میرے سوا کوئی پہچان نہیں سکتا۔''

اب یہ بات آپ کے سامنے واضح ہو چکی ہے کہ دنیاوی حکمران بخل اور سخاوت کے اعتبار سے چار طرح کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح خلیفہ روح کی سخاوت اور بخل کا تعلق علم اور عمل کے ساتھ ہوتا ہے تو اب یہ بات جان لیں کہ خلیفہ روح کی بھی چار کیفیات ہیں۔

روح کی پہلی کیفیت

پہلی کیفیت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے اللہ سے واقف ہوتا ہے اور اپنے اعضا کے ذریعے اللہ (کی رضا کے حصول) کے لیے عمل کرتا ہے۔ معنوی خلفاء میں سب سے زیادہ کامل یہی ہے۔ اس مرتبے کے لوگ ہر زمانے میں نہایت قلیل تعداد میں پائے جاتے ہیں اور ان کی ایک نگاہ ہی ابدی سعادت کے حصول کا پیشہ خیمہ ثابت ہوتی ہے۔

روح کی دوسری کیفیت

خلیفہ اور روح کی دوسری کیفیت یہ ہے کہ وہ مذکورہ بالا دونوں خصوصیات سے مکمل طور پر خالی ہو ایسا شخص انسان کے روپ میں شیطان ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ملنے والا بھی ابدی شقاوت کا شکار ہو جاتا ہے۔

روح کی تیسری کیفیت

خلیفہ روح کی تیسری کیفیت یہ ہے کہ اس کے پاس علم کی دولت موجود ہوتی ہے لیکن اس کے اعضا عمل کی نعمت سے محروم ہوتے ہیں۔ آخرت میں اس کی کیفیت یہ ہوگی (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

''جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے اعمال سے متعلق ان کے خلاف گواہی دیں گے۔''

اس دن رعایا کے حقوق کے بارے میں حساب لیا جائے گا۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا

''بے شک سماعت، بصارت اور دل ان میں سے ہر ایک کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

روح کی چوتھی کیفیت

خلیفہ روح کی چوتھی کیفیت یہ ہے کہ وہ اپنی پوری کوشش کے ذریعے رعایا کا نظام درست رکھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ا ، کا وجود علم کی دولت سے خالی ہوتا ہے جس کے باعث وہ معرفت کے میدان میں جہاد کرنے والوں کے ساتھ نہیں مل سکتا۔ اس کی بدقسمتی یہ ہے کہ اس کی سخاوت کا اثر رعایا تک تو پہنچ رہا ہے مگر اس کا اپنا وجود اس سخاوت سے محروم ہے اور اس بات کا اندیشہ موجود ہے کہ وہ قربِ الٰہی کی نعمت سے محروم رہے اور اس غفلت کے باعث ذلت اور رسوائی کا شکار ہو جائے تاہم اس سے وہی بچ سکتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت جس کی شامل حال ہو۔

تمام گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ وفا اور سخاوت خلیفہ کی سب سے بڑی خوبیاں ہیں جن سے صادر ہونے والے اعمال کے انوار ہمیں انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی پاکیزہ سیرتوں میں دکھائی دیتے ہیں۔

سخاوت کی فضیلت

نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا:

ان بدلاء امتی لم یدخلوا الجنۃ بصلوۃ ولابصیام ولکن دخلوھا بسخاوۃ الانفس وسلامۃ الصدور۔

بے شک میری امت کے اولیاء نماز یا روزے کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوں گے بلکہ وہ سخاوت اور قلبی سلامتی کے باعث جنت میں داخل ہوں گے۔''

خلیفہ کی سب سے افضل سخاوت یہ ہے کہ جو کچھ اس کی ملکیت اور تصرف کے اختیار سے باہر ہو اس کی طرف توجہ بھی نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق میں ڈھونڈنے کی کوشش نہ کرے۔ یہ حقیقت ہر وقت پیش نظر رکھے کہ اس کی ذات اس کی اپنی بنائی ہوئی نہیں ہے۔ اسے اپنے وجود کی موجودگی یا عدم موجودگی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

چیزے کہ وجود او بخود نیست ہستیش نہادن از خرد نیست
ہستی کہ بحق قیام دارد او نیست ولیک نام دارد

''جس چیز کا وجود بذات خود نہ ہو اسے موجود ماننا عقل مندی نہیں ہے جو وجود حق تعالیٰ کے باعث قائم ہو وہ درحقیقت موجود نہیں ہے بلکہ صرف برائے نام موجود ہے۔''

حدیثِ قدسی

ایک حدیث قدسی کے مطابق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''بے شک اس دین سے میں راغب ہوں، سخاوت اور حسن اخلاق کے بغیر اس میں بہتری نہیں آ سکتی لہٰذا جہاں تک ہو سکے ان صفات کو اپنانے کی کوشش کرو۔''

سخاوت کے تین پہلو

سخاوت کے تین پہلو ہیں۔ افراط، تفریط اور اعتدال اور اس کی حقیقت بال سے زیادہ

باریک ہے جس سے ہر شخص آگاہ نہیں ہوسکتا۔ اکثر دولت مند لوگ افراط کا شکار ہو کر فضول خرچی پر اتر آتے ہیں جو قابل مذمت ہے چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَاتُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا، اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ

''فضول خرچی نہ کرو بے شک فضول خرچی کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں۔''

یعنی جو خرچ اللہ کی رضا کے حصول کے لیے نہ ہو اس میں فضول خرچی نہ کرو کیونکہ جو لوگ نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے سخاوت کے باعث ریاکاری اور جھوٹی شہرت کے حصول کی کوشش کرتے ہیں وہ شیطان کے بھائی ہیں۔ سخاوت کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد چیز کسی مستحق کے استحقاق کے مطابق اس پر خرچ کی جائے بخل کا معاملہ اس سے برعکس ہے سخاوت میں زیادتی افراط ہے جسے فضول خرچی کہا جاتا ہے اور اس میں کمی تفریط ہے جسے کنجوسی کہا جاتا ہے یہ دونوں ہی مذموم ہیں۔ اعتدال اور میانہ روی ہی بہتر ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

توسط اذا ماشئت امرا فانه ۔۔۔ کلا طرفی قصد الامور ذمیم

''جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو میانہ روی اختیار کرو کیونکہ دونوں کندے یعنی افراط و تفریط قابل مذمت ہیں۔''

میانہ روی کی فضیلت

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

خیر الامور اوسطها

''سب سے بہترین کام میانہ روی والا ہے۔''

نبی اکرم ﷺ کا جود و سخا

حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں۔

بينما نحن عند رسول الله صلى الله عليه واله وسلم اذاجاء صبي فقال ان امي تستكسيك درعا فقال صلى الله عليه واله وسلم

اصبر من ساعة الی ساعة تطهر ثم عدالینا فذهب الی امه فقالت له قل ان امی تستکسیك الدرع الذی علیك فدخل رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه والہ وسلم دارہ فنزع قمیصه واعطاہ وقعدعریانا فاذن بلال واقام ولم تستطع ان یخرج من العرٰی فنزل قوله تعالٰی وَلَا تَجۡعَلۡ یَدَكَ مَغۡلُوۡلَةً اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا کُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا۔

''ایک دن ہم بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے۔ ایک بچہ آیا اور اس نے عرض کی یارسول اللہ! میری والدہ آپ سے قمیص مانگ رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا تم کچھ دیر بعد آنا وہ بچہ اپنی والدہ کے پاس واپس چلا گیا تو اس نے بچے سے کہا تم واپس جا کر یہ عرض کرو۔ میری والدہ وہ قمیص مانگ رہی ہیں جو آپ نے پہن رکھی ہے۔ نبی کریم ﷺ اپنے گھر تشریف لے آئے اور وہ قمیص اتار کر اس بچے کو دے دی اور خود قمیص پہنے بغیر تشریف فرما ہو گئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی پھر امامت بھی کہہ دی لیکن آپ قمیص نہ ہونے کے باعث مسجد میں تشریف نہیں لائے تو اس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

''اور اپنے ہاتھوں کو گردن کے پیچھے نہ باندھ لو اور نہ ہی اتنا کشادہ کر لو کہ بعد میں بیٹھے رہو۔''

سنت الٰہی یہ ہے کہ ہر نعمت کسی تکلیف سے متعلق ہوتی ہے اور ہر دولت کسی آفت کے دامن میں ہوتی ہے تاکہ جہلاء نعمت کی کثرت کے باعث سرکش نہ ہو جائیں کیونکہ اکثر اوقات فراخی ظلم و زیادتی کا سبب بنتی ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوۡ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزۡقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوۡا فِی الۡاَرۡضِ

''اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے رزق کو کشادہ کر دے تو وہ زمین میں باغی ہو جائیں۔''

اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَیَطۡغٰۤی اَنۡ رَّاٰهُ اسۡتَغۡنٰی

''بیشک انسان سرکش ہو جاتا ہے جب وہ خود کو غنی دیکھتا ہے۔''

آفات کے تازیانے

لہٰذا حقیقت کے اعتبار سے مصائب اور آفات وہ تازیانے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ جانوروں کی سی خصلت رکھنے والے انسانوں کو ادب سکھاتا ہے اور شیطان کی سی سیرت رکھنے والے جاہلوں کو جفا کے راستے سے ہٹا کر وفا کے راستے پر لاتا ہے اور سچے مومنین کے دلوں سے دنیا کی محبت کو ختم کر دیتا ہے۔ جو درحقیقت ساری بدبختی کی بنیاد ہے۔

روح کا بدنیت دشمن

جس طرح دنیاوی حکومت کو دشمن اور مخالفین سے خطرہ درپیش ہوتا ہے اسی طرح جسمانی مملکت میں خلیفہ روح کا ایک بدنیت دشمن موجود ہے جسے خواہش نفس کہا جاتا ہے۔ اسی طرح خلیفہ روح کا ایک وزیر ہے جسے عقل کہا جاتا ہے۔ ایک نائب ہے جسے احتیاط کہا جاتا ہے۔ ایک نگران ہے جسے فکر کہا جاتا ہے۔ ایک سیکرٹری ہے جسے حفظ کہا جاتا ہے، ایک پیشکار ہے جسے ذکر کہا جاتا ہے، ایک قاصد ہے جسے سچائی کہا جاتا ہے، ایک ساتھی ہے جسے قلب کہا جاتا ہے اور ایک لشکر ہے جسے قوائے روحانی کہا جاتا ہے۔ خلیفہ روح کے مخالف یعنی خواہش نفس کا بھی ایک وزیر ہے جسے وہم کہا جاتا ہے ایک نائب ہے جسے فریب کہا جاتا ہے، ایک دربان ہے جسے تسویف کہا جاتا ہے، ایک قاضی ہے جسے دھوکہ کہا جاتا ہے، ایک نگران ہے جسے غدر کہا جاتا ہے، ایک پیشکار جسے لالچ کہا جاتا ہے، ایک سیکرٹری ہے جسے آرزو کہا جاتا ہے، ایک قاصد ہے جسے جھوٹ کہا جاتا ہے، ایک ساتھی ہے جسے گھمنڈ کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ ایک لشکر بھی ہے جسے قوائے حیوانی کہا جاتا ہے۔ اہل کشف کے نزدیک فرشتے اور شیاطین میں دو لشکر ہیں اور انسان کے بالغ ہونے سے لے کر قبر میں پہنچنے تک ان دونوں کی جنگ جاری رہتی ہے۔ دونوں میں سے ہر ایک اپنے حاکم کی بالادستی اور مخالف کو نیچا دکھانے کے لیے کمربستہ رہتا ہے۔

ان دونوں لشکروں کے غلبے اور مغلوبیت کے اعتبار سے انسانوں کی پانچ قسمیں ہیں:

محفوظ مومن، کافر مشرک، منافق غادر، عاصی مصر، فاسق متلون۔

(1) مومن محفوظ:

اس سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی تائید اور عنایت کے تحت نفسانی خواہشات کے لشکر سے جہاد کر کے ان پر فتح حاصل کرے اور وہ اور عقل کو اپنے جسم کی مملکت کے تمام ظاہری و باطنی امور کا حاکم اور وزیر بنا دے۔ اللہ کے گروہ یعنی روحانی قوتوں کو فتح یاب کرے اور شیطانی لشکر کو مغلوب کر دے۔ نفسانی خواہشات کے دباؤ کو پامال کر دے اور اپنے جسم کی مملکت کو علم، عمل، احسان اور اطاعت سے معمور کر دے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

ترجمہ: یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے یہ عطا کر دے۔

(2) کافر مشرک:

اس سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ کے لشکر کو ختم کر کے عقل اور روح کو نفسانی خواہشات کا غلام بنا دے اور اپنے جسم کی مملکت کو شیاطین کے سپرد کر کے ابدی شقاوت کے اسباب فراہم کر دے اور اپنے لئے ابدی سعادت کے تمام دروازے بند کر لے۔

ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ مُّبِيْنٌ

''بہت واضح نقصان ہے۔''

(3) منافق غادر:

اس سے مراد وہ شخص جو اپنے باطن کا حاکم نفسانی خواہشات کو بنا دے جبکہ ظاہری اعضا کو عقل کے سپرد کر کے لوگوں کو فریب دینے کی کوشش کرے لیکن خود شیطان کا ساتھی ہو۔212

اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّار

''بے شک منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔''

(4) عاصی مصر:

اس سے مراد وہ شخص ہے جو عقل اور روح کو اپنے باطن کا حاکم بنائے لیکن ظاہر کو نفسانی

خواہشات کے سپرد کردے تاکہ اس کے اعضا جسمانی لذات کی چراگاہ میں آزادی سے گھوم سکیں۔

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝

''انہیں چھوڑ دو وہ کھائیں اور مزے اڑائیں اور انہیں امید فریب کا شکار کر دیں اور عنقریب انہیں پتہ چل جائے گا۔''

(5) فاسق متلون:

سب سے زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہوتی ہے یہ شخص دونوں لشکروں کے غلبے اور مغلوبیت کے دوران ادھر سے ادھر بھٹکتا رہتا ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا

''دوسرے وہ لوگ ہیں جو اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیں اور برے اعمال کے ساتھ نیکیاں بھی کرتے رہیں۔

آخرِ شب کی دُعا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ینزل اللّٰہ تبارک و تعالٰی الی سماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الاخر فیقول من یدعونی ماتستجیب له ومن یسئلنی فاعطیه مسئوله ومن یستغفرنی فاغفر له

''ہر رات کے تیسرے پہر میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں۔ کون مجھ سے سوال کرتا ہے کہ اسے عطا کرو۔ کون مجھ سے بخشش طلب کرتا ہے کہ میں اسے بخشش دوں۔''

اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت افق اعلیٰ سے آسمان دنیا پر نازل ہوتی ہے اور کرہ ارض پر بسنے والے پریشان حالوں کو لطف وعنایت کے خطاب سے سرفراز کرتی ہے اور بارگاہ قدم سے یہ ندا کرتی ہے

کہ اے غفلت کا شکار لوگو! ہم نے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے ہیں کون ہے جو زبان حال اور صدق مقال سے اپنی کوئی حاجت ہماری بارگاہ میں پیش کرے تاکہ ہم اس کی حاجت کو پورا کریں۔ کون ہے جو ہمارے کرم کے خزانے سے کچھ لینے کا تمنائی ہو کہ ہم اسے عطا کریں اور کون ہے جو اپنے برے اعمال پر شرمندہ ہو اور اپنے برے اقوال کو ہماری ستاری کی پناہ میں داخل کرنا چاہئے کہ ہم اس کی رسوائی کی حلم کے ذریعے پردہ پوشی کریں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں ایک دفعہ کشف کے دوران میں بارگاہ ربّ العزت میں حاضر ہوا اور میں نے اللہ تعالیٰ کا بے مثل کلام سنا۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا تم ہماری باررگاہ میں کیا لائے ہو؟ میرے دل میں اپنے بعض نیک اعمال کا خیال آیا کہ ادھر سے عتاب نازل ہوا اے مسکین! تمہاری یہ ذرا سی جمع پونجی ہماری بارگاہ کی عظمت کے سامنے بالکل بے قیمت ہے اور تمہاری سوچ بالکل غلط ہے۔ ہماری بارگاہ میں گریہ وزاری، چہرے کی زردی، دل کا درد، پرنور چہرے اور فرشتوں کے اسرار کی قیمت ہے۔ ہماری عنایت کا مشروب گمراہی کے جنگل میں بھٹکنے والے پیاسوں کو سیراب کرنے کے لیے تیار ہے اور ہماری عنایت کا مرہم جدائی کے زخم اٹھانے والوں وتلاش کر رہا ہے۔

ہر کہ آتش شوقم رہ بالا گیرد — قوت جانم ہمراز نور تجلی گیرد
سوز او مجلس سکان فلک گرم کند — نور اور مملکت عالم والا گیرد
گرچہ انوار ملک از ہمہ والاست دلیک — سوز دردم رہ بالا بالا گیرد
چہ اثر یابد ازاں سر دل ہر بے خبرے — زانکہ ازعکس تجالی تو در ما گیرد

”جب میرے شوق کی آگ بلند ہوتی ہے تو میری جان کی غذا تجلی کے نور سے سیراب ہوتی ہے۔ اس آگ کا سوز آسمان میں بسنے والوں کی مجلس کو گرم کرتا ہے اور اس آگ کی روشنی عالم بالا کی مملکت تک پہنچ جاتی ہے۔ اگرچہ فرشتے کے انوار سب سے بلند ہوتے ہیں مگر میرے درد کا سوز اس سے بھی بلند تر ہے۔ کسی بے خبر انسان کا دل اس راز سے کیا اثر لے گا کہ بڑی تجلی کا عکس میرے اندر موجود ہے۔“

معزز قارئین! جس طرح حکمران اپنی سلطنت قائم اور باقی رکھنے کے لیے اپنی پوری کوشش صرف کرتے ہیں اور اپنی جسمانی صحت کو برقرار رکھنے کے لیے تمام طبعی فوائد کا خیال رکھتے ہیں موسمی تبدیلیوں کے ساتھ موافق غذا کی پابندی کرتے ہیں اسی طرح خلیفہ روح جو سانوسی بادشاہ ہے اس کی صحت اور ہدایت کے لیے نہایت ضروری ہے کہ موسم کی تبدیلی کے ساتھ اس کی روحانی غذا کا خیال رکھا جائے تا کہ اسکی ذات جہالت اور غفلت کی گندگی سے محفوظ رہے۔

موسم بہار:

یہ موسم گرم اور تر ہوتا ہے جو زندگی کا مزاج ہے اس موسم میں تمام حیوانات اور نباتات میں طبعی حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ حیوانی نفس حرکت، پیڑ، باغ، نہر پھول اور کلیوں کو دیکھنے کا تقاضا کرتا ہے۔ ایسے وقت انسان کو چاہئے کہ اپنے اختیار کی لگام کار نفس کے ہاتھ میں نہ دے اور عقل کے وزیر کو یہ حکم دے کہ وہ فکری قوت کے نگران کو آیات قرآنی و احادیث نبوی میں غور وفکر کرے اور ان کے معانی کے انوار کی مدد سے اپنی روحانی قوت میں اضافہ کرے۔ اپنی سوچ کو عبرت حاصل کرنے کی طرف متوجہ کرے اور دنیا سے پہلو تہی کرتے ہوئے وحدت کے معارف کی شاہراہ پر آجائے۔ نفسانی تو غیبات کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کی طرف متوجہ کرے جیسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سمجھانے کے لیے ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَ الْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ ازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

”بے شک دنیاوی زندگی کی مثال اس پانی کی مانند ہے جسے ہم آسمان سے نازل کرتے ہیں اور اس میں زمین کی نباتات مل جاتی ہیں جن میں سے انسان اور جانور کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ زمین شاداب ہو جاتی ہے اور اس کے

مالک یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس پر قادر ہیں پھر اس پر ہمارا حکم دن یا رات میں کسی بھی وقت آ جاتا ہے اور ہم اسے تباہ کر دیتے ہیں گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں فکر کرنے والوں کے لیے ہم اسی طرح آیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔''

غافل لوگوں کا دنیا کی آسائش کی طرف اسی طرح میلان ہوتا ہے جیسے احمق لوگ موسم بہار میں مزے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جبکہ ہم اپنی کامل قدرت کے تحت تاریک اور بنجر زمین پر پانی نازل کر کے اسے چند دن کے لیے سرسبز وشاداب کر دیتے ہیں تا کہ انسان اور حیوان اپنا رزق حاصل کر سکیں۔ پھر ہماری نعمت کی کثرت کو دیکھ کر کچھ لوگ فریب کا شکار ہو جاتے ہیں کہ وہ خود ہی ان سب خزانوں کے مالک ہیں وہ یہ نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ کے قہر کا ایک شعلہ ان سب چیزوں کو جلا کر راکھ کر سکتا ہے۔ یہ تبدیلیاں ارباب فکر وبصیرت کے لیے واضح اور روشن نشانیاں ہیں لہٰذا طالب صادق کو چاہیے کہ وہ موسم بہار میں ہوا اور اس کے اثرات کو دیکھ کر جنت کی نعمتوں کے بارے میں سوچے تو جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○

''(اس جنت میں) وہ سب کچھ ہوگا جس کی ان میں خواہش ہوگی اور جس سے ان کی آنکھیں لذت حاصل کریں گی اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔''

طالب صادق کو چاہیے کہ وہ موسم بہار میں جھوٹی آرزوؤں کے سامان کو سیراب کے راستے سے ہٹا لے اور دنیا کے گندے مردار کو لالچ اور حسد کے کتوں کے حوالے کر دے۔ بہار کے موسم خلیفہ روح کی غذا یہی ہے۔

<u>موسم گرما:</u>

اسے فارسی میں تابستان کہتے ہیں۔اس کی طبیعت آگ کی طرح گرم اور خشک ہے۔ اس موسم میں خلیفہ روح اور وزیر عقل کی پوری توجہ بڑھاپے کے حالات یعنی ضعف کے غلبے کے باعث عاجزی اور نیک اعمال کی ادیگی میں کمزوری پر غور کرنے کی طرف مبذول

کرے۔ اس کے علاوہ جہنم کی گرمی، قیامت کی پیاس، لوگوں کا پسینے میں ڈوب جانا، مشرکین و منافقین کا حوض کوثر سے دور کیا جانا اور دوزخ کی چیخ و پکار کے بارے میں بھی سوچے اور یہ یاد رکھے کہ ایک دن اسے ان تمام خوفناک حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

موسم خزاں:

اس کا مزاج سرد خشک ہے اور یہ موت کا مزاج ہے۔ اس موسم میں انسان کو موت کے وقت پیش آنے والی تکالیف کے بارے میں غور کرنا چاہئے کہ روح قبض کرتے وقت کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ موت کے فرشتے کو دیکھ کر کیسی دہشت طاری ہوتی ہے۔

موسم سرما:

اسے فارسی میں زمستان کہتے ہیں اس کا مزاج سردتر ہے جو برزخ کا مزاج ہے یعنی مرنے کے بعد سے لے کر قیامت تک کا درمیانی عرصہ اس موسم میں انسان کو برزخ کے حالات سے متعلق غور وفکر کرنا چاہئے کہ جب انسان قبر میں لیٹ جائے تو کوئی اس کی مدد کے لیے نہیں آئے گا۔ کتنا زمانہ اور کتنے واقعات اس کے بغیر گزر جائیں گے۔ اس کا نرم و نازک جسم منوں مٹی کے نیچے قید ہو کر رہ جائے گا۔ کوئی اس سے واقف نہیں ہوگا۔ اگر اس نے زندگی میں کوئی نیکی کی تھی تو اب اس کے کام آئے گی لیکن اگر ساری زندگی گناہوں کی دلدل میں بسر کی تو اب حسرت و یاس کے سوا کچھ باقی نہیں رہے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا

''ان پر صبح اور شام آگ پیش کی جائے گی۔''

اے ہمنفساں تا اجل آمد بہ سیر من — از پائے درافتادم و خون شد جگر من
رفتم بہ چناں جائے کہ باز آمدنم نیست — نے ہست امیدم کہ کس آرد خبر من
گر خاکی زمین جملہ بر غربال بریزند — یک ذرہ نیابند نشان واثر من
دردا و دریغا کہ بدیک باد جہاں سوز — در خاک لحد ریختہ شد خشک و تر من
دردا و دریغا کہ دریں درد نہ دارند — یک ذرہ روا از من واز خیر و شر من
از خوں کفنم تر شدو از خاک تنم خشک — ان است کنوں زیر زمین خشک و تر من

دربا دیہ تا بر قیامت شدم نیک   بے مرکب و بے زاد دریغا سفرمن

''اے ہم نفسو! جب موت میرے سر پر آ جائے گی تو وہ زمین پر گر پڑا اور میرا جگر خون ہو گیا۔ اب میں ایسی جگہ پہنچ چکا ہوں جہاں سے واپس نہیں آ سکتا اور نہ ہی اس بات کی کوئی امید ہے کہ کوئی میری خبر لے گا۔''

اگر ساری دنیا کی مٹی کو چھلنی سے چھان لیا جائے تو ایک ذرے کے برابر بھی میرا نشان نہیں ملے گا۔ افسوس! دنیا کو جلا دینے والی ایک ہوا نے میری تمام تری اور خشکی کو قبر کی مٹی میں ملا دیا ہے۔ افسوس! اس مصیبت کے عالم میں کوئی میری کچھ مدد نہ کر سکتا۔ میرا کفن خون سے تر ہو گیا ہے اور میرا جسم مٹی سے خشک ہو گیا ہے۔ زمین کے نیچے میری خشکی اور تری کا یہ حال ہے قیامت تک کے لیے مجھے ایک ایسے جنگل میں چھوڑ دیا گیا ہے جہاں کوئی سواری اور کوئی زادہ راہ نہیں ہے۔''

جو روحانی سلطنت کے اثرات

معزز قارئین! روحانی سلطنت نہایت وسیع ہے۔ اسے اس مختصر کتاب میں تفصیل سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم اہل علم و فہم کی آگے ذوق تحقیق کی تسکین کے لیے چند امور کا تذکرہ کیا گیا ہے تا کہ وہ اپنے عزم و ارادے کو صرف فانی دنیا کے راستوں پر چلنے تک محدود نہ رکھیں اور ابدی سعادت کے حصول سے محروم نہ رہیں۔ اگر کوئی کوتاہی میں اپنی کم فہمی کے باعث ان حقائق کا منکر ہو تو اس کے لیے یہ بہتر ہے کہ وہ اپنی اس کم علمی اور بدنصیبی کے ہمراہ دنیا سے رخصت ہو جائے۔ اکابر اولیاء اور اہل علم کے نزدیک یہ تمام حقائق آفتاب سے زیادہ روشن ہیں لیکن جس کے دل پر پردہ پڑ گیا ہو وہ دونوں جہانوں میں اندھا رہتا ہے۔

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

''جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا اور راستے سے بھٹکا ہوا ہو گا۔''

اگر تم معنوی سلطنت اور روحانی مملکت کی عظمت اور وسعت سے آگاہ ہونا چاہتے ہو تو یہ بات جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو زمین پر موکل کیا ہے اور زمین کے تمام

ممالک کی رگیں اس کے قبضے میں دی ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو بیدار کرنا چاہے تو اس فرشتے کو حکم دیتا ہے اور وہ اس مخصوص جگہ پر بسنے والی قوم پر زلزلہ نازل کر دیتا ہے۔ آپ خود سوچیں اگر اللہ تعالیٰ اس فرشتے کو کسی قوم کو ہلاک کرنے کا حکم دے اور وہ اس بستی کے سب پہاڑوں اور صحراؤں میں زلزلہ برپا کر دے تو دنیا کی کوئی طاقت اس بستی کو تباہی سے نہیں بچا سکتی۔ یہ صرف ایک زمینی فرشتے کی طاقت کا عالم ہے اور تمام زمینی فرشتے مل کر ایک آسمانی فرشتے کا مقابلہ نہیں کر سکتے جبکہ فرشتوں کی صحیح تعداد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ

اور تمہارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

جب آپ اس حقیقت میں اچھی طرح غور کر لیں گے تو آپ کو یہ کامل یقین حاصل ہو جائے گا کہ دنیا کی تمام حکومتیں اور ممالک روحانی سلطنت کے چمکتے ہوئے سورج کے سامنے ایک ذرے کی حیثیت نہیں رکھتے اور معنوی مملکت کے بیکراں سمندر کے سامنے ایک قطرے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

حدیثِ نبوی ﷺ

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وما مثل الدنیا فی الاخرۃ الا مثل ما یجعل احدکم اصبعہ فی الیم فلینظر بم یرجع

''دنیا کے سامنے آخرت کی مثال اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص اپنی انگلی دریا میں ڈالے اور پھر یہ غور کرے کہ کتنا پانی نکالا ہے۔''

اے تن آخر کہ بین تقصیری — وقت نامد کہ بند بندیری
خیز ازیں خاکدان جسمانی — تارسی در ریاض روحانی
اہل دنیا بر مال مغرور اند — زانکہ از سرحرف بس دوراند
بہرایں خاکدان بے معنیٰ — دادہ برباد مملکت عقبیٰ
چہ کنی ایں جہان ویراں را — ایں لکدکوب وحش و حیواں را

خیرہ نشیں کہ مرگ بے باک است　　　مرکبت باد و منزلت خاک است
زیں جہاں زود زاد خود برگیر　　　جہد کن کار دینت از سر گیر

''اے جسم! تو سراپا گناہ ہے۔ آخر کب نصیحت قبول کرے گا۔ اس خاکی جسم سے اٹھ تا کہ روحانی باغ تک پہنچ سکے۔ اہل دنیا مال و دولت کے باعث مغرور ہیں لیکن وہ حقیقت سے بہت دور ہیں۔ اس بیکار مٹی کے لیے وہ آخرت کو برباد کر رہے ہیں اس ویران دنیا کا کیا کرو گے یہاں وحشی جانور بھی چلتے پھرتے ہیں۔ سکون سے نہ بیٹھو کیونکہ موت لحاظ نہیں کرتی تمہاری سواری ہوا ہے اور تمہارا ٹھکانہ مٹی ہے۔ اس دنیا سے جلد ہی اپنا زاد سفر اکٹھا کر لو اور پوری کوشش کر کے اپنے دین کا کام مکمل کر دو۔''

معزیز قارئین! یہ بات جان لیں کہ تمام موجودات میں کوئی اچھی یا کوئی بری صفت غالب ہوتی ہے۔ حیوانات میں بھی کوئی ایک خاص صفت غالب ہوتی ہے۔ دنیا میں ہر شخص کسی خصوصیت کے باعث تعریف یا مذمت کا مستحق ٹھہرتا ہے کیونکہ اکثر لوگ اپنے اندر موجود غالب صفت سے لاعلم ہیں اس لئے ان کو تنبیہہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَالَا تَعْلَمُوْنَ

''اور ہمت میں اس طرح زندہ کریں گے جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔''

جس طرح فرشتوں پر طہارت اور پاکیزگی کی صفت غالب ہوتی ہے۔ انبیاء پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور تبلیغ کی صفت غالب ہوتی ہے۔ اولیاء پر محبت شوق اور رضا کا غلبہ ہوتا ہے اسی طرح ہر جانور میں ایک مخصوص صفت غالب ہوتی ہے جیسے چیتے میں چیر پھاڑ کرنے، شیر میں غلبہ پانے، لومڑی میں مکاری، کتے میں بے شرمی، خنزیر میں شہوت، چیونٹی اور چوہے میں حرص، سانپ میں زہر، بچھو میں یا ایذا رسانی، بیل میں کھانے اور سونے جبکہ گدھے میں حماقت کی صفت غالب ہوتی ہے۔

مگر انسان ان تمام بلکہ ان جیسی دیگر اور بھی کئی صفات کا جامع ہے۔ اس لئے اسے

تاکید کی گئی ہے کہ وہ ان تمام صفات میں میانہ روی اختیار کرے اور ان سے حاصل ہونے والے نتائج کو ابدی سعادت کے حصول کا ذریعہ بنائے۔ اگر انسان صحیح راستے پر گامزن رہے تو ان تمام صفات کے حقائق آخرت میں اس کی کامیابی و کامرانی کا وسیلہ بن جائیں گے۔ لیکن اگر اس کی طبیعت پر کسی ایک صفت کا غلبہ ہو تو آخرت میں خدا کی عدالت میں اس کے ساتھ اس صفت کے مطابق معاملہ کیا جائے گا۔ چنانچہ اگر اس کی طبیعت میں ایذا دینے کا غلبہ ہوگا تو قیامت کے دن اسے بھیڑیے یا کتے کی شکل میں اٹھایا جائے گا۔ اگر اس پر چوپایوں کی صفت کا غلبہ ہوا تو قیامت کے دن اسے بیل یا گدھے کی شکل میں زندہ کیا جائے گا۔ اگر اس پر شہوت یا لالچ کی صفت غالب ہوئی تو اسے خنزیر، چوہے یا چیونٹی کی شکل میں زندہ کیا جائے گا لیکن اگر اس کی طبیعت پر محبت، شوق، رضا اور توحید کی صفت کا غلبہ ہوا تو قیامت کے دن ان صفات کے انوار اس کے چہرے سے ظاہر ہوں گے۔ ابتدائی طبقے کے لوگوں کا نور ستاروں کی طرح چمک رہا ہوگا۔ متوسط طبقے کا نور چاند کی طرح ہوگا جبکہ کامل مشائخ کا نور سورج کی طرح چمک رہا ہوگا۔

جب یہ بات واضح ہوگئی تو اب یہ جان لیں کہ بعض لوگ دیکھنے میں انسان نظر آتے ہیں مگر درحقیقت وہ کتے، خنزیر، چوہے یا چیونٹی ہوتے ہیں اور ان کی حقیقت قیامت کے دن ظاہر ہو جائے گی لیکن اہل معرفت دنیا میں بھی اپنے ایمان کی فراست کے نور سے لوگوں کے حقائق ملاحظہ کر لیتے ہیں کیونکہ ان حضرات کا مشاہدہ ماضی اور مستقبل کی قید سے آزاد ہو کر احدیت کی سرمدی فضا تک پہنچ چکا ہوتا ہے۔ ان حضرات کو لوگوں کی حقیقت سے واقفیت کے لیے قیامت کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ (کسی نے کہا ہے)

لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا

''اگر پردہ اٹھا بھی لیا جائے تو میرے یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔''

حال خلد و جحیم دانستم   بہ یقیں آنچنانکہ می باید
گر حجاب از میانہ بردارند   آں یقین ذرہ نیفزاید

''جنت اور دوزخ کا حال جیسے ممکن تھا میں یقینی طور پر جان چکا ہوں اگر درمیان

سے پردہ اٹھا لیا جائے تو میرے یقین میں ایک ذرے کے برابر اضافہ نہیں ہوگا۔''

جو شخص ان صفات سے متصف ہو جاتا ہے وہ اللہ کی بارگاہ میں بلند مقام پر فائز ہوتا ہے اور زمین و آسمان میں بسنے والی ساری مخلوق اس کے حکم کی پابند ہوتی ہے۔ (جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے)

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ

''اور اس نے تمہارے لئے آسمانوں اور زمین میں موجود سب کچھ مسخر کر دیا ہے۔''

جو شخص ان پاکیزہ صفات کے بجائے اپنے آپ کو مذموم صفات سے متصف کرتا ہے وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ

''ان کے ذہن ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں ہیں۔ ان کی آنکھیں ہیں جو دیکھ نہیں سکتی ہیں اور کان ہیں جن کی مدد سے وہ سن نہیں سکتے ہیں۔ یہ جانوروں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔''

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم کی بدولت ہمیں دنیا و آخرت کی کامیابیوں سے سرفراز کرے۔

بے شک وہ قریب ہے اور دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والوں پر سلامتی نازل ہو۔

ساتواں باب

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بیان

اس بات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وجوب، فضائل، شرائط، آداب پر گفتگو کی جائے گی اس کے علاوہ لوگوں میں رائج رسومات اور منکرات کا ذکر کیا جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

''تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو بھلائی کی طرف دعوت دے، نیکی کا حکم کرے اور گناہ سے منع کرے۔ یہی لوگ کامیاب ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دین سے متعلق تین کاموں کی خبر دی ہے۔ ایک یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے۔ دوسرا یہ فرض کفایہ ہے یعنی اگر کسی ایک بستی میں کوئی ایک شخص یہ فریضہ سرانجام دے تو دوسرے سب لوگوں سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا لیکن اگر سب لوگ غفلت کا شکار ہو جائیں تو قیامت کے دن سب سے سخت باز پرس ہوگی۔ تیسرا یہ کہ آخرت میں کامیابی کے حصول کے لیے اس فریضہ کی ادائیگی ضروری ہے۔

نہی عن المنکر کی اہمیت

✧ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مامن قوم عملوا بالمعاصی وفیهم من يقدر ان ينكر عليهم فلم يفعل الا يوشك ان يعمهم الله بعذاب من عنده

''جو قوم گناہوں کا ارتکاب کرے اور ان میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جو انہیں منع کر سکتا ہو اور پھر وہ ایسا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کا عذاب ان سب پر نازل ہوگا۔''

✦ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لتامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر او لیوشکن اللہ ان یبعث علیکم عذابا من عندہ ثم لتدعنہ والاستجاب لکم

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم یا تو نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرتے رہو گے یا اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نازل کرے گا پھر تم دعائیں مانگو گے مگر وہ قبول نہیں ہوں گی۔''

✦ حضرت ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان

''جو شخص کوئی منکر دیکھے تو اسے ہاتھ کے ذریعے ختم کر دے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان کے ذریعے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں (اسے برا سمجھے) اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔''

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص ہاتھ یا زبان کے ذریعے منکر کو نہ روک سکے اور دل میں بھی اسے برا نہ سمجھے اس کے پاس ایمان کا کوئی حصہ موجود نہیں ہے۔

✦ حضرت عرس روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اذا عملت الخطیئۃ فی الارض من شھدھا فکرھا کان کمن غاب عنها ومن غاب منها فرضیھا کان کمن شھدھا

''جب زمین پر گناہ کیا جائے اور وہاں موجود کوئی شخص اسے برا سمجھے تو گویا وہ شخص وہاں موجود ہی نہیں ہے اور اگر کوئی شخص وہاں موجود نہ ہو اور وہ اس گناہ سے راضی ہو تو گویا وہ وہاں موجود ہے۔''

✦ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لتامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر اویسلطن اللہ علیکم شرارکم ثم یدعو خیارکم فلایستجاب لھم

''تم نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرو گے۔ یا اللہ تعالیٰ تم پر بدترین لوگ مسلط کردے گا پھر تمہارے نیک لوگ دعائیں کریں گے مگر ان کی دعائیں قبول نہیں ہوں گی۔''

امر بالمعروف کی فضیلت

✦ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما اعمال البر عند الجھاد فی سبیل اللہ الا کنعبۃ فی بحرلجی وما جمیع اعمال البر ما الجھاد فی سبیل اللہ عندالامر بالمعروف الاکنعبۃ فی بحر لجی

''تمام نیک کام جہاد کے مقابلے میں اس طرح ہیں جیسے سمندر کے سامنے ایک قطرہ ہو اور جہاد سمیت تمام نیک کام امر بالمعروف کے سامنے ایسے ہیں جیسے سمندر کے سامنے قطرہ ہو۔

راستے کا حق

✦ حضرت ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ایاکم والجلوس فی الطرفات قالوا یارسول اللہ مالنا من مجالسنا بدٌ تتحدث فیھا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا ابیتم الاالمجلس فاعطوا للطریق حقہ قالوا وما حق الطریق یارسول اللہ قال غض البصر وکف الاذیٰ وردالسلام والامر باالمعروف والنھی عن المنکر

''راستوں میں بیٹھنے سے بچو صحابہ نے عرض کی یہ ہماری مجبوری ہے۔ ہم یہاں آپس میں گفتگو کر لیتے ہیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر بیٹھنا ہی ہے تو راستے

کا حق ادا کرو، صحابہ نے دریافت کیا راستے کا حق کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نگاہ نیچی رکھنا، تکلیف دہ چیزیں دور کرنا، سلام کا جواب دینا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

✧ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کلام ابن ادم کله علیه وبال الا الامر بالمعروف والنهی عن المنکر وذکر اللّٰه

''ابن آدم کا ہر کلام اس کے لیے وبال ہوتا ہے سوائے اللہ کے ذکر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے۔''

عذابِ الٰہی کا نزول

حضرت عدی روایت کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللّٰه تعالٰی لایعذب العامة یعمل الخاصة حتی یروالمنکر بین ظهرانیهم وهم قادرون علٰی ان ینکروه فلاینکروا فاذا فعلوا ذٰلك عذب اللّٰه العامة والخاصة

''بے شک اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے برے اعمال کے باعث عام لوگوں کو اس وقت عذاب نہیں دیتا جب تک کھلے عام گناہ نہ ہونے لگیں۔ اور لوگ انہیں روکنے کی طاقت رکھنے کے باوجود نہ روکیں جب یہ صورتحال ہو تو اللہ تعالیٰ ہر خاص و عام شخص پر عذاب نازل کرتا ہے۔''

لوگوں کی خرابی

حضرت ابوامامہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کیف انتم اذا طغت نساء کم وفسق شبابکم وقد ترکتم جهادکم قالوا ان ذٰلك لکائن یارسول اللّٰه قال نعم والذی نفسی بیده و اشدمنه قالوا وما اشدمنه یارسول اللّٰه قال کیف انتم اذا لم تامروا بالمعروف ولم تنهوا عن المنکر قالوا اوکائنٌ ذٰلك یارسول

اللّٰہ قال نعم والذی نفسی بیدہ واشد منہ قالوا وما اشد منہ یارسول اللّٰہ قال کیف انتم اذا رء یتم المعروف منکرا والمنکر معروفا قالوا اوکائنٌ ذٰلک قال نعم والذی نفسی بیدہ فعندذٰلک یقول اللہ تعالٰی بعزتی وجلالی لاتحن لھم فتنۃ یصیر الحکیم فیھا حیرانًا

''اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہاری عورتیں سرکش ہوجائیں گی۔ تمہارے جوان فاسق ہوجائیں گے۔ تم جہاد ترک کردو گے۔ صحابہ نے دریافت کیا، کیا ایسا ہوگا یارسول اللہ ﷺ! آپ نے فرمایا ہاں، اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اس سے بھی زیادہ برا ہوگا۔ صحابہ نے عرض کی، یارسول اللہ! اس سے زیادہ برا کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا چھوڑ دو گے۔ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ! کیا ایسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ اس سے بھی زیادہ برا ہوگا۔ صحابہ نے عرض کی، یارسول اللہ! اس سے زیادہ برا کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب لوگ نیکی کو برائی اور برائی کو نیکی سمجھیں گے۔ صحابہ نے عرض کی، یارسول اللہ! کیا ایسا بھی ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ اس وقت اللہ تعالٰی فرمائے گا:

''مجھے میری عزت اور جلال کی قسم ہے میں ان لوگوں کو ایسی آزمائش میں مبتلا کروں گا جسے دیکھ کر ان کے عقل مند لوگ بھی حیران رہ جائیں گے۔''

حق گوئی کی ترغیب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لاینبغی لامرئٍ شھد مقاما فیہ حق لا تکلم بہ فانہ لم یقدم اجلہ ولن یحرمہٗ رزقا لعولہ

کسی شخص کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی ایسے مقام پر حاضر ہو جہاں حق کہنا

ضروری ہو اور وہ نہ کہے کیونکہ ایسا کرنے سے اس کا موت کے وقت قریب نہیں آئے گا اور نہ ہی اس کے رزق میں کمی آئے گی۔''

گناہ پر راضی رہنے کی مذمت

حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اوحی اللّٰہ عزوجل الی جبریل علیہ السلام ان اقلب مدینۃ کذا علی اهلها فقال یارب ان فیهم عبدك فلانا لم یعصك طرفة عین قال فقال اقلبها علیه وعلیهم فانهٗ وجههٗ لم یتمعر فی ساعة قط

''اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی نازل کی فلاں شہر میں رہنے والوں کو الٹا دو۔ انہوں نے عرض کی اے میرے پروردگار! وہاں تیرا ایک نیک بندہ بھی رہتا ہے جس نے کبھی تیری کوئی نافرمانی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دوسروں کے ہمراہ اسے بھی الٹا دو کیونکہ اس کے چہرے پر کبھی غصہ نہیں آیا۔''

نیک لوگوں کی موجودگی میں عذاب

سیدہ عائشہ صدیقہ روایت کرتی ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عذب اللّٰہ تعالٰی بلدة فیها ثمانیة عشر الفا عملهم عمل الانبیاء وقالوا کیف ذٰلك یارسول اللّٰہ قال لم یکولوا یعصون اللّٰہ ولکن لا یامرون بالمعروف ولا ینهون عن المنکر

''اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے شہر پر عذاب نازل کیا جس میں اٹھارہ ہزار نیک بندے رہتے تھے۔ صحابہ نے عرض کی، ایسا کیوں ہوا؟ آپ نے فرمایا، وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے تھے لیکن وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی نہیں کرتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال

حضرت عروہ بن زبیر اپنے والد کے حوالے سے روایت کرتے ہیں:

قال موسٰی صلوت اللّٰه علیه الهی ای عبادك احب الیك قال جلت عظمته الذی یتسرع الی هوائی کما یتسرع البشر الی هواه والذی یکنف بعبادی الصالحین کما یکنف الصبی بامه والذی یغضب اذا رأ تکبر محارمی کما یغضب النمر لنیفسه

''حضرت موسیٰ نے عرض کی اے میرے پرودگار! تجھے اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ بندہ جو میری رضا کے حصول کے لیے ایسی تیز کوشش کرے جیسے لوگ اپنی خواہشات کے لیے کوشش کرتے ہیں اور وہ بندہ جو میرے نیک بندوں کی پناہ میں اس طرح آتا ہے جیسے کوئی بچہ ماں کی گود میں آتا ہے اور وہ بندہ جو گناہ کو دیکھ کر اس طرح غصے میں آتا ہے جیسے چیتا اپنے نفس کی خاطر غضب ناک ہوتا ہے۔''

چیتے کی خصوصیت یہ ہے کہ غصے کے عالم میں وہ لوگوں کی کمی وبیشی یا اپنے نفع و نقصان کی پرواہ نہیں کرتا لہٰذا مومن کو چاہیے کہ کسی جگہ گناہوں کا ارتکاب دیکھ کر اللہ کی رضا کے حصول کی خاطر دینی غیرت وحمیت کا جذبہ اس پر اس طرح غالب آجائے کہ وہ حق کے مخالف کی قلت یا کثرت کی پرواہ نہ کرے اور بادشاہوں کے خوف یا دبدبے سے خوفزدہ نہ ہو بلکہ حق کی مدد اور باطل کی بیخ کنی کے لیے اپنی جان و مال کا نظرانہ پیش کرے۔

ظالم کے سامنے حق گوئی

عن ابی عبیدة بن الجراح رضی اللّٰه عنه قال قلت یارسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ای الشهداء اکرم عنداللّٰه عزوجل قال رجلٌ قام الی وال جابر فامره بالمعروف ونهاه عن المنکر فقتله فان لم یقتله فان القلم لایجری علیه بعد ذٰلك وان عاش ماعاش

''حضرت ابوعبیدہ بن الجراح فرماتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! کون سا شہید اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ معزز ہے۔ آپ نے فرمایا جو ظالم

حکمران کے سامنے کھڑا ہو کر اسے نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے اور وہ حاکم اسے قتل کر دے اور اگر حاکم اسے قتل نہ کرے تو بعض میں اس کی جتنی مرضی لمبی عمر کیوں نہ ہو قلم اس کے خلاف نہیں چلے گا۔"

گناہ کو کمتر سمجھنے کی مذمت

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قیل یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتہلك القریة وفیها الصلحون قال نعم قیل بم یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بتها ونهم وسكونهم عن معاصی اللہ عزوجل

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا، کیا ایسی بستی تباہ ہو سکتی ہے جہاں نیک لوگ رہتے ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ عرض کی وہ کیوں؟ آپ نے فرمایا اس لئے کیونکہ وہ لوگ اللہ کی نافرمانی کو آسان سمجھتے ہوں گے اور اس پر خاموش رہتے ہوں گے"۔

دین خیر خواہی کا نام

عن ابن عمر وابی هريرة رضی اللہ عنهم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحة ثلاث مرات قال لمن یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للہ ولکتابہ لائمة المسلمین وعامهم۔

"حضرت ابن عمر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دین نصیحت (کا نام) ہے۔ یہ بات آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔ (کسی نے) عرض کی، کس کے لیے؟ یارسول اللہ! آپ نے فرمایا، اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، مسلمان حکمرانوں اور عام مسلمانوں کے لیے۔"

جیسا کہ قرآن پاک کی آیات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دینی نصیحت کے لیے ہر گھڑی مستعد رہنا سب سے پہلے علماء پر فرض ہے لیکن ہمارے

زمانے میں اکثر علماء غفلت کے جنگل میں گم ہو چکے ہیں اور انہوں نے اپنی لگام نفس اور اس کی خواہشات کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ کینے اور حسد کے غبار نے ان کے قلوب کے آئینوں کو سیاہ کر دیا ہے۔ ان کا باطن حرص اور جھوٹی تمناؤں کے اندھیروں میں ڈوب چکا ہے۔ دنیا کی فانی زینتوں کو انہوں نے اپنا قبلہ اور رسمی علوم شہرت کا وسیلہ بنا دیا ہے۔ یہ لوگ خود دوسروں کی نصیحت کے محتاج ہیں۔ یہ بھلا کیا کسی کو نصیحت کریں گے۔

نبی کے حواری

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مابعث اللّٰہ نبیًّا الاولہ حواریون فیمکث النبی بین اظھرھم ماشاء اللّٰہ یعمل فیھم بکتاب اللّٰہ وبامرہ حتی اذا قبض اء نبیہ فیمکث الحواریون یعملون بکتاب اللّٰہ وبامرہ وبسنۃ نبیھم فاذا انقرصوا کان قوم یرکبون المنابر یقولون ما تعرفون ویعملون ماتنکرون فاذارایتم ذٰلك فحق علی کل مومن جھاد ھم بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ

''اللہ تعالیٰ نے جس بھی پیغمبر کو مبعوث کیا اس کے چند حواری ہوتے تھے۔ پھر وہ نبی اللہ کی مشیت کے مطابق (عرصے تک) ان کے درمیان رہتا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے احکام کے مطابق عمل کرتا پھر اس نبی کے وصال کے بعد اس کے حواری اللہ کی کتاب، اس کے احکام اور اپنے نبی کی سنت کے مطابق عمل کرتے پھر جب وہ بھی دنیا سے رخصت ہو جاتے تو ایک ایسی قوم آئی جو منبروں پر بیٹھ کر وہ بات کہتی جو ان کے علم میں نہیں ہے اور وہ عمل کرتی جس (دوسروے کو) روکتی، جب تم ایسے لوگوں کو پاؤ تو ہر مسلمان پر فرض ہے کہ ان کے ساتھ ہاتھوں (تلواروں) کے ذریعے جہاد کرے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان کے ذریعے کرے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل میں (انہیں برا سمجھے)

احتساب کی بحث

معزز قارئین! جب قرآنی آیات اور احادیث نبوی کے دلائل کے ذریعے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فرضیت ثابت ہوگئی تو اب یہ جان لیں کہ جو شخص اس فرض کی ادائیگی کے لیے خود کو پیش کرے اسے ''محتسب'' کہتے ہیں اور اس کے اس عمل کو'احتساب' کہا جاتا ہے جس شخص کے خلاف احتساب ہو اسے ''محتسب علیہ'' کہتے ہیں اور جس کام کی وجہ سے احتساب ہو اسے محتسب فیہ کہتے ہیں لہٰذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے چار ارکان ہیں:

محتسب، احتساب، محتسب علیہ، محتسب فیہ۔

محتسب:

پہلا رکن محتسب ہے اس کے وجوب کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ شخص مسلمان، مکلّف ہو اور احتساب کی قدرت رکھتا ہو۔ کافر احتساب نہیں کرسکتا اور نابالغ بچہ شرعی احکام نافذ کرنے کا پابند نہیں ہے۔ تاہم اگر کوئی نابالغ سمجھدار بچہ کسی کو گناہ کرنے سے روکے تو کوئی اسے منع نہیں کرسکتا۔ اسی طرح دیوانہ یا عاجز آدمی احتساب نہیں کرسکتا۔ بعض علماء نے حاکم یا قاضی کی اجازت کو بھی شرط قرار دیا ہے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

افضل الجهاد كلمة الحق عند سلطان جابر

''سب سے افضل جہاد ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔''

صحابہ اکرام اور علماء ہمیشہ ظالم حکمرانوں کے اعمال پر اعتراض کرتے رہتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ نیکی کا حکم دینے کے لیے حاکم کی اجازت ضروری نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص اس نیک کام میں مشغول ہو اور حاکم اس سے راضی ہو تو حاکم بھی اس کے اجر وثواب میں شریک ہوگا اور اگر حاکم اسے ناپسند کرے تو یہ بذات خود ایک منکر ہے اور حاکم کو بھی منکر کے ارتکاب سے روکنا واجب ہے لہٰذا اس کی اجازت کو شرط قرار نہیں دیا جاسکتا۔

مروان کی بدعت

نبی اکرم ﷺ کے زمانے سے مروان کے زمانے تک عید کی نماز کے لیے عیدگاہ میں منبر نہیں رکھا جاتا تھا۔ آپ ﷺ صحرا میں نماز عید ادا کیا کرتے تھے اور لوگوں کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ خلفائے راشدین کا بھی یہی طریقہ رہا مروان نے عیدگاہ میں سب سے پہلے منبر رکھوایا۔ جب وہ عید کے دن اس پر چڑھا تو حضرت ابو سعید خدری نے کھڑے ہو کر فرمایا۔

''اے مروان! یہ کیا بدعت ہے؟ مروان نے کہا اس بدعت کا مقصد یہ ہے تاکہ سب لوگوں تک میری آواز پہنچ سکے۔ حضرت ابو سعید نے فرمایا میں تمہارے پیچھے نماز نہیں پڑھوں گا۔''

ابوالحسن نوری کا معمول

ایک بزرگ حضرت ابوالحسن نوری کی یہ عادت تھی کہ آپ لوگوں سے میل جول نہیں رکھتے تھے اور ان کے معاملات میں دخل نہیں دیتے تھے لیکن جب کوئی منکر دیکھتے تو اسے روک دیتے اگرچہ اس میں اپنی جان جانے کا اندیشہ ہوتا۔ ایک دن آپ دجلہ کے کنارے تشریف لے گئے۔ وہاں ایک کشتی کھڑی تھی جس میں تیس مٹکے پڑے تھے جن کا منہ بند تھا اور ہر مٹکے پر لطیف لکھا ہوا تھا۔ شیخ ایسی کسی چیز سے واقف نہیں تھے جس کا نام لطیف ہو۔ آپ نے ملاح سے پوچھا، ان مٹوں میں کیا ہے؟ ملاح نے کہا تمہیں اس سے مطلب؟ تم نیک آدمی ہو اپنا کام کرو۔ شیخ نے کہا میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس میں کیا ہے۔ ملاح نے کہا تم ایک بے کار آدمی ہو۔ ان مٹکوں میں شراب ہے جو خلیفہ صاحب کے لیے لائی گئی ہے۔ کشتی کے کونے میں ایک بھاری لکڑی پڑی تھی۔ شیخ نے وہ لکڑی پکڑ کر وہ سب مٹکے توڑ دیئے۔ ملاح نے شور مچایا اور شیخ کو پکڑ کر خلیفہ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ خلیفہ نے شیخ سے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا۔ شیخ نے کہا میں محتسب ہوں۔ خلیفہ نے کہا تم کس کے حکم کے تحت احتساب کرتے ہو۔ شیخ نے کہا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے تحت۔ خلیفہ نے کہا تم نے یہ مٹکے کیوں توڑے؟ شیخ نے کا تمہاری خاطر تاکہ تمہیں قیامت کے دن عذاب کا سامنا

نہ کرنا پڑے۔ خلیفہ نے کہا میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم جو گناہ دیکھو اسے ختم کر دو۔ شیخ نے کہا اب تک میں اللہ کے حکم کے تحت ایسا کرتا تھا اب اگر تمہارے حکم کے تحت ایسا کروں گا تو میرا شمار بھی تمہارے ملازمین میں ہوگا جو لوگوں کو تکلف دیتے ہیں۔ اس لئے میں تمہارا ملازم نہیں بن سکتا۔

صحابہ کرام تابعین عظام اور علماء کے بہت سے ایسے واقعات منقول ہیں جن میں وقت کے حکمرانوں پر انکار کیا گیا ہے اور یہ سب اس بات کی دلیل ہیں کہ امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کے لیے حاکم کی اجازت شرط نہیں ہے۔ البتہ اگر معاشرے میں فتنہ وفساد پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کا حکم مختلف ہوگا۔

محتسب:

احتساب کے دوران محتسب پانچ طرح کا رویہ اختیار کر سکتا ہے۔ (1) ایک گناہ کی حقیقت سے فاسق کو خبردار کرے۔ (2) دوسرا نرم لہجے میں وعظ ونصیحت کرے۔ (3) تیسرا سخت لہجے میں برا بھلا کہے۔ (4) چوتھا کسی کو گناہ کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھ کر اسے زبردستی روک دے جیسے شراب کے برتن یا آلات موسیقی توڑنا۔ مردوں کے جسم سے ریشمی لباس اتار لینا وغیرہ۔

(5) پانچویں صورت یہ ہے کہ مار پیٹ کی جائے۔

اگر محتسب کو اس بات کا علم ہو کہ احتساب کے باعث بات اس حد تک بڑھ جائے گی کہ فریقین کے ہمدرد لڑائی کی آگ میں کود پڑیں گے تو حاکم کی اجازت کے بغیر احتساب درست نہیں ہے کیونکہ معاشرے میں امن وامان کی صورتحال کا خیال رکھنا حکمرانوں کا فرض ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک محتسب کے لیے عادل ہونا شرط ہے۔ اس کی پہلی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے ذریعے عدل کو محتسب کی شرط قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ اور اس نوعیت کی دیگر آیات واحادیث احتساب کی فضیلت کو بیان کرتی ہیں۔

محتسب کے لیے عدالت کی شرط عائد کرنے والے یہ عقلی دلیل پیش کرتے ہیں کہ دوسروں کی اصلاح اپنی اصلاح کی زکوٰۃ ہے اور دوسروں کی بہتری اپنی بہتری کی شاخ ہے لیکن یہ بھی کوئی دلیل نہیں ہے مثلاً اگر ہم آپ سے یہ سوال کریں کہ کیا عصمت احتساب کے لیے شرط ہے اگر آپ کا جواب اثبات میں ہو تو ہم یہ عرض کریں گے کہ آپ کی رائے اجماع امت کے خلاف ہے اور اس کے مطابق احتساب کا دروازہ مکمل طور پر بند ہو جائے گا کیونکہ امت میں سب سے افضل طبقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے اور تمام علماء کا اتفاق ہے کہ صحابہ کرام معصوم نہیں ہیں پس کوئی دوسرا شخص کیسے معصوم ہوسکتا ہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں۔ اگر عصمت کو احتساب کی شرط قرار دیا جائے تو کوئی کسی کا احتساب نہیں کر سکے گا۔

صحیح رائے یہی ہے کہ احتساب کے لیے عصمت شرط نہیں ہے اور کوئی فاسق کسی دوسرے فاسق کا احتساب کرسکتا ہے۔

جیسے ریشمی کپڑا پہننے والا زانی یا شرابی کو روک سکتا ہے کیونکہ ریشمی کپڑا پہننے کے بہ نسبت زنا کرنا یا شراب پینا زیادہ شدید گناہ ہے۔ اسی طرح کوئی شرابی کسی کو قتل کرنے سے روک سکتا ہے بلکہ شرابی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ماتحت ملازمین کو شراب پینے سے روکے کیونکہ گناہ سے بچنا ایک واجب ہے جبکہ دوسرے کو گناہ کے ارتکاب سے روکنا دوسرا واجب ہے اور ایک واجب کے ترک کرنے سے دوسرے واجب کا ترک لازم نہیں آتا۔ یا ایک گناہ کا ارتکاب کرنے سے دوسرا گناہ معاف نہیں ہو جاتا یا کسی حرام کام کا ارتکاب کرنے سے کوئی واجب حرام نہیں ہو جاتا ہے۔

ہمارے زمانے کا رواج

ہمارے زمانے میں محض رسم و رواج کے باعث بہت سے فاسق تصورات لوگوں میں رائج ہو چکے ہیں جن کے باعث وہ شریعت کے باریک نکات تک رسائی حاصل نہیں کر پاتے اور اپنی بدنصیبی کے باعث شرعی احکام سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ ان کی مثال اس طرح

ہے جیسے کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا گھوڑا لگام سمیت غصب کر لے اور دوسرا شخص گھوڑے کو بھول کر صرف لگام کی واپسی کا مطالبہ کرے یا پھر جیسے کوئی شخص اجنبی لوگوں کو ظالموں کے ظلم سے بچالے اور اپنے والد کو ظلم کا شکار ہونے دے۔ لہٰذا لوگوں کی عام زینت کے تحت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کسی اہم کام کو چھوڑ دینے کی وجہ سے کسی دوسرے اہم کام کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ البتہ فاسق کو وعظ و نصیحت نہیں کرنی چاہئے کیونکہ اس کی نصیحت کسی پر اثر انداز نہیں ہوگی بلکہ اسے خود طعن و تشنیع کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا عدل کی شرائط کا تعلق احتساب میں صرف وعظ و نصیحت کے رویئے کے ساتھ ہوگا۔

احتساب:

احتساب کی تین قسمیں ہیں:

(1) پہلی قسم کا تعلق اپنے ہم مرتبہ لوگوں کے ساتھ ہے جیسے عوام، عوام کا یا خواص، خواص کا احتساب کریں۔ (2) دوسری قسم یہ ہے کہ اعلیٰ مرتبے کے لوگ ادنیٰ درجے کے افراد کا احتساب کریں۔ جیسے حاکم رعایا کا، باپ بیٹے کا، شوہر بیوی کا، آقا غلام کا احتساب کرے۔

(3) تیسری قسم یہ ہے کہ ادنیٰ مرتبے کا فرد اعلیٰ مرتبے والے شخص کا احتساب کرے۔ جیسے عوام، حکمران کا، شاگرد استاد کا، بیٹا باپ کا، بیوی شوہر کا اور غلام آقا کا احتساب کرے۔

دوسری قسم میں محتسب اصلاح احوال کے لیے پانچ طریقوں میں سے کوئی ایک طریقہ اختیار کرسکتا ہے لیکن تیسری قسم میں احتساب کے دوران مار پیٹ یا برا بھلا کہنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس بارے میں چند امور میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً بعض حضرات کے نزدیک بیٹا باپ کے احتساب کے دوران اس سے زیادہ سختی سے پیش نہیں آسکتا جیسے بیٹا جلاد اور باپ کافر ہو اور اس کے قتل کا فرمان جاری ہو جائے تو بیٹا باپ کو قتل نہیں کرے گا۔

محتسب کے لئے احتساب کی قدرت ہونا شرط ہے۔ عاجز شخص کے لیے احتساب کا حکم صرف یہی ہے کہ وہ دل میں برائی کو برائی سمجھے۔

محتسب کی چار حالتیں

عجز اور قدرت کے اعتبار سے محتسب کی چار حالتیں ہیں۔

(1) جب احتساب واجب ہو۔

(2) جب احتساب کا وجوب ساقط ہو جائے۔

(3) جب احتساب مستحب ہو۔

(4) جب احتساب کے بارے میں خود محتسب کو اختیار ہو۔

(i) پہلی صورت یعنی احتساب کے وجوب کے لیے یہ ضروری ہے کہ محتسب کو اس کی قدرت بھی حاصل ہو۔ یعنی اسے پورا یقین ہو کہ اس کے احتساب کے باعث منکر ختم ہو جائے گا اور اس کی جان و مال یا آبرو پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔ تمام علماء کے نزدیک ایسی صورتحال میں احتساب کرنا واجب ہو جائے گا۔

(ii) دوسری صورت یہ ہے کہ محتسب کو یقین ہو کہ نہ تو منکر ختم ہوگا اور نہ ہی اس کی جان، مال یا آبرو محفوظ رہیں گے۔ ایسی صورت میں احتساب کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔

(iii) تیسری صورت یہ ہے کہ یہ یقین ہو کہ منکر پر کوئی اثر نہیں پڑے گا تاہم محتسب کو کوئی نقصان بھی نہیں ہوگا۔ ایسی صورت میں شعائر اسلام کے اظہار کے لیے احتساب کرنا مستحب ہے۔

(iv) چوتھی صورت یہ ہے کہ محتسب علم اور پرہیزگاری سے موصوف ہو کہ اس کے احتساب یعنی فاسق کو مرعوب کرنے، آلات موسیقی توڑنے سے اہل دین کو تقویت حاصل ہوگی تو اسے چاہیے کہ وہ جان و مال کی پرواہ کیے بغیر احتساب کرے۔ اگر مار پیٹ کا بھی ڈر ہو تو بھی نصیحت کرنے سے غفلت نہ کرے لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ اس کے احتساب کے باعث اس کے عزیز اور دوستوں کو نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا تو ایسی صورتحال میں احتساب نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ایک منکر کا احتساب دوسرے منکر کو جنم دینے کا باعث بن جائے گا۔ جو پہلے منکر سے زیادہ قبیح ہے۔ اس کی مثال بھی اسی طرح ہے کوئی ظالم بطور ظلم کسی دنبے کو ذبح کرنے لگے اور پھر احتساب کے باعث طیش میں

آ کر کسی انسان یا اونٹ کو ذبح کر دے تو ایسا احتساب جائز نہیں ہے۔ البتہ وہ ظالم کسی کا کوئی عضو کاٹنا چاہے تو اس سے لڑا جا سکتا ہے اگر چہ اس دوران قتل تک نوبت پہنچ جائے کیونکہ اصل مقصد صرف عضو کا دفاع نہیں بلکہ منکرات کا خاتمہ ہے اور ایسی صورت میں قتل ہو جانا گناہ نہیں ہوگا جبکہ خاموشی سے عضو کو ضائع کروالینا گناہ ہے۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے جیسے کسی مسلمان کے مالک کو کسی ظالم کی دست برد سے بچانا۔ اگر چہ وہ مال ایک درہم ہی کیوں نہ ہو اور اس کے نتیجے میں اس ظالم کی جان کیوں نہ چلی جائے۔ اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ کسی مسلمان کی جان کی قیمت ایک درہم مقرر کی گئی ہے بلکہ اس مسلمان نے اپنے دوسرے مسلمان بھائی کا مال غصب کرنے کی کوشش کی اور اس کی یہ کوشش مصیبت ہے۔ اب اس مصیبت کو روکنے کے لیے اس غاصب کا قتل گناہ نہیں ہوگا کیونکہ شرعی احکام کا بنیادی مقصد گناہوں سے روکنا ہے۔

گناہ کی تین قسمیں

گناہوں کی تین قسمیں ہیں:

سابقہ گناہ، موجودہ گناہ، آئندہ گناہ۔

سابقہ گناہوں سے مراد یہ ہے کہ کسی نے زمانہ ماضی میں شراب پی یا زنا کیا اور اب اس گناہ کے اثرات مٹ چکے ہیں۔ ایسے شخص پر حدود کا نفاذ حکومت کی ذمہ داری ہے۔ عوام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

موجودہ گناہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص گناہ کے ارتکاب میں مشغول ہو جیسے اس کے پاس آلات موسیقی یا شراب موجود ہو یا اس نے ریشمی کپڑا پہن رکھا ہو مناسب تدبیر کے ہمراہ اپنے گناہ کا خاتمہ واجب ہے اور اس سے چشم پوشی بذات خود گناہ ہے۔ ہر مسلمان کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ اسے روکے بشرطیکہ اس عمل کے باعث کوئی زیادہ بڑی خرابی نظر نہ آئے۔

آئندہ گناہ کی مثال یہ ہے جیسے شراب نوشی کی محفل سجانا، زنا کے اسباب مرتب کرنا، یہ ایک مشکوک امر ہے۔ ممکن ہے عین موقع پر وہ لوگ اس گناہ کا ارتکاب نہ کر سکیں تاہم بعض

اوقات حرام کی تمہید پر بھی حرمت کا حکم لاگو ہوتا ہے۔ جیسے اوباش لوگوں کا خواتین کے لیے مخصوص حمام کے باہر کھڑا ہونا یا خواتین کی مخصوص گزرگاہ پر کھڑا ہونا۔ مرد کا نامحرم عورت کے ساتھ خلوت میں اکٹھا ہونا کیونکہ اس طرح کی صورتحال میں معصیت کے وقوع کا گمان غالب ہوتا ہے۔ اس لئے اسے ختم کر دینا چاہئے۔

رکن دوم: احتساب کا عمل

دوسرا بنیادی رکن احتساب کا عمل ہے جس کے سات آداب ہیں:

منکر سے واقفیت، وعظ ونصیحت کے ذریعے اس کی خرابی سے آگاہ کرنا، سختی، زبردستی مٹا دینا، مار پیٹ کا خوف دلانا، خود مار پیٹ کرنا، معاونین کی مدد سے باقاعدہ جنگ کرنا۔

منکر سے واقفیت:

اس درجے کا ادب یہ ہے کہ محتسب منکر کی تلاش میں جاسوسی نہ کرے۔ لوگوں کے گھروں، دروازوں اور کھڑکیوں سے شراب کی بو سونگھنے کی کوشش نہ کرے۔ اگر کسی نے کوئی باجا چھپا کر رکھا ہو تو اسے ڈھونڈنے کی کوشش نہ کرے۔

اسی طرح کسی کی غیر موجودگی میں اس کے ہمسائے سے تفتیش نہ کرے۔ اگر دو عالم یا ایک نہایت نیک آدمی اس بات کی گواہی دیں کہ فلاں شخص اپنے گھر میں بیٹھا شراب پی رہا ہے تو بھی اس کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوا جا سکتا کیونکہ دو افراد کی گواہی کے باعث کسی بھی مسلمان کا بنیادی حق ساقط نہیں ہوگا۔ روایات کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی پر یہ الفاظ کندہ تھے۔

''اپنے گمان کے اظہار کے بجائے کسی چشم دید عیب کو چھپانا بہتر ہے۔''

منکر کی تعریف:

یعنی منکر کی خامی اور نقصانات کو عمدہ طریقے سے بیان کیا جائے اور نصیحت کے دوران نرمی سے گفتگو کی جائے کیونکہ عام طور پر لوگ اپنی جہالت کے باعث منکرات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس لئے اس بات کا امکان موجود ہے کہ اصل حقیقت سے آگاہ ہو جانے کے

بعد وہ اسے ترک کر دے بشرطیکہ نصیحت کے دوران انہیں برا بھلا نہ کہا جائے کیونکہ نصیحت کے دوران اگر کسی کی تذلیل کی جائے تو نصیحت اثر نہیں کرتی اس کی فطرت ہے کہ وہ بدنامی سے ڈرتا ہے اور جہالت باطنی خامی ہے باطن کے پردے کا فاش ہونا ظاہری پردہ دری سے زیادہ برا ہے۔ اسی لئے اکثر لوگ اپنی جہالت کو چھپانے میں نہایت حریص ہوتے ہیں یہاں تک کہ اگر کسی عالم کی غلطی نکالی جائے تو وہ طیش میں آ کر اسے ماننے سے انکار کر دیتا ہے اور باطل کو حق ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے تاکہ خاص اس مسئلے سے اس کی جہالت کا پردہ فاش نہ ہو۔ اس لئے نصیحت کرتے ہوئے نرمی اختیار کرنی چاہئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی مسلمان کو جاہل یا احمق کہنا اس کو ایذاء پہنچانے کے مترادف ہے اور یہ بھی ایک منکر ہے۔ نرمی سے وعظ و نصیحت کئے بغیر شروع ہی میں سختی کرنا ایسے ہے جیسے خون کو پیشاب کے ساتھ دھویا جائے۔

محتسب کو چاہئے کہ نصیحت کے دوران آخرت کے عذاب کا تذکرہ کرے۔ موضوع سے متعلق احادیث سنائے۔

بزرگوں کے واقعات سنائے اور شفقت و خیر خواہی سے کام لے۔ اس کے گناہ کو اپنا گناہ سمجھے کیونکہ تمام مسلمان ایک جسم اور ایک جان کی مانند ہیں۔

حضرت نعمان بن بشیر روایت کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترى المؤمنين في تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكى عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى۔

''مسلمانوں کی باہمی محبت، شفقت اور رحم کے باعث وہ تمہیں ایک جسم کی مانند محسوس ہوں گے کہ اگر ایک عضو بیمار ہو تو پورا جسم بخار اور بے چینی کا شکار ہو جاتا ہے۔

سختی:

احتساب کا تیسرا درجہ سختی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ جب فاسق نرمی سے واعظ و نصیحت کی پرواہ نہ کرے اور گناہ کے ارتکاب پر اصرار کرے تو سختی ضروری ہو جاتی ہے۔ تاہم

اسے برا بھلا کہنے میں گالیاں یا خلاف واقعہ الفاظ استعمال نہ کرے تاہم اسے احمق یا جاہل کہا جاسکتا ہے کیونکہ نفسانی خواہشات کی پیروی کے باعث حق کی مخالفت کرنا سب سے بڑی حماقت ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الاحمق من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله المغفرة

''جو شخص نفسانی خواہشات کی پیروی کرے پھر اللہ سے یہ امید رکھے کہ وہ اسے بخش دے گا تو وہ شخص احمق ہے۔''

اسی طرح سختی کے دوران صرف حق بات کہی جائے اور اللہ کی رضا کے حصول کے لیے کہی جائے اور ضرورت کے مطابق کہی جائے اس میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے تاہم اگر یہ گمان غالب ہو کہ محض سختی کافی نہ ہوگی بلکہ اس کی تحقیر سے منکر کا خاتمہ ہوسکتا ہے تو تحقیر لازمی ہے اور اگر یہ گمان ہو کہ تحقیر سے بھی مطلوب حاصل نہ ہوگا بلکہ ترش روئی ضروری ہے تو ترش روئی کرنا واجب ہوگا۔

مٹا دینا:

یہ احتساب کا چوتھا درجہ ہے۔ اس میں آلات موسیقی جیسے طنبور، عود، چنگ و رباب وغیرہ کو توڑنا، شراب کو بہا دینا (مردوں کے جسم سے) ریشمی کپڑے اتروالینا غصب شدہ چیز واپس لینا اور اس طرح کے دیگر امور شامل ہیں۔

اس درجے کے آداب

اس درجے کے دو آداب ہیں:

پہلا یہ کہ جب زبانی احتساب اثر انداز نہ ہو تو ہاتھ کو حرکت دی جائے۔ پہلے سمجھایا جائے اگر باز نہ آئے تو ایسا کیا جائے۔

دوسرا یہ کہ حد سے تجاوز نہ کیا جائے جیسے کسی غاصب کو ہاتھ سے پکڑ کر غصب شدہ گھر سے نکالا جاسکتا ہو تو اس کی داڑھی یا گریبان پر ہاتھ نہ ڈالا جائے۔ اسی طرح اگر آلات موسیقی توڑنے سے ناکارہ ہوجائیں تو انہیں جلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ توڑنے کی صورت

یہ ہے کہ ان کی مرمت کا خرچ نیا آلہ خریدنے کے برابر ہو۔اسی طرح شراب جس برتن میں موجود ہو اگر وہ کسی دوسرے استعمال میں آسکتا ہو اور یہ گمان غالب ہو کہ اب وہ شخص اس میں دوبارہ شراب نہیں رکھے گا تو صرف شراب بہائی جائے، برتن نہ توڑا جائے۔لیکن اگر یہ اندیشہ ہو کہ وہ اس برتن میں دوبارہ شراب رکھے گا تو اس برتن کو بھی توڑنا واجب ہے۔

نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں شراب کے برتن توڑے گئے تھے بعد میں وہ حکم منسوخ ہو گیا لیکن اصول یہ ہے کہ جس علت کی عدم موجودگی میں حکم باقی نہیں رہتا اس علت کی موجودگی میں حکم واپس آجائے گا۔اس لئے بوقت ضرورت فاسقوں کو سزا دینے کے لیے ان کے شراب کے برتن توڑے جاسکتے ہیں۔اسی طرح اگر شراب کا برتن تنگ منہ والا ہو اور اس میں سے شراب بہانے میں خاصہ وقت لگتا ہو اور یہ اندیشہ موجود ہو کہ ایسی صورت میں فاسق آکر وہ برتن چھین لیں گے یا اتنا وقت ضائع ہو جس کے باعث دوسرے معاملات متاثر ہوں تو بھی شراب کے برتن توڑنا جائز ہے کیونکہ منکر کو مٹانا واجب ہے مگر شراب کے برتن بچانے کی خاطر اپنے کسی ذاتی کام کا حرج کرنا مناسب نہیں ہے۔اسی طرح برتن کسی ایسی جگہ موجود ہوں جو محتسب کے ہاتھ کی رسائی سے باہر ہو مگر اسے پتھر مار کر توڑا جاسکتا ہو تو بھی اسے توڑنا جائز ہے اور کسی برتن کا تاوان محتسب پر لازم نہیں ہوگا، جیسے شراب کا مالک اگر مزاحم ہو تو اسے بھی نقصان پہنچایا جاسکتا ہے۔لہٰذا شراب کے برتن کی حرمت اس کے مالک سے زیادہ نہیں ہے۔ان فقہی مسائل کا جاننا محتسب کے لیے ضروری ہے۔

مار پیٹ کا خوف دلانا:

احتساب کی پانچویں صورت فاسق کو ڈرانا ہے یعنی یہ کہا جائے کہ اگر تم نے یہ کام نہ چھوڑا تو میں تمہارا سر توڑ دوں گا یا تمہیں سزا دوں گا۔اس کے لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسی دھمکی نہ دی جائے جو شرعی احکام کے خلاف ہو جیسے گھر اجاڑنا، بیوی بچوں کو قید کرنا وغیرہ کیونکہ عزم کے ساتھ یہ دھمکی دینا بذات خود حرام ہے اور اگر نمائشی دھمکی دی تو یہ جھوٹ ہے۔ تاہم مارنے یا بے عزت کرنے کی دھمکی دیتے وقت کسی حد تک اس پر عمل کا ارادہ ہو تو ایسا کرنا جائز ہے۔تاہم دھمکی کے دوران بطور ضرورت مبالغہ کیا جاسکتا ہے جیسے فریقین یا

زوجین میں صلح کے لیے مبالغہ کرنا جائز ہے۔ تاہم یہ مبالغہ انتہائی ضرورت کے وقت کیا جائے گا۔ علماء نے اسے محتسب قرار دیا ہے اور بعض بزرگان دین نے اس پر عمل بھی کیا ہے۔

مار پیٹ کرنا:

اس کے لیے ضروری ہے کہ مار پیٹ ضرورت کے مطابق ہو یعنی مذکورہ بالا تمام صورتیں اسے گناہ کے ارتکاب سے باز نہ رکھ سکیں۔ اسی طرح مار پیٹ میں حد سے تجاوز کرنا یا ضرورت سے زیادہ مار پیٹ بھی غلط ہے۔ قاضی کی طرح محتسب پر بھی درجہ بندی کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے جیسے کوئی شخص کسی عورت کو یرغمال بنا چکا ہو تو ہتھیار اٹھایا جا سکتا ہے۔ تاہم کوشش یہ کی جائے کہ جانی نقصان کے بغیر مقصد حاصل ہو جائے۔

معتزلہ کے نزدیک وعظ و نصیحت کے علاوہ اور کوئی احتساب عام آدمی کے لیے جائز نہیں ہے چونکہ ان حقوق کا تعلق اللہ کے ساتھ ہے اور احتساب کی ذمہ داری حکومت کی ہے۔ تاہم جمہور اہلسنّت کے نزدیک حقوق العباد کی طرح حقوق اللہ میں بھی عام آدمی احتساب کر سکتا ہے کیونکہ ہر بندے پر احتساب واجب ہے۔

لڑائی کرنا:

جب فاسق طاقتور اور محتسب کمزور ہو تو محتسب اعوان و انصار کی مدد سے لڑائی کر کے منکر کا خاتمہ کر سکتا ہے ۔اس پر علماء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک حاکم کی اجازت کے بغیر صرف عوام یہ کام نہیں کر سکتے کیونکہ اس طرح معاشرے میں فساد پیدا ہو جائے گا جبکہ بعض علماء کے نزدیک حاکم کی اجازت ضروری نہیں ہے اور یہی قول قرین قیاس ہے کیونکہ سب کے نزدیک ہر شخص پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر واجب ہے جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے اور یہ کام مختلف درجات میں ہوتا ہے جہاں تک کہ لڑائی اور مقابلے کی صورت پیش آجاتی ہے۔ لہٰذا عبادت سمجھ کر یہ کام کرنے والے کو چاہئے کہ وہ نتائج سے بے پرواہ ہو جائے کیونکہ شرعی احکام کے نفاذ اور منکرات کے خاتمے کے لیے کوشش کرنا نہایت افضل عبادت ہے جس طرح مسلمان کفار سے مقابلہ کر سکتے ہیں اسی طرح مسلم معاشرے کے ناپسندیدہ افراد کا خاتمہ بھی کر سکتے ہیں۔ علانیہ طور پر فسق کرنے والا شخص اگر اس مقابلے میں مارا جائے

تو اس کا خون ضائع ہوگا اور اگر محتسب مارا جائے تو مظلوم شہید ہوگا۔ تاہم یہ صورتحال شاذ و نادر پیش آتی ہے۔ یہ ایک ایسا فقہی مسئلہ ہے جس میں اختلاف پایا جاتا ہے لہٰذا اس کی جزئیات کو سمجھنا ضروری ہے۔

محتسب علیہ

احتساب کا تیسرا رکن محتسب علیہ ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو کسی گناہ کے ارتکاب کے باعث احتساب کا مستحق قرار پائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس سے صادر ہونے والا فعل اس کے حق میں منکر ہو اور یہ چیز محض انسان ہونے سے ثابت ہو جاتی ہے۔ اس کے لیے عاقل، بالغ، آزاد، مسلمان یا مکلف ہونا شرط نہیں ہے یعنی اگر کوئی بچہ شراب پیئے یا پاگل زنا کرے انہیں روکنا واجب ہے۔ جیسے اگر کوئی چوپایہ کسی مسلمان کا کھیت خراب کر رہا ہو تو اسے بھی روکنا واجب ہے۔ تاہم اسے احتساب نہیں کہا جا سکتا چونکہ احتساب سے مراد ایسے منکر کو روکنا ہے جس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو اور وہ مرتکب کے حق میں گناہ ہو۔

احتساب کے وجوب کے دو سبب ہیں

ایک سبب اللہ کا حق ہے جسے ضائع کرنا معصیت کہلاتا ہے جبکہ دوسرا سبب بندوں کا حق ہے جسے ضائع کرنا ظلم کہلاتا ہے۔ بعض منکرات میں دونوں حقوق کا خیال رکھا جاتا ہے اور بعض میں صرف ایک پیش نظر ہوتا ہے۔ جیسے ایک شخص دوسرے کا مال ضائع کر رہا ہو تو یہاں دونوں حقوق موجود ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا حق اس لئے کیونکہ اس کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ اور بندے کے نقصان کے باعث اس کا حق بھی متاثر ہوا ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص کسی کی اجازت سے کسی کا کوئی عضو ضائع کر دے تو دوسرے شخص کا حق ساقط ہو جائے گا لیکن پہلے شخص کو اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کے باعث سزا دی جائے گی۔ بچے یا پاگل کو شراب یا زنا سے منع کرنا اسی قسم میں شامل ہے۔ تاہم کھیت میں چوپائے کے داخل ہونے کا حکم مختلف ہے۔ چونکہ چوپائے کا عمل معصیت نہیں ہے اور اس کے روکنے کا مقصد مسلمان کے مال کی حفاظت ہے اسی لئے اس پر احتساب کا اطلاق نہیں ہوگا چونکہ اگر وہ جانور پانی کی جگہ شراب پی لے تو اسے نہیں روکا جائے گا۔ تاہم کسی پاگل یا بچے کو شراب پینے یا کسی جانور

سے بدفعلی کرنے سے روکنے کا مقصد شراب یا چوپائے کے احترام کے بجائے انسانیت کا احترام ہے۔ یہ ایک لطیف نکتہ ہے جس سے اہل علم صحیح معنوں میں لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

مال کی حفاظت کی دو صورتیں

اب یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ دوسروں کے مال کی حفاظت کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ اس کے باعث کسی مسلمان کی جان، مال و آبرو کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے احتساب کی یہ مقدار واجب کا سب سے کم درجہ ہے اور اہل اسلام کے حقوق سے متعلق روایات اس کی دلیل ہیں۔ سلام کا جواب دینے سے زیادہ ضروری کسی مسلمان کی جان، مال یا آبرو کا تحفظ ہے کیونکہ سلام کا جواب نہ دینے کی بہ نسبت اس تحفظ کی عدم موجودگی زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کسی مسلمان کا مال کوئی ظالم غصب کر رہا ہو اور کسی دوسرے شخص کی گواہی کے باعث وہ مال اس کے اصل مالک کو واپس مل سکتا ہو تو اس دوسرے شخص کو گواہی دینا واجب ہے اور وہ اگر ایسا نہیں کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

دوسری صورت یہی ہے کہ اگر کسی منکر کے خاتمے کے باعث جان، مال و آبرو کو خطرہ محسوس ہو تو احتساب واجب نہیں ہوگا کیونکہ دوسرے مسلمانوں کی طرح محتسب کی جان و مال و آبرو کا تحفظ بھی ضروری ہے اور اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے وہ کسی دوسرے کے حق کی خاطر اپنا حق قربان کر دے تاہم اگر وہ یہ ایثار کر دے تو یہ عمل مستحب ہوگا۔ یہاں فریقین کے نقصان کی کمی و بیشی کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ جیسے کوئی یہ کہے کہ کسی جانور کو کھیت سے نکالنے والے کا ایک درہم ضائع ہوگا جبکہ نہ نکالنے کی صورت میں کھیت والے کا نقصان زیادہ ہوگا۔ اس لئے زیادہ نقصان سے بچنے کو ترجیح دی جائے گی اور جانور کو نکالنا لازم ہوگا۔ ایسا نہیں ہے کھیت کی طرح ایک درہم کی حفاظت بھی ضروری ہے تاہم اگر کوئی مال معصیت کے طور پر ضائع ہو رہا ہو جیسے غصب، لوٹ یا ظلم تو اس کی حفاظت لازم ہے۔ اگرچہ اس سے کوئی تکلیف ہی لاحق کیوں نہ ہو چونکہ یہاں اصل مقصد شرعی احکام کی پاسداری ہے اور ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ منکرات کو روکنے میں مشقت برداشت کرے جیسے گناہ کو ترک

کرتے وقت مشقت برداشت کی جاتی ہے بلکہ تمام عبادات کی بنیاد نفس کی مخالفت ہے اور یہ ایک تکلیف دہ امر ہے۔

تکلیف کی تین صورتیں

جب یہ بات واضح ہوگی کہ تکلیف کی کمی بیشی منکر کو ختم کرنے کے وجوب یا عدم وجوب سے تعلق رکھتی ہے تو اب یہ بات بھی جان لیں کہ تکلیف کی تین صورتیں ہیں دو انتہائی اور ایک درمیانی۔

پہلی صورت یہ ہے کہ تکلیف کم ہو جیسے گواہ کو گواہی دینے کے لیے عدالت میں حاضر ہونا اتنی تکلیف کے باعث مسلمان کے حق کی حفاظت کا فرض ساقط نہیں ہوتا۔

دوسری صورت بہت زیادہ تکلیف دہ ہے اس میں حفاظت کا حق ساقط ہو جاتا ہے جیسے کسی گواہ کو گواہی دینے کے لیے دوسرے شہر میں جانا پڑے ہر آدمی جانتا ہے کہ یہ تکلیف اٹھانا ضروری نہیں ہے۔

تیسری صورت کا تعلق ان دونوں کی درمیانی صورت ہے جس میں پہلی دونوں صورتوں کا کچھ حصہ موجود ہوتا ہے۔ اھل علم ہر ایک مخصوص صورتحال کے مطابق اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ جو طریقہ ہدایت اور درستگی کے زیادہ نزدیک ہو اور گناہ و سزا کے خطرے سے زیادہ دور ہو اسے اختیار کر لیا جائے۔

محتسب فیہ

احتساب کا چوتھا رکن محتسب فیہ ہے۔ اس سے مراد وہ کام ہے جس کے ارتکاب کے باعث احتساب کیا جاتا ہے۔ اس رکن کی چار شرائط ہیں۔

(1) پہلی شرط یہ ہے کہ عمل کی حقیقت منکر ہو یعنی شرعی طور پر اس کا ارتکاف ممنوع ہو۔ اگرچہ غافل کے لیے اس کا ارتکاب گناہ نہ ہو کیونکہ بعض اوقات کوئی فعل ممنوع ہوتا ہے اس سے روکنا بھی واجب ہوتا ہے لیکن اسے کرنے والا گنہگار نہیں ہوتا۔ جیسے بچہ شراب پی لے یا پاگل زنا کرے کیونکہ یہ دونوں عمل گناہ کبیرہ ہیں لیکن یہ دونوں کرنے والے گنہگار نہیں ہوں گے۔

لہٰذا معصیت کی بہ نسبت لفظ منکر زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے اور تمام چھوٹے بڑے گناہ اس کے مفہوم میں شامل ہوں گے اور احتساب کا حکم ان تمام گناہوں پر جاری ہوگا۔

(2) محتسب فیہ کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ منکر موجود ہو کیونکہ اگر وہ سابقہ زمانے میں واقع ہوا تھا اب عام لوگ اس پر احتساب نہیں کر سکتے۔ صرف حاکم اسے سزا دے سکتا ہے جبکہ آئندہ زمانہ میں جو معصیت کرنے کا پروگرام ہو اگر اس کا صرف اقرار کیا گیا ہے تو وعظ و نصیحت کافی ہے لیکن اگر انکار کیا جائے تو وعظ و نصیحت کے طور پر احتساب بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بدگمانی ہوگی تو جو حرام۔

(3) تیسری شرط یہ ہے کہ محتسب فیہ جاسوسی کے بغیر خود ظاہر ہو اگر کوئی شخص اپنے گھر میں چھپ کر کسی منکر کا مرتکب ہو تو جاسوسی کے ذریعے اسے ظاہر کرنا درست نہیں ہے بلکہ اس کی پردہ پوشی ضروری ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

زمانہ خلافت میں حضرت عمر نے گشت کے دوران ایک مرد کو کسی اجنبی عورت کے ساتھ فحش حالت میں دیکھا۔ اگلے دن آپ نے منبر پر چڑھ کر دریافت کیا، اگر کوئی حکمران کسی شخص کو زنا کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھے تو کیا وہ اس پر حد جاری کرسکتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا آپ بہتر سمجھتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اگر آپ نے دونوں کا نام لے لیا تو آپ پر تہمت کی حد جاری کی جائے گی کیونکہ اس کام کی پردہ پوشی کی تحقیق کے لیے اللہ تعالیٰ نے چار گواہوں کی موجودگی شرط قرار دی ہے۔ اس لئے کسی ایک شخص کی گواہی کافی نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوسرا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ہمراہ گشت کر رہے تھے ایک گھر سے شرابیوں کے غل غپاڑہ کرنے کی ہلکی سی آواز آرہی تھی۔ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کیا تم جانتے ہو یہ کس کا گھر ہے۔ انہوں نے انکار کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ امیہ بن خلف کے بیٹے ربیعہ کا گھر ہے اور یہ لوگ عادی شرابی ہیں۔ اب

ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا میرے خیال میں ہم نے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جاسوسی کرنے سے منع کیا ہے۔ حضرت عمر یہیں سے واپس پلٹ گئے۔

پردہ پوشی کی حد

پردہ پوشی کی حد یہ ہے کہ اگر کوئی فاسق شخص دروازہ بند کر کے گھر میں بیٹھا ہو اور اسکے گھر سے رقص و سرود کی آواز بلند نہ ہو رہی ہو تو اس کی جاسوسی کرنا یا اس کے گھر میں جھانکنا غلط ہے۔ تاہم اگر آواز اتنی بلند ہو کہ گھر کے باہر بھی سنی جاسکتی ہے تو کسی بھی طرح گھر میں داخل ہو کر اس منکر کو مٹایا جائے گا۔ بعض صورتوں میں غلبہ ظن علم کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی شراب کا برتن اٹھا کر لے جارہا ہو یا آلہ موسیقی چھپا کر لے جارہا ہو تو احتساب ضروری ہے چونکہ جو چیز محسوس ہو رہی ہو اسے پوشیدہ نہیں کیا جاسکتا جبکہ پوشیدہ چیزوں کی جاسوسی ممنوع ہے لیکن ظاہر چیزوں کا احتساب ضروری ہے۔ ظاہر ہونے کے بھی کئی درجے ہیں ان کا تعلق سماعت، بصارت، سونگھنے، چھونے کے ساتھ ہے، کیونکہ اصل مقصد علم کا حصول ہے اور حواس کے ذریعے علم حاصل ہو جاتا ہے۔ تاہم یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دکھاؤ اس برتن میں کیا ہے کیونکہ یہ جاسوسی ہوگی۔ جب علامت خود ظاہر ہو تو اس کے مقتضی پر عمل ضروری ہے لیکن علامت کی تلاش غلط ہے۔

(4) محتسب فیہ کے لیے چوتھی شرط یہ ہے کہ منکر اجتہادی مسئلہ نہ ہو اگر امت کے کسی مجتہد نے کسی چیز کو جائز قرار دیا ہو تو دوسرا اس پر اعتراض نہیں کر سکتا جیسے کوئی حنفی کسی شافعی پر گوہ یا بجو کھانے یا کسی ایسے جانور کا گوشت کھانے پر اعتراض نہیں کرسکتا جسے ذبح کرتے وقت جان بوجھ کر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ اسی طرح کوئی شافعی کسی حنفی پر ولی کی اجازت کے بغیر (عورت کا) نکاح کرنے' پڑوسی کا حق شفعہ، غیر نشہ آور نبیذ پینے وغیرہ سے معاملات میں اعتراض نہیں کرسکتا البتہ ان ہی مسائل میں شافعی، شافعی پر یا حنفی، حنفی پر اعتراض کرسکتا ہے کیونکہ ہر مقلد پر مجتہد کی پیروی لازم ہے اور اس کے حق میں مجتہد کے فتویٰ کی خلاف ورزی معصیت ہے۔ اگرچہ وہ فتویٰ مشیت الٰہی کے

خلاف ہو۔ تاہم یہ حکم فروعی عملی مسائل کا ہے۔ اصولی اعتقادی مسائل میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

اس مسئلے کے احتمالات،

اس مسئلے میں کچھ احتمالات پائے جاتے ہیں جنہیں دوصورتوں میں بیان کیا جائے گا۔

(1) پہلے احتمال کی مثال یہ ہے کہ کوئی محتسب کسی بہرے شخص کو دیکھے کہ وہ کسی عورت کے ساتھ زنا کی لذت سے صحبت کر رہا ہے لیکن درحقیقت اس بہرے کے باپ نے بچپن میں اس عورت کا نکاح اس بہرے کے ساتھ کیا تھا لیکن بہرہ اس بات سے واقف نہیں ہے لیکن محتسب اس بات سے واقف ہے مگر اس کے بہرے پن کے باعث اس بات کی خبر نہیں دے سکتا اب وہ بہرا اللہ کے علم کے مطابق اپنی بیوی سے صحبت کر رہا ہے مگر وہ گنہگار ہوگا۔

(2) احتساب کی دوسری مثال اس کے برعکس ہے جیسے کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتے ہوئے اس طلاق کو محتسب کے باطن یعنی غصے وغیرہ سے مشروط کردے اور پھر وہ صفت محتسب میں پیدا ہوجائے لیکن کسی وجہ سے وہ اس کی اطلاع میاں بیوی کو نہ دے سکے لیکن اسے اس بات کا یقین ہو کہ میاں بیوی کے درمیان طلاق واقع ہوچکی ہے اور پھر وہ فریقین کو صحبت کرتا ہوا پائے تو انہیں روکنا واجب ہے۔ اگرچہ شوہر کو طلاق کے واقع ہونے کا علم نہیں ہے اور اسی لاعلمی کے باعث گنہگار بھی نہیں ہوگا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہیں اس کام سے روکا بھی نہ جائے۔

اگر صورتحال اس کے برعکس ہو تو حکم بھی برعکس ہوگا یعنی اگر کوئی عمل اللہ کے نزدیک منکر نہ ہو اور فاعل کے نزدیک لاعلمی کا باعث ممکن ہو تو اسے روکنا ضروری نہیں ہے۔ جیسے کہ پہلی مثال میں بیان کیا گیا ہے۔

یہاں یہ بات ضروری ہے کہ گوہ یا متروک التسمیہ کے کھانے پر کوئی حنفی کسی شافعی پر اعتراض نہیں کرسکتا۔ اسی طرح ولی کی اجازت کے بغیر نکاح یا پڑوسی کے شفعہ کے مسئلہ میں کوئی شافعی کسی حنفی پر اعتراض نہیں کرسکتا تاہم اعتقاد کے اتفاق کے باعث گوہ کھانے کے

باعث کسی حنفی کا دوسرے حنفی پر اعتراض کرنا واجب ہے یا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرنے پر کسی شافعی کا دوسرے شافعی پر اعتراض کرنا واجب ہے۔

ہر مجتہد دلائل کی ترجیح اور غلبہ ظن کے مطابق فتویٰ دے دیتا ہے لیکن ثواب کی کامیابی کی دولت اسے نصیب ہوتی ہے جو نفسانی خواہشات سے اپنے دامن کو پاک رکھتا ہے اور ریاکاری کے بغیر اللہ کی رضا کا طالب ہوتا ہے۔ نفس کے سورج کو مکاری کے بادل سے نہیں چھپاتا ہے اور آخرت کی دولت کو دنیا کے مردار کے عوض فروخت نہیں کرتا۔ نیز دنیا کے چند روزہ فائدے کے حصول کے لیے دین کو تباہ نہیں کرتا۔

منکرات کی اقسام

احتساب کے ارکان اور شرائط سے واقفیت کے بعد یہ بات جان لیں کہ ہمارے زمانے میں جو منکرات عام طور پر رائج ہیں ان کی تعداد بے شمار ہے اور انہیں تفصیل سے بیان کرنا ممکن نہیں ہے تاہم مجموعی طور پر انہیں سات قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

مساجد کے منکرات، بازار کے منکرات، راستے کے منکرات، حمام کے منکرات، ضیافت کے منکرات، تعمیرات کے منکرات، عام منکرات ان تمام اقسام کی صرف بنیادی چیزیں ذکر کی جائیں گی۔ ذیلی امور کو انہی پر قیاس کیا جائے گا۔

مساجد کے منکرات

(1) مسجد کا سب سے برا منکر رکوع اور سجدے کے وقت عدم اطمینان ہے۔ صحیح حدیث کے مطابق یہ جلد بازی نماز کو باطل کر دیتی ہے اس لئے اس سے روکنا ضروری ہے۔

(2) مسجد کا دوسرا منکر قرآن کی غلط قرأت ہے۔ جس طرح صحیح قرآن پڑھنا واجب ہے اسی طرح غلط پڑھنے سے روکنا بھی واجب ہے اور ایسا نہ کرنا گناہ ہے کیونکہ صحیح پڑھنے کی صلاحیت ہونے کے باوجود غلط پڑھنا گناہ ہے اور گناہ پر خاموش رہنا بھی گناہ ہے۔ اگر کوئی شخص صحیح مخارج ادا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور اس کی اکثر قرأت غلط ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ قرآن نہ پڑھے اور صرف سورہ فاتحہ صحیح پڑھ لیا کرے لیکن اگر وہ مکمل طور پر صحیح قرأت نہیں کر سکتا مگر اس کی زیادہ تر قرأت صحیح ہے تو علماء کے

نزدیک ایسی قرأت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تاہم اس شخص کو بلند آواز سے قرأت نہیں کرنی چاہئے۔

(3) مسجد کا تیسرا منکر یہ ہے کہ خطیب نے ایسا لباس پہن رکھا ہو جس کا اکثر حصہ ریشمی ہو یا اس نے ایسی تلوار پکڑ رکھی ہو جس کا قبضہ سونے یا چاندی سے بنا ہو ایسے خطیب کے پاس تو بیٹھنا بھی نہیں چاہئے اور اس کے اس عمل پر اعتراض کرنا چاہئے۔

(4) مسجد کا چوتھا منکر قصہ گو لوگوں کا حلقہ ہے۔ آج کل یہ حضرات واعظین کہلاتے ہیں! انہیں تفسیر کا کچھ علم نہیں ہوتا۔ ترغیب و ترہیب سے متعلق احادیث سے یہ آگاہ نہیں ہوتے۔ صرف جھوٹی حکایات، لچھے دار باتوں، غفلت کا شکار کرنے والی روایات، اشعار وغیرہ سنا کر لوگوں کو گناہوں کے ارتکاب پر دلیر کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر اعتراض کرنا واجب ہے کیونکہ واعظ کے لیے یہ بات شرط ہے کہ تقویٰ و پرہیزگاری سے متصف ہو۔ باوقار اور پرسکون طبیعت کا مالک ہو، سنجیدہ و متین ہو، نیک لوگوں کی عام علامات اس میں موجود ہوں۔ جس واعظ میں یہ خصوصیات موجود نہ ہوں اس کی تقاریر کے باعث لوگوں میں بھلائی کے بجائے بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

(5) مسجد کا پانچواں منکر دینی محافل میں مردوں اور عورتوں کی مخلوط شرکت ہے۔ خواتین کو مساجد، قبرستان اور اس طرح دیگر مقامات پر مردوں کے ہمراہ مخلوط طور پر شریک ہونے سے روکا جائے گا۔ تاہم عمر رسیدہ خواتین پرانے کپڑے پہن کر، پردے کے پیچھے الگ بیٹھ کر وعظ سن لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(6) مسجد کا چھٹا منکر نام نہاد طبیب اور شعبدہ بازی ہیں۔ جو عام اجتماعی یعنی جمعہ اور عید کے دن مسجد کے باہر اپنی دکان سجا کر دعائیں، تعویزات، معجونیں اور کھانے پینے کی اشیاء فروخت کرتے ہیں۔ قصائد اور اشعار پڑھتے ہیں۔ یہ سب کام ممنوع ہیں اور ان سے روکنا واجب ہے۔

(7) مسجد کا ساتواں منکر دیوانوں اور نشہ کرنے والوں کا مسجد میں داخلہ ہے۔ اگر دیوانے پر پاکیزگی اور سکون غالب ہو تو وہ مسجد میں داخل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کھیل کود کرنے

والے بچوں کو مسجد میں لانا بھی منع ہے۔ ان سب امور سے روکنا نہایت ضروری ہے۔

بازار کے منکرات

بازار کے بنیادی منکرات دس ہیں۔ دیگر منکرات ان ہی کی ذیلی اقسام ہیں۔

(1) بازار کا پہلا منکر یہ ہے کہ نفع کے بارے میں جھوٹ بولا جائے جیسے کسی شخص نے کوئی سامان دس درہم میں خریدا ہو وہ یہ کہے کہ میں نے اسے بارہ درہم میں خریدا تھا اور اب تمہیں ایک درہم کے نفع پر بیچ رہا ہوں یہ شخص فاسق بھی ہے اور جھوٹا بھی ہے جو شخص اس کے جھوٹ سے آگاہ ہو اسے چاہئے کہ وہ خریدار کو اس کی اطلاع دے ورنہ وہ خود گنہگار ہوگا۔

(2) بازار کا دوسرا منکر سامان کا عیب چھپانا ہے۔ روایات کے مطابق ایک مرتبہ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بازار میں کھڑے تھے کہ ان کے پاس ایک شخص اپنا اونٹ بیچنے کے لیے کھڑا ہوا تھا۔ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ کی توجہ کسی اور طرف مبذول ہوئی تو اس نے اپنا اونٹ تین سو درہم میں فروخت کر دیا۔ خریدار وہ اونٹ لے کر چل پڑا۔ جب حضرت واثلہ کو اس کا پتہ چلا تو آپ دوڑتے ہوئے اس کے پیچھے گئے اور اس سے دریافت کیا، تم نے اس اونٹ کو سواری کے لیے خریدا ہے یا ذبح کرنے کے لیے؟ اس نے کہا سواری کرنے کے لیے۔ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے کہا، اس کے ایک پاؤں میں سوراخ ہے جس کے باعث یہ زیادہ فاصلے تک نہیں چل سکتا۔ اسی طرح زیادہ بوجھ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ شخص واپس آیا اور اونٹ کے سابقہ مالک سے قیمت میں سو درہم کم کروا لئے۔ سابقہ مالک نے حضرت واثلہ سے کہا، تم نے سودے میں نقصان کروا دیا۔ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔

> لایحل لاحد یبیع بیعا الا بیّن ما فیہ ولا یحل لمن یعلم ذلک الا بیّنہ
>
> ”جو شخص کوئی چیز فروخت کرے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کا عیب چھپائے اور جو دوسرا اس سے واقف ہے اس کے لیے بھی بیان کرنا ضروری

ہے۔''

(3) بازار کا تیسرا منکر یہ ہے کہ ایک شخص کوئی چیز خریدنے لگے اور دوسرا آ کر اس چیز کی زیادہ قیمت لگا دے تا کہ خریدار دھوکہ کھا جائے یہ عمل حرام ہے۔ کرنے والا گنہگار ہوگا اور اس سے روکنا واجب ہے۔

(4) بازار کا چوتھا منکر یہ ہے کہ ایک شخص نے کوئی سامان خریدا اور قیمت طے ہو جانے کے بعد کوئی دوسرا شخص اسے آ کر یہ کہے کہ تم یہ سودا ختم کر دو میں تمہیں اس سے اچھی اور سستی چیز دوں گا یا فروخت کرنے والے سے یہ کہے تم یہ سامان مجھے فروخت کر دو میں اس کی زیادہ قیمت دوں گا اس حرکت پر انکار بھی واجب ہے۔

(5) بازار کا پانچواں منکر ناپ تول میں کمی ہے۔ ایسا کرنے والا سخت گنہگار ہوتا ہے۔ محتسب کے لیے ضروری ہے کہ وہ مہینے میں ایک بار بازار کا چکر لگا کر ماپ تول کے پیمانوں کا جائزہ لے۔ اگر کوئی شخص کسی دکاندار کی خیانت سے واقف ہو جائے تو اسے متعلقہ حاکم کو خبر دے اور حاکم کے لیے ضروی ہے کہ ایسے شخص کو سخت سزا دے کر اس برائی کا خاتمہ کرے۔

(6) بازار کا چھٹا منکر، امام شافعی کے نزدیک لفظی طور پر ایجاب وقبول ترک کرنا تاہم امام ابوحنیفہ کے نزدیک لین دین ایجاب وقبول کا قائم مقام ہے۔

(7) بازار کا ساتواں منکر غیر شرعی شرائط ہیں جو اکثر مقامات پر رائج ہیں ان سے روکنا بھی ضروری ہے۔

(8) بازار کا ا ھواں منکر حیوانات کے مجسمے فروخت کرنا ہے جو عام طور پر بچوں کے کھیلنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح آلات موسیقی کی خرید وفروخت بھی اس میں شامل ہوگی ان سب سے روکنا بلکہ انہیں توڑنا واجب ہے۔

(9) بازار کا نواں منکر سونے چاندی کے برتن اور مردانہ ریشمی کپڑوں کی فروخت ہے۔ انہیں روکنا بھی واجب ہے۔

(10) بازار کا دسواں منکر یہ ہے کہ پرانے کپڑوں کو سی کر، دھو کر نیا بنا کر پیش کرنا، یہ دھوکے

کی ایک قسم ہے اور حرام ہے۔ اس سے روکنا بھی واجب ہے۔

راستے کے منکرات

1- راستے میں ستون سے ٹیک لگا کر اسی طرح کھڑے ہونا کہ راستہ تنگ ہو جائے۔
2- راستے میں اس طرح بیٹھنا کہ گزرنے والوں کو تکلیف ہو۔ اگر نشست گاہ بنائی گئی ہو تو اسے توڑنا واجب ہے۔
3- پرنالہ اسی طرح رکھنا کہ اس کا پانی راستہ میں گرتا ہو اور لوگوں کے کپڑے خراب ہوتے ہوں۔
4- تنگ راستے میں ریڑھی وغیرہ لگا لینا جس سے لوگوں کو تکلیف ہو۔
5- راستے میں سازوسامان رکھ دینا۔
6- راستے میں جانور باندھ دینا تاہم سامان لادنے کے لیے ضروری حد تک جانور کو روکنا جائز ہے۔ اسی طرح جانوروں پر ضرورت سے زیادہ بوجھ لادنا بھی ممنوع ہے اور ان سب سے منع کرنا واجب ہے۔
7- غلاظت، گندگی، گوبر، اوجھڑی یا وہ تمام اشیاء جن سے طبیعت نفرت کرتی ہو اسے راستے میں ڈالنا۔
8- کوڑا کرکٹ، راکھ، پھلوں کے چھلکے وغیرہ راستے میں ڈال دینا جس سے کسی کے پھسلنے کا اندیشہ ہو۔
9- بدبودار مردہ جانور کی لاش راستے میں ڈال دینا جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہو۔
10- جو گھر عام راستے میں واقع ہو اس کے باہر کاٹنے والا کتا باندھ دینا۔

یہ سب منکرات ممنوع ہیں۔ ان سے روکنا واجب ہے اور خاموش رہنا جرم ہے۔

حمام کے منکرات

1- حمام کے دروازوں پر بنی ہوئی تصاویر خواہ انسانوں کی ہوں یا جنات، حیوانات یا فرشتوں کی انہیں مٹانا واجب ہے۔ نیز جس حمام میں تصاویر موجود ہوں اس میں داخل ہونا بھی حرام ہے۔ البتہ درختوں یا دیگر بے جان چیزوں کی تصاویر مٹانا ضروری نہیں

ہیں۔

2- حمات میں بے پردہ ہونا یا دوسرے کے ستر کو دیکھنا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں طرح کے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے۔

3- مالش کرنے والے کا رانوں پر مالش کرنا۔

4- منہ کے بل لیٹنا اور کولہوں کی مالش کروانا بطور خاص جبکہ شہوت کا اندیشہ ہو۔

5- ناپاک ہاتھوں یا برتنوں کو چھوٹے حوضوں میں داخل کرنا۔

6- ضرورت سے زیادہ پانی بہانا۔

7- صابن ملا ہوا پانی راستے میں بہا دینا اگر اس پانی کے باعث کوئی پھسل کر گر پڑے اور اس کا کوئی عضو ٹوٹ جائے تو حمام کے مالک اور پانی پھینکنے والے، دونوں پر تاوان لازم ہوگا۔

8- حمام کے فرش پر چکنا پتھر لگانا جس کے باعث کسی کے پھسلنے کا اندیشہ ہو ایسے پتھر کو اکھیڑنا واجب ہے۔

ان تمام منکرات پر اعتراض واحتساب واجب ہے۔

ضیافت کے منکرات

1- مرد ریشمی چادروں پر بیٹھیں۔

2- سونے یا چاندی کی انگوٹھی میں بخور جلایا جائے یا سونے چاندی کے برتن استعمال ہوں۔

3- جانداروں کی تصاویر والے پردے لٹکے ہوں۔ اگر تکیئے یا فرش پر یہ تصاویر ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

4- آلات موسیقی کا اہتمام ہو۔

5- مردوں کو دیکھنے کے لیے عورتیں چھتوں پر آجائیں۔

6- کھانا حرام ہو یا غصب کی جگہ پر کھانے کا انتظام ہو۔

7- نشہ آور مشروبات موجود ہوں۔

8- مجلس میں کوئی بدعتی موجود ہو جو بدعت سے متعلق گفتگو کرے۔ اگر کوئی شخص اسے روکنے یا تردید کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس کے لیے ایسی مجلس میں شریک ہونا جائز ہے ورنہ حرام ہے۔

9- مجلس میں کوئی مسخرہ جھوٹی اور فحش باتوں کے ذریعے لوگوں کو خوش کرے تاہم اس کا مزاح سچی باتوں پر مشتمل ہو تو حرج نہیں۔

10- مجلس میں کسی مسلمان کی غیبت کی جائے اگر اس کو روک سکتا ہو تو شریک ہو کر روکنا واجب ہے اور اگر نہیں روکے گا تو گنہگار ہوگا لیکن اگر روکنے کی صلاحیت نہ ہو تو مجلس میں شرکت حرام ہے۔

اخراجات کے منکرات

اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم کا تعلق کھانے اور لباس میں فضول خرچی کے ساتھ ہے جبکہ دوسری قسم کا تعلق تعمیرات میں فضول خرچی کے ساتھ ہے۔

1- فضول طریقے سے مال ضائع کرنا جیسے جلا دینا یا دریا میں بہا دینا۔

2- گناہ کے لیے مال خرچ کرنا جیسے زنا، شراب یا گانے پر خرچ کرنا۔

3- ریاکاری اور شہرت کے حصول کے لیے مال خرچ کرنا۔

4- سود کا لین دین کرنا۔

5- مباح امور میں فضول خرچی کرنا جیسے ایک شخص کے گھر کا خرچ ایک سو درہم ہو مگر وہ ایک سو درہم کا کپڑا خرید کر پہن لے یا وہ ایک سو درہم کسی دعوت میں خرچ کر دے یہ فضول خرچی ہے اور اس سے روکنا واجب ہے۔ اسی طرح کوئی شخص ایک ہزار درہم مسجد یا اپنے گھر کے در و دیوار پر نقش و نگار بنانے میں خرچ کر دے جبکہ اس کے اہل و عیال بھوکے ہوں۔ ایسی فضول خرچی حرام ہے۔ اس کا انکار کرنا اور احتساب کرنا واجب ہے۔

عام منکرات

یہ وہ منکرات ہیں جن میں ہر شخص مبتلا ہے۔ اس کی وجہ لاعلمی ہے۔ نیز علماء کا عوام کی

صحیح تعلیم و تربیت نہ کرنا بھی ایک بنیادی سبب ہے۔ ہمارے زمانے میں جہالت اس قدر عام ہو چکی ہے کہ بڑے شہروں میں بیسیوں علماء موجود ہوتے ہیں لیکن اکثر لوگوں کو بنیادی فرائض کا بھی پتہ نہیں ہوتا۔ دیہات، جنگل یا پہاڑوں پر بسنے والوں کا تو خدا ہی حافظ ہے۔ حکام کا فرض ہے کہ وہ ہر شہر، محلے اور گاؤں میں ماہر علماء کا تقرر کریں تا کہ وہ عوام کی صحیح دینی تربیت کر سکیں۔ لوگ اپنی ضرورت کے مطابق ان سے فیض حاصل کریں۔ یہ حضرات لوگوں کو فرائض و واجبات کی تعلیم دیں۔ وعظ و نصیحت کریں، فاسق لوگوں کو ترغیب و ترہیب کے ذریعے شرعی احکام کی مخالفت سے روکیں۔ مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت کریں۔ برائیوں میں مبتلا لوگوں کو نیکی کی دعوت کریں۔ جہالت اور گناہوں کے اندھیروں کو علم اور نیکی کی روشنی سے شکست دیں۔

ہر فقیہہ کا فرض ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں، دوستوں، ہمسایوں، شہر والوں کو فرائض واجبات کی تعلیم دے۔ اس کے بعد دیہاتوں، پہاڑوں اور جنگلات کا تبلیغی دورہ کر کے اسلامی احکام کی دعوت و تبلیغ کریں۔

اگر اب فریضے کی ادائیگی میں کوتاہی کی گئی تو حکمران، علماء اور عام مسلمان سب گنہگار ہوں گے اور قیامت کے دن اس کوتاہی پر ان سے باز پرس کی جائے گی۔

واللہ یھدی الی الصواب والسلام علی من اتبع الھدیٰ

آٹھواں باب

شکر کا بیان

اس باب میں شکر کی فضیلت، اس کی حقیقت اور مختلف اقسام کا تذکرہ کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں پر بالعموم اور بادشاہوں پر بالخصوص جو انعامات کیے ہیں ان میں سے بعض کا تذکرہ یہاں کیا جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا وَاِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ

''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کی گنتی کرنا چاہو تو گن نہیں سکو گے بے شک انسان زیادتی کرنے والا ناشکرا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے بے انتہا فضل و کرم کے بارے میں غافل اور عالم بندوں کو یہ تنبیہ کی ہے کہ اگر تمام مخلوق جس میں جنات، فرشتے اور انسان شامل ہیں یہ سب مل کر ہماری عطا کردہ نعمتوں کا شمار شروع کریں تو ان کی تحقیق اور جستجو ان کے حوصلے اور ظرف کے مطابق ہوگی جبکہ ہماری شان کریمی اس سے کہیں بلند و برتر ہے۔ تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ لوگ مکمل طور پر ہماری عطا کردہ نعمتوں کے اسرار کو سمجھنا اور ان کا شکر ادا کرنا ترک کردیں کیونکہ یہ بھی محرومی کا باعث ہوگا۔

(سید ہمدانی فرماتے ہیں) جو نعمتیں ہمیں میسر ہیں اگر ہم ان پر اللہ کا شکر ادا کریں تو اس سے ان نعمتوں میں مزید اضافہ ہوگا جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ

''اگر تم شکر کرو گے تو میں مزید عطا کروں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بہت شدید ہے۔''

(اب ہم شکر سے متعلق چند احادیث نقل کریں گے)

فرمانِ الٰہی

حضرت علی روایت کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یقول اللہ تعالٰی یاابن ادم ماتنصفنی اتحبب الیك بالنعم وتتمقت الی المعاصی وخیری الیك نازل وشدك الی صاعۃ

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے آدم کے بیٹے! تو نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ میں تجھے نعمتیں عطا کرتا ہوں اور تو گناہ کرتا رہتا ہے۔ میری طرف سے تمہاری جانب بھلائی نازل ہوتی ہے اور تمہاری جانب سے میری جانب شر (گناہ) آتا ہے۔''

ہر رگ میں نعمت ہے

حضرت عقبہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کم من نعمۃ اللہ عذوجل فی کل عرق ساکن

''ہر رگ میں اللہ تعالیٰ کی کئی نعمتیں موجود ہیں۔''

دنیا و آخرت کی بھلائی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ثلث من اعطیھن فقد اعطی خیر الدنیا والاخرۃ قلبا شاکرا ولسانا ذاکرا ونفسا علی البلاء صابرۃ

''جس شخص کو تین چیزیں عطا کی گئیں اسے دنیا و آخرت کی بہترین چیزیں مل گئیں۔ یعنی شکر کرنے والا دل' ذکر کرنے والی زبان اور مصائب پر صبر کرنے والا نفس۔''

دوست اور نافرمان

حضرت بکر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من اعطى خيرا فيرى عليه سمى حبيب الله تعالىٰ محدثا بنعمته الله ومن اعطى خيرا فلم يرعليه سمى بغيض الله معاديالنعمة الله

''جس شخص کو کوئی بھلائی عطا کی گئی اور وہ اس کا اظہار کرتا ہے تو اس کا نام ''اللہ کا دوست'' رکھا جاتا ہے جو اس کی نعمت کا اظہار کر رہا ہے اور جس شخص کو کوئی بھلائی عطا کی گئی اور اس کا اظہار اس شخص سے نہ ہو تو اس کا نام ''اللہ کا نافرمان'' رکھا جاتا ہے جو اس کی نعمت کا دشمن ہے۔''

نعمت کا اظہار

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان الله يحب ان يرىٰ اثر نعمته علىٰ عبده

''بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کے اثر اس کے بندے پر ظاہر ہو۔''

ہر حال میں شکر کرنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اول من يدعى الى الجنة الذين يحمدون الله فى السداء والضداء

''(قیامت کے دن) سب سے پہلے ان لوگوں کو بلایا جائے گا جو تنگی اور آسانی (ہر حال میں) اللہ کی تعریف کیا کرتے تھے۔''

شکر کا طریقہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

التوحيد ثمن الجنة والحمد وفاء شكر كل نعمة

''توحید جنت کی قیمت ہے اور الحمد پڑھ کر سب نعمتوں کا شکر ادا کیا جا سکتا ہے۔''

دعا کی فضیلت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ما انعم اللّٰہ علٰی عبدہٖ نعمۃ من اھل وما ولد یقول ماشاء اللّٰہ لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ فیرٰی افۃ فیہ دون الموت

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو بیوی، بچے یا مال کی نعمت عطا کرے اور پھر وہ شخص ماشاء اللّٰہ ولاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ پڑھ لے تو موت کے سوا ان پر کوئی دوسری آفت وارد نہیں ہوگی۔''

اللہ تعالیٰ پر اعتقاد

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یقول اللّٰہ تعالٰی ایماعبد من عبادی انعمت علیہ بنعمۃ علم انھا منی فقد شکرنی ومن انعمت علیہ بنعمۃ فقال علیھا الحمدللّٰہ ربّ العلمین فقدا دی شکر ھاوان عظمت النعمتہ

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے جس بندے کو جو نعمت عطا کروں اور وہ یہ جان لے کہ یہ نعمت میری طرف سے ہے تو گویا اس نے میری طرف سے شکر ادا کردیا اور اگر میں کسی بندے کو کوئی نعمت عطا کروں اور وہ الحمد اللّٰہ ربّ العلمین پڑھ لے تو گویا اس نے میرا شکر ادا کرلیا۔ اگرچہ وہ نعمت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔''

عبادت اور شکر

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یقول اللّٰہ تعالٰی انی والجن والانس فی نباعظیم اخلق ویعبد غیری ارزق ویشکر غیری

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انسانوں اور جنات کے ساتھ میرا عجیب معاملہ ہے کہ

انہیں پیدا کرتا میں ہوں اور وہ عبادت کسی اور کی کرتے ہیں انہیں نعمت میں عطا کرتا ہوں اور وہ شکر کسی دوسرے کا ادا کرتے ہیں''۔

حضرت داؤد کی طرف وحی

بعض روایات میں یہ بات منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف یہ وحی نازل کی۔

''اے داؤد! تم مجھ سے اور میرے دوستوں سے محبت کرو اور میرے بندوں کو میری محبت سکھاؤ۔ حضرت داؤد نے عرض کی اے رب! میں تجھ سے اور تیرے دوستوں سے تو محبت کر سکتا ہوں لیکن تیرے بندوں کو کس طرح تیری محبت کی تعلیم دو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا انہیں میری نعمتیں یاد کرواؤ کیونکہ وہ کسی عمدہ صورتحال ہی میں مجھے یاد کرتے ہیں''۔

ناشکری کا وبال

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

احسنوا جوار نعم اللّٰہ فانہا قل مازالت من قوم فعادت الیہم

''اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر اچھی طرح ادا کرو کیونکہ اگر کوئی نعمت کسی سے منہ پھیر لے تو عام طور پر اسے دوبارہ نصیب نہیں ہوتی''۔

دوسروں کی مدد کی ترغیب

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من عظمت نعمة اللّٰہ علیہ عظمت مونة الناس علیہ فمن لم یحتمل تلك المونة عرضت النعمة للزوال

''جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی زیادہ نعمتیں حاصل ہوں اسے دوسروں کی زیادہ مدد کرنی چاہئے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا اس کی نعمت زائل ہو جائے گی''۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الطاعم الشاکر بمنزلۃ الصائم الصابر

''شکر کر کے کھانے والے کا مقام صبر کرنے والے روزہ دار کی طرح ہے۔''

ایک اور روایت کے مطابق جب آیت کنز نازل ہوئی تو صحابہ نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم کون سامال حاصل کریں تو آپ نے فرمایا:

لِيَتَّخِذَ اَحَدُكُمْ قَلْبًا شَاكِرًا وَلِسَانًا ذَاكِرًا

''تمہیں چاہئے کہ شکر گزار دل اور ذکر کرنے والی زبان حاصل کرو۔''

(سید ہمدانی فرماتے ہیں) اس کی وجہ یہ ہے کہ دل کے شکر کے باعث ہمیشہ نعمت میں اضافہ ہوتا ہے اور زبان کے ذکر کے باعث غیر اللہ کی محتاج ختم ہوتی ہے۔ پہلی چیز ایک زبردست خزانہ ہے اور دوسری لازوال سلطنت ہے۔

شکر ایک مقام ہے

حضور نبی اکرم ﷺ کے فرامین سے واقف ہونے کے بعد اب یہ بات جان لیں کہ شکر اولیاء کا ایک مخصوص مقام ہے اور راہ سلوک پر چلنے والے حضرات کے تمام مقامات تین اصولوں سے مکمل ہوتے ہیں۔ علم، حال اور عمل۔

سلوک کے آغاز میں علم حاصل ہوتا ہے اور حال اس علم کا نتیجہ ہے جبکہ اس حال کا ثمر اور پھل عمل ہے لیکن سلوک کے آخر میں پہنچ کر کیفیت برعکس ہو جاتی ہے۔ وہاں عمل اصل ہوتا ہے اور حال عمل کا نتیجہ ہوتا ہے جبکہ علم اس کا پھل ہوتا ہے اور یہ علم سلوک کی نہایت اہم اور باریک حقیقت ہے جسے اہل دل ہی بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

سلوک کے مقامات کے بنیادی اصولوں میں پہلی اصل علم ہے جس کا مدار تین بنیادی اصولوں پر ہے۔

(1) نعمت کی معرفت۔

(2) یہ بات سمجھنا کہ نعمت صرف میرے حق میں نعمت ہے کسی دوسرے کے حق میں یہ زحمت بھی ہوسکتی ہے جیسے کسی شخص کے ساتھ دشمنی ہو اور وہ دشمن ہلاک ہو جائے تو اس کا ہلاک ہونا میرے حق میں نعمت ہے لیکن دشمن کے حق میں زحمت ہے۔

(3) نعمت عطا کرنے والی ذات کی ذات و صفات سے واقفیت حاصل کرنا اور یہ تیسرا اصول راہ سلوک کی معراج کا نقطہ آغاز ہے۔

نعمت عطا کرنے والی ذات کی ذات وصفات کی معرفت کے چار مرتبے ہیں۔

(1) اللہ تعالیٰ کے تفرد و یکتا ہونے کی معرفت، اس کی صفات جلال و جمال کے ہمراہ نیز اس کی ذات کے تمام عیوب و نقائص سے بہرہ ہونے سے واقف ہونا۔ یہ مفہوم لفظ ''سبحان اللہ'' میں پایا جاتا ہے۔

(2) یہ بات سمجھ لینا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے کسی استحقاق کے بغیر محض اپنے فضل و کرم کی بدولت ہمیں زندگی اور اس سے متعلق دیگر تمام نعمتیں عطا کی ہیں اور یہ مفہوم ''الحمدللہ'' میں پایا جاتا ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ کی ذات کے افعال کے اسرار کا مشاہدہ کرنا جو کثرت کے ذرات میں جلوہ فرما ہیں ان حقائق کا ظہور ''لا الہ الا اللہ'' کی حقیقت ہے۔

(4) اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت اور اس کی عطا کردہ نعمتوں کے حقیقی شکر کی ادائیگی اور اس کی حمد وثنا سے خود کو عاجز سمجھ لینا اور اپنے عجز کا اعتراف کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس قدر عظیم ہے کہ زبان کے ذریعے اس کی عظمت کا اظہار نہیں کیا جا سکتا بلکہ انسانی عقل اس کی عظمت کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ یہ مفہوم ''اللہ اکبر'' میں پایا جاتا ہے۔

حدیثِ نبوی ﷺ

لان اقول سبحان والحمد للّٰہ ولا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر احب الی مما طلعت علیہ الشمس

''میرے نزدیک ساری دنیا سے زیادہ محبوب سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الہ الا اللّٰہ واللّٰہُ اکبر کہنا ہے۔''

حدیث کا مفہوم

نبی کریم ﷺ نے اس فرمان میں مذکورہ بالا حقائق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چونکہ

منصب نبوت اس بات سے بلند تر ہے کہ اس کے حامل کی زبان سے کوئی ایسی بات صادر ہو جس سے بصیرت کی آنکھ سمجھنے سے مکمل طور پر قاصر ہو۔ احادیث میں ان کلمات کے جو فضائل بیان کیے گئے ہیں ان کا اصل اندازہ اسی وقت ہوگا جب انسان ان کے معانی کے حقائق سے آگاہ ہو کیونکہ محض گوشت کے ایک ٹکڑے یعنی زبان کو حرکت دینے سے اتنے فضائل حاصل نہیں ہو پاتے۔ اگر ان کے معانی کو پیش نظر رکھا جائے تو شرک ختم ہو جاتا ہے اور توحید ثابت ہو جاتی ہے۔ چونکہ حقیقی عارف کے نزدیک اصل خوشی اس کے خالق و مالک کی عطا ہے کیونکہ محبّ کے نزدیک محبوب کی طرف سے ملنے والی ظاہری تکلیف رقیب کی مہربانی سے بہتر ہوتی ہے۔ عام مثال کے ذریعے ہم یوں سمجھ سکتے ہیں کہ جب کسی شخص کو بادشاہ کوئی عہدہ عطا کر دے کاغذ، قلم اور ماتحتوں تک محدود رہے اس کی توجہ عطا کی طرف مبذول نہ ہو۔ ایسے شخص کو ناشکرا کہا جائے گا۔ کیونکہ اس نے اپنے محسن کی ناشکری کی ہے۔

جو شخص ازلی مشیت کے اسرار سے آگاہ ہو جائے وہ یہ جان لے گا کہ سورج، چاند، ستارے، زمین، آسمان، انسان، جنات، فرشتے غرض یہ کہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں اس طرح مسخر ہے جیسے کسی لکھنے والے شخص کے ہاتھ میں قلم ہو۔ اس مقام کو ''توحید افعال'' کہا جاتا ہے۔ اور بندہ مومن جب تک اس مقام تک نہ پہنچے اس وقت تک شرک خفی کے اثرات سے مکمل طور پر چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا۔

جو شخص اس مقام تک پہنچ جائے وہ یہ بات جان لے گا کہ اگرچہ انسان کو (بعض امور میں) اختیار حاصل ہے لیکن عین اختیار کی حالت میں انسان اپنے خیال اور خواہش کا پابند ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت جب خیال اور خواہش ذہن پر مسلط ہو جائیں تو انسان وہ کام کرنے کے لیے بیقرار ہو جاتا ہے اور اس کے نہ چاہنے کے باوجود وہ فعل اس سے صادر ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ جو شخص دوسروں کے ساتھ بھلائی کرتا ہے وہ یہ کام کرنے کے لیے کسی طرح مجبور ہے جیسے کسی لکھنے والے شخص کے ہاتھ میں قلم مجبور ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر بھلائی کرنے والے کو اس بات کا یقین نہ ہو کہ اس کے اس نیک عمل کے نتیجے میں

اسے دنیا و آخرت میں اجر و ثواب حاصل ہوگا تو وہ کبھی بھی کسی کے ساتھ بھلائی کرنے کی کوشش نہ کرے لہٰذا ہر بھلائی اور نعمت درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ ہے اور اس حقیقت سے آگاہ ہو جانا ہی شکر کی حقیقت سے آگاہ ہونا ہے۔

حضرت موسیٰ کا سوال

جیسا کہ بعض روایات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں یہ عرض کی تھی۔

''اے اللہ! تو نے آدم کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور انہیں اپنی مخلوق میں سے منتخب کیا۔ اپنے فرشتوں کے ذریعے انہیں سجدہ کرایا اور انہیں احترام کے گھر (یعنی جنت) میں ٹھہرایا پھر اپنی بندی حواء کی ان سے شادی کی تو انہوں نے کس طرح تیرا شکر ادا کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا (آدم نے) یہ بات جان لی کہ سب کچھ میری مشیت کے مطابق ہے۔ اس کا یہ جان لینا ہی شکر ہے۔

سلوکی معاملات میں سے دوسری اصل حال ہے جو علم کا نتیجہ ہے۔ اس سے مراد نعمت کے حصول پر خوشی کا اظہار ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔

(1) نعمت حاصل کرنے والے شخص کی خوشی صرف نعمت کے حصول تک محدود ہو اور اس کی پوری توجہ نعمت سے محظوظ ہونے تک محدود ہو۔ اس کی توجہ نعمت میں اس طرح مشغول ہو جائے کہ نعمت عطا کرنے والی ذات کا خیال بھی نہ آ سکے۔ اس کے نزدیک جنگل میں سر راہ ملنے یا کسی بادشاہ کے ذریعے کسی نعمت کے حصول میں کوئی فرق نہ ہو کیونکہ اسے نعمت سے مطلب ہے خواہ وہ کسی طرح سے حاصل ہو۔ ایسا شخص درحقیقت نعمت کا شکر ادا نہیں کرتا۔

(2) انسان کو نعمت کے حصول کی خوشی نہ ہو بلکہ وہ اس بات سے خوش ہو کہ اس نعمت کی عطا سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نعمت عطا کرنے والی ذات کی خاص توجہ مجھے حاصل ہے۔ اب اگر وہ شخص اس نعمت کو صحرا میں پاتا تو اس کی طرف توجہ نہ دیتا کیونکہ درمیان میں وہ ذات نہیں ہے۔ جس کی توجہ کا یہ طالب ہے۔ اس کیفیت میں بھی نقصان کا اندیشہ

موجود ہے۔

(3) تیسری حالت یہ ہے کہ نعمت حاصل کرنے والا شخص اس بات پر مسرور ہو کہ وہ اس نعمت کے ذریعے نعمت عطا کرنے والی ذات کی بندگی و نیازمندی کے حقوق و آداب کی بجا آوری کرے گا اور منعم کا مزید قرب حاصل کرے گا۔ اس کے جمال کے مشاہدے سے محظوظ ہوگا۔ یہ حالت سب سے عمدہ اور بہترین ہے کیونکہ ایک شخص نعمت کے لیے منعم کو ڈھونڈتا ہے اس سے یہ شخص بہتر ہے جو منعم کے لیے نعمت کو ڈھونڈتا ہے۔

عمل کی تین اقسام

سلوک کی راہ پر چلنے والوں کے مقامات میں تیسری اصل عمل ہے جو علم کا نتیجہ ہے اور اس کی بھی تین صورتیں ہیں۔

(1) اس کا تعلق دل کے ساتھ ہے یعنی دل میں اس بات کا ارادہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کی رضا کے مطابق استعمال کروں گا اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا میں مزید اضافے کا طلبگار رہوں گا۔

(2) دوسری قسم کا تعلق زبان کے ساتھ ہے یعنی زبان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا اظہار کیا جائے اور اس کی حمد و ثنا بیان کی جائے۔

(3) تیسری قسم کا تعلق تمام اعضاء کے ساتھ ہے یعنی تمام اعضاء کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کیا جائے اور کسی بھی عضو کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے گریز کیا جائے جس عضو کے ذریعے جو نیکی ہو سکے وہ کی جائے جیسے آنکھ کی مدد سے مخلوق کو عبرت حاصل کرنے کے لیے دیکھنا، چھوٹوں کو شفقت سے دیکھنا، نیک لوگوں کو احترام سے دیکھنا، مسلمانوں کے عیوب کی طرف نظر کرنے سے بچنا اور اگر کوئی عیب نظر آجائے تو اس کی پردہ پوشی کرنا، کانوں کے ذریعے قرآن مجید، احادیث نبوی، نیک اور اچھی باتیں سننا نیز گانے باجے، جھوٹ، چغلی، غیبت اور فحش گفتگو سے بچنا، زبان کے ذریعے ہمیشہ قرآن کی تلاوت کرنا، اللہ کا ذکر کرنا، حمد و ثنا کرنا، نیکی کا حکم دینا، برائی

سے منع کرنا اسی طرح جھوٹ، چغلی غیبت وغیرہ سے بچنا۔

مختصر یہ کہ جس عضو کے ذریعے جو نیکی کرنا ممکن ہو وہ نیکی کرنا اور جو گناہ کرنا ممکن ہو اس گناہ سے بچنا شکر ہے اور ان سب سے زیادہ افضل یہ ہے کہ انسان اس بات کا یقین کرلے کہ تمام تر نعمتیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں اور مجھ پر لازم ہے کہ میں ان کا شکر ادا کروں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کروں تاہم میرے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ میں اس کی نعمتوں کا شکر ادا سکوں۔

نعمت کی اقسام

نعمتیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک حالت اور انجام کے اعتبار سے اور دوسری خاص اور عام ہونے کے اعتبار سے۔

حالت اور انجام کے اعتبار کے لحاظ سے نعمت کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم سے مراد وہ نعمت ہے جو نفع بخش ہو اور دنیا اور آخرت دونوں مقامات پر اس کا نفع حاصل ہو۔ جیسے علم اور اچھے اخلاق، یہ دونوں ایسی نعمتیں ہیں کہ دنیا و آخرت میں زوال کا شکار نہیں ہوتی ہیں اور ان کے اثرات بھی منقطع نہیں ہوتے۔ غبی اور جاہل قسم کے لوگ ان نعمتوں سے غافل رہتے ہیں۔ اسی لئے دنیا و آخرت میں انہیں کوئی عزت و مقام حاصل نہیں ہوتا۔

دوسری قسم کی نعمت وہ ہے جو موجودہ وقت میں نقصان اور زحمت کا باعث ہو لیکن انجام کے اعتبار سے نفع بخش ہو اسے مجازی طور پر نعمت اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ طالب حق کو حقیقی نعمت تک پہنچا دیتی ہے۔ کبھی اس نعمت کا تعلق دنیا اور جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسے بیماری پر صبر کرنا اور کبھی اس کا تعلق آخرت کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسے نفسانی خواہشات کی مخالفت کرنا۔ اگرچہ جہلا اس نعمت کو آفت سمجھتے ہیں تاہم اولیاء کرام اور اولیاء عظام کے نزدیک یہی نعمت حقیقی نعمت ہے کیونکہ بیماری میں ناگوار دواؤں پر صبر کرنے سے مرض سے چھٹکارا نصیب ہوتا ہے جبکہ نفسانی خواہشات کی مخالفت سے گناہ مٹتے ہیں یعنی ایک زحمت کے نتیجے میں صحت و تندرستی حاصل ہوتی ہے اور دوسری زحمت کے نتیجے میں بلند مراتب

حاصل ہوتے ہیں۔ عام مشاہدے کی بات ہے کہ کوئی بیمار بچہ دوا کی کرواہٹ کے باعث، دوا پینے کو زحمت سمجھتا ہے لیکن ہر عقل مند آدمی دوا کو نعمت قرار دے گا اور دوا فراہم کرنے والے شخص کو اپنا محسن سمجھے گا۔ جیسے ماں بچے کے آپریشن کو اس کے لیے زحمت سمجھتی ہے اور باپ اسی آپریشن کو بیماری سے نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے نادان دوست سے دانا دشمن بہتر ہوتا ہے۔ سب لوگ اس کو اپنا دوست سمجھتے ہیں اور اپنی اس جہالت کے باعث خود کو ابدی ہلاکت کا شکار کر دیتے ہیں۔

تیسری قسم کی نعمت کو وہمی نعمت کہا جاتا ہے یعنی وہ نعمت جو موجودہ وقت میں مفید ہو لیکن انجام کے اعتبار سے نقصان دہ ہو۔

دو ذیلی اقسام

اس تیسری قسم کی مزید دو قسمیں ہیں۔

پہلی ذیلی قسم یہ ہے کہ وہ نعمت دنیا میں اور بطور خاص موجودہ وقت میں زحمت ہو جیسے ایسا شہد کھانا جس میں زہر ملا ہوا ہو۔ اب اگر کسی شخص کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے اور وہ شہد کھانا شروع کر دے گا اور وہ اسے نعمت سمجھے گا حالانکہ اس کا نقصان ہلاکت تک پہنچا دے گا اور شہد کی اصل لذت کا اس وقت اندازہ ہو گا جب پانی سر سے گزر چکا ہو گا۔

دوسری ذیلی قسم کا تعلق آخرت اور روحانیت سے ہے جیسے زنا، شراب نوشی وغیرہ کے فاسق و فاجر لوگوں کو موجودہ لذت کے باعث یہ امور نعمت نظر آتے ہیں لیکن اہل بصیرت جانتے ہیں کہ یہ نری مصیبت ہے کیونکہ یہ بات طے ہے کہ یہ امور آخرت میں عذاب اور شرمندگی کا باعث ہوں گے۔ الّا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کی اپنی رحمت کے ذریعے پردہ پوشی فرمائے۔

نعمت کی دوسری مرکزی تقسیم کا تعلق نعمت کے خاص اور عام ہونے کے اعتبار سے ہے۔ خدا آپ پر اپنا فضل و کرم جاری رکھے۔ یہ بات جان لیں کہ نعمت اس چیز کو کہا جاتا ہے جو بذات خود لذت دینے والی ہو اور فی نفسہ انسان کو مرغوب بھی ہو۔

لذت کی اقسام

لذت کی دو قسمیں ہیں، ایک جسمانی اور دوسری عقلی۔

عقلی لذت میں علم و حکمت شامل ہوں گے جو بنی نوع انسان کی بنیادی خصوصیت ہیں اور اس نعمت میں کوئی بھی حیوان شامل نہیں ہے۔

بدنی لذت کی دو قسمیں ہیں۔

(i) پہلی قسم وہ ہے جس میں حیوانات بھی انسان میں شریک ہوں۔ جیسے پیٹ اور شرم گاہ کے ذریعے حاصل ہونے والی لذت اور یہ لذت کی سب سے کمتر اور نچلی قسم ہے۔

(ii) دوسری قسم وہ ہے جس میں بعض حیوانات انسان کے شریک ہوتے ہیں جسے غلبے اور تسلط کی لذت کہ بعض درندے انسان کے شریک ہوں۔ حیوانیت کی انتہا سے درندگی کا آغاز ہوتا ہے اور درندگی کو خیرباد کہتے ہی عقل کے انوار ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

صدیقین کا شیوہ

درندگی کی صفات کو مغلوب کر لینا صدیقین کا شیوہ ہے جب یہ لذت مغلوب ہو جائے تو علم و حکمت کی لذت تمام لذتوں پر حاوی آ جاتی ہے۔ پھر معرفت الٰہی کی لذت اور اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کی لذت کے سامنے تمام لذتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ وہ کیفیت ہے جس میں روح اور قلب سے غفلت اور حجاب کی تمام بیماریاں رخصت ہو جاتی ہیں اور کانوں، آنکھوں، پیٹ اور شرم گاہ کی تمام لذتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ علم حقیقی کے شوق کا غلبہ ان تمام لذتوں کو ختم کر دیتا ہے۔ مرتبہ اور مقام کے اعتبار سے یہ سب سے بڑی لذت ہے مگر یہ سب سے زیادہ کم پائی جاتی ہے کیونکہ اس کی حقیقی لذت سے صرف عارف، عالم اور حکیم لطف اندوز ہو سکتے ہیں اور ایسے لوگ اب کبریت احمر کی طرح بہت کم پائے جاتے ہیں۔ بعض نمائش پسند لوگ اگرچہ خود کو عالم کہتے ہیں تاہم ظاہری صورت اور باطنی حقیقت کے درمیان زمین و آسمان جتنا فرق ہوتا ہے۔

علم کا کم تر مرتبہ

علم کی عزت وعظمت کا سب سے کم تر درجہ یہی ہے کہ یہ دنیا وآخرت میں کہیں بھی فنا نہیں ہوگا۔ اس اسرار کی لذتیں ابدی ہیں جنہیں کبھی زوال کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ یہ بات ممکن ہے کہ کھانے، پینے یا صحبت کرنے وغیرہ جیسی لذات سے انسان ہلاک یا بیزار ہوجائے لیکن کوئی بھی عالم کبھی بھی علم سے بیزار نہیں ہوسکتا۔ علم ایک ایسا خزانہ ہے جسے محافظوں کی ضرورت نہیں ہے اور اسے جتنا بھی خرچ کیا جائے یہ کبھی کم نہیں ہوتا۔ چور یا غاصب اس تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے۔ کوئی بادشاہ یا حاکم اسے معزول نہیں کرسکتا۔

نعمتوں کی ایک قسم کسی نہ کسی صفت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اکثر چیزیں حال میں لذیذ اور انجام کے اعتبار سے نقصان دہ ہیں اور بعض ایسی بھی ہیں جو انجام کے اعتبار کے مفید بھی ہوں لیکن حال میں نہایت ناگوار ہیں لیکن علم کی نعمت ہر حال اور ہر وقت میں لذیذ اور فائدہ مند ہیں اور یہ ایک ایسی صفت ہے جو انسان سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ اب اگر کوئی نادان شخص اس لذیذ اور فائدہ مند نعمت کو کسی گھٹیا، نقصان دہ اور فنا ہونے والی چیز کے عوض میں بیچ دیتا ہے تو وہ ابدی سعادت کے حصول سے محروم ہوکر دائمی بدنصیبی کا شکار ہوجاتا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا

''ان کے دلوں میں بیماری ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس بیماری میں اضافہ کردیا ہے۔''

یہ بدنصیبی عقل کی بیماری کے علاوہ جہالت کی بدولت بھی ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ ظاہری طور پر زندہ لوگوں کو مردہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى

''بے شک تم مردہ (دلوں) کو (کلام حق) نہیں سنا سکتے ہو۔''

دل کی موت

نفسانی خواہشات کی پیروی عقل کی بیماری ہے اور جہالت کا غالب آجانا دل کی موت کے مترادف ہے جس شخص کا دل جہالت اور غفلت میں ڈوب چکا ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ

شخص مردوں کی مانند ہے۔ اگرچہ غافل لوگوں کو وہ زمین پر چلتا پھرتا دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح جس خوش قسمت شخص کا دل معرفت حقیقی کے باعث زندہ ہو تو وہ بارگاہ ربّ العزت میں زندہ شمار ہوتا ہے۔ اگرچہ عام لوگوں کی نظروں میں وہ قبر میں دفن ہوتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

''اور جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل کیے گئے انہیں مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں۔ انہیں رزق دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل کی بدولت انہیں عطا کرتا ہے وہ اس سے بہت خوش ہیں۔''

(ہمدانی فرماتے ہیں) آیت مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ میرے ان جانباز بندوں کو کبھی بھی مردہ تصور نہ کرنا اور یہ نہ سمجھنا کہ روح وجود سے ان کا نقش ہستی مٹ چکا ہے بلکہ ہماری راہ میں جان و دل کی بازی لگانے والے یہ محبان صادق وہ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نفسانی خواہشات کی غلامی کی آلودگی اور دل کو اغیار کی کدورت سے پاک کرلیا ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ رہنے والی زندگی کے سرور کے ہمراہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کی عنایات کے نور کے ہمراہ سعادت کے آسمان پر تابندہ ہیں۔ انہیں مسلسل طور پر اللہ تعالیٰ کی عنایات حاصل ہیں جن کی بدولت یہ ابدی راحت وسکون سے لطف اندوز ہورہے ہیں اگرچہ ظاہری نہیں۔ لوگوں کے سامنے یہ قبروں میں دفن ہوچکے ہیں اور عام افراد کے نزدیک ان کی زندگی فنا کے گھاٹ اتر چکی ہے۔

دراں زمانہ کہ تابوت من رواں باشد ‌ ‌ گماں برکہ مرا درد ایں جہاں باشد

''جب میرا تابوت روانہ ہونے لگے تو یہ نہ سمجھنا کہ مجھے اس جہاں کا کوئی دکھ ہوگا۔''

جنازہ ام چو بہ بینی، مگو دریغ دریغ ‌ ‌ بہ دام دیو در افتی دریغ آں باشد

''جب تم میرا جنازہ دیکھو تو افسوس نہ کہنا، افسوس تو اس بات پر کیا جاسکتا ہے کہ

تم شیطان کے جال میں پھنس جاؤ‘‘

تنم بہ خاک سپاری مگو فراق فراق ـــــ کہ خاک پردۂ اسرار عاشقان باشد

’’جب تم میرے جسم کو مٹی کے سپرد کرو تو الوداع نہ کہنا کیونکہ مٹی عاشقوں کے اسرار کا پردہ ہے۔‘‘

انسانوں کے چار مراتب

معزز ین قارئین! ظاہری اور باطنی زندگی اور موت کے اعتبار سے بنی نوع انسان کے درجات، نیز حقیقی سعادت کے اعتبار سے اولاد آدم کے قرب و بعد کے مراتب، بے شمار ہیں، تاہم مجموعی طور پر انہیں چار بڑے حصوں میں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(i) پہلی قسم سے مراد وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے شامل حال ہے۔ انہیں اپنے پروردگار کی جانب سے ہدایت نصیب ہے۔ یہ معرفت کے سمندر کے غوطہ خور اور محبت کی آگ میں جلنے والے ہیں۔ یہ دشت وحیرت جنگلوں میں سرگرداں گھومتے ہیں۔ ان کے دل کی تختی سے اغیار کا تسلط مٹ چکا ہے۔ ان کے شعور کا قطرہ احدیت کے دریا میں گم ہو چکا ہے۔ ان کے قلوب میں صرف اللہ کی محبت موجود ہے۔ اس کے علاوہ کسی بھی چیز کے لیے کوئی مقام موجود نہیں ہے۔ ان کو صرف اپنے پروردگار کے ذکر سے ہی سکون و اطمینان ملتا ہے۔ جس کی بدولت وہ اپنے پروردگار کے محبوب ہیں۔ ایسے لوگ اگرچہ پائے جاتے ہیں لیکن یہ علماء کے رسمی علوم اور عقل مندوں کی عقل سے بہت دور (چھپ کر رہتے) ہیں۔

(ii) دوسری قسم سے مراد وہ لوگ ہیں جو محرومی کے جنگل میں مردوں کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ وہ بدنصیب ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی محبت اور محبوب حقیقی کی معرفت کا جلال نہیں دیکھا ہے۔ ان کی تمام تر توجہ کا مرکز صرف دنیاوی مال و اسباب پر ہے۔ ان کی ہمت کی سواری صرف شہوت کے میدان میں چلتی ہے۔ یہ لوگ غضب، شہوت، جہالت، غفلت، بخل اور ریاکاری میں مشغول رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر عتاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

''یہ لوگ دنیاوی زندگی کے ظاہر کے بارے میں جانتے ہیں۔''

یہ لوگ ہمیشہ بدی کو نیکی پر ترجیح دیتے ہیں۔ برائی کو بھلائی سے بہتر سمجھتے ہیں۔ مردود اخلاق اور شیطانی صفات کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک نیکی گناہ اور گناہ نیکی ہوتے ہیں۔ یہ وہ بدنصیب ہیں جن کے ساتھ ملنے والا بھی تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ ان کے چہرے کو دیکھ کر ہی ان کی بدنصیبی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(iii) تیسری قسم سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل و دماغ اکثر و بیشتر رضائے الٰہی کی طلب میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کا اکثر وقت اللہ کی عبادت میں اور معرفت کی ترقی میں بسر ہوتا ہے۔ بارگاہ ربّ العزت میں گریہ وزاری ان کی آنکھوں کی روشنی ہے۔ البتہ بعض اوقات جسمانی عارضہ یا نفسانی مجبوری ان کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ کبھی بشری تقاضے ان کا راستہ روک لیتے ہیں۔ یہ گروہ بھی نادر ہے اور ایسے افراد بہت کم پائے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا کیفیات ان لوگوں کی خصوصیت ہے جو آخرت میں بلند مرتبے پر فائز ہوں گے اور ایسے لوگ ہر زمانے میں قلیل تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

(iv) چوتھی قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جن کا اکثر وقت دنیاوی امور و مشاغل میں صرف ہوتا ہے۔ البتہ کبھی کبھار علم و حکمت کے مذاکرے کے باعث بھی انہیں لذت حاصل ہوتی ہے اور وقتی طور پر فانی دنیا سے نفرت ظاہر ہوتی ہے۔ ایسے لوگ ہر زمانے میں اچھی خاصی تعداد پائے جاتے ہیں۔

آخرت کے مدارج

ان اقسام کا تعلق دنیاوی زندگی کے احوال و کیفیات کے ساتھ تھا۔ اب ہم آخرت کی زندگی کے بارے میں کچھ گفتگو کریں گے۔ آخرت کی زندگی کے مدارج بھی دنیاوی احوال کی مانند ہیں کیونکہ دنیا آخرت کا آئینہ ہے اور دنیا کی مجازی صورتیں آخرت کے حقائق کا عکس ہیں۔ عرفان کے بجائے صرف وجود کے اعتبار سے عالم شہادت، عالم غیب کے تابع

ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وجوداور عرفان کی ترتیب ایک دوسرے سے مختلف ہے جیسے آئینے میں دکھائی دینے والی شکل اصل شے کے تابع ہے اور وجود کے اعتبار سے اس کا دوسرا درجہ ہے لیکن دیکھنے والا پہلے اسے دیکھتا ہے کیونکہ جب تک کوئی شخص اپنی صورت وشکل کو آئینہ میں نہ دیکھ لے اس وقت تک اسے اپنی شکل کی خوبی وخامی کا علم نہیں ہو پاتا۔

لہٰذا مرتبہ عرفان میں تابع متبوع ہو جاتا ہے اور وجودی اعتبار سے دوسرے مرتبہ کی شے عرفانی اعتبار سے پہلے مرتبے کی حامل ہو جاتی ہے اور یہ احکام کے منعکس ہونے کی ایک قسم ہے۔

اہل بصیرت صوفیاء جب عالم سعادت میں کسی مجازی صورت کو دیکھتے ہیں تو اس سے آگے گزر کر عالم ملکوت کی صورت تک جا پہنچتے ہیں اور اپنے پروردگار کے اسرار میں سے کسی ایک سر کا مشاہدہ کرتے ہیں اور پھر اس سر کے ظہور کو قرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ بناتے ہیں لیکن غفلت کے جنگل میں بھٹکنے والے وہ لوگ جن کے قلوب مردہ ہو چکے ہیں وہ اسرار کو عبور کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اس لئے ان کی ساری توجہ اشیاء کے ظاہر مبذول رہتی ہے۔ یہ لوگ دنیا کے مردار کے عاشق ہوتے ہیں اور نفسانی خواہشات کے غلام ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ نفسانی خواہش کی چابی کی مدد سے جہنم کا ایک دروازہ ان کی قبر میں کھل جاتا ہے۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

نَارُاللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَةِ

''اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ان کے دلوں پر چھا جائے گی۔''

اس وقت یہ چیختے ہوئے یہ فریاد کریں گے

رَبَّنَا اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ

''اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں (جہنم سے) نکال دے تو ہم نیک عمل کریں گے۔ (وہ عمل نہیں کریں گے) جو پہلے کیا کرتے تھے۔''

مگر افسوس اس وقت مہلت ختم ہو چکی ہوگی اور اب عمل صالح کی مہلت نہیں دی جائے گی۔اب صرف سزا و جزا ہوگی۔

فَاصْبِرُوْا اَوْلَا تَصْبِرُوْا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

''تم صبر کرو یا نہ کرو برابر ہے تمہیں صرف تمہارے اعمال ہی کی جزا دی جائے گی۔''

نعمت کی کیفیات

شکر کے فضائل، شکر اور شکر کرنے والے کی فضیلت، حقیقت اور اسرار سے متعلق بعض اہم امور کا تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ اب ہم اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتوں اور مہربانیوں کی کمیت اور کیفیت کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ تاکہ یہ اہل عقل کے لیے تنبیہہ اور غور و فکر کرنے والوں کے لیے کسوٹی کا کام دے۔

معزز ین قارئین! یہ بات جان لیں کہ کائنات میں موجود ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سے فیض ملتا ہے اور یہ فیض دریائے وجود کی لہروں کے تلاطم کے باعث شہود کے ساحل تک پہنچتا ہے۔ موجودات میں سب سے کم تر درجے کی نعمتیں وہ ہیں جن کا تعلق محسوسات کے ساتھ ہے اور ان میں بھی سب سے کم تر وہ چیزیں ہیں جن کا تعلق کھانے پینے کے ساتھ ہے خواہ اس کا تعلق غذا کے ساتھ ہو یا دوا کے ساتھ۔ تاہم ان میں غذا زیادہ اہم ہے کیونکہ یہ انسانی زندگی کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور ہر شخص کو اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔

اس باب میں دانے کی تربیت کی ترتیب کے بارے میں گفتگو کریں گے جو انسانی اور حیوانی زندگی کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ نیز یہ بتایا جائے گا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کا مقدر کردہ نظام آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے، ہوا، مٹی اور پانی انسان کی پرورش میں کس طرح مفید ثابت ہوتے ہیں تاکہ طالبان حق اس بات سے آگاہ ہو جائیں کہ یہ تمام ذرائع اپنی جگہ ایک بڑی بنیادی اور اہم نعمت کی حیثیت رکھتی ہیں اور بالفرض اگر ان میں سے کوئی ایک بھی چیز معدوم یا ناپسند ہو جائے تو ساری مخلوق یعنی فرشتے، جنات اور انسان چل کر بھی اس کا متبادل پیدا نہیں کر سکتے اور ان میں سے کسی ایک کی بھی عدم موجودگی کے باعث دنیا کے نظام میں شدید خلل واقع ہو جائے گا۔

یہ بات ذہین نشین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ نے حیوانات کی طرح (نباتات کے) دانے

میں بھی غذا کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھی ہے تاکہ یہ انسان کی غذا کے طور پر کام آسکے۔ حیوانات ہر چیز کو بطور غذا استعمال نہیں کر سکتے بلکہ حیوانات کے مختلف اقسام کی خوراک ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اسی طرح دانہ بھی ہر چیز سے غذا حاصل نہیں کرسکتا بلکہ اسے اپنے نشوونما کے لیے مخصوص غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے اگر آپ ایک کلو گندم کو پانی میں ڈال دیں یا خشک زمین پر پھینک دیں تو اس کے دانوں کی تعداد میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ گندم کے دانوں کی نشوونما اور اضافے کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ انہیں ایسی زمین میں بویا جائے جسے ہل چلا کر نرم کیا گیا ہو اور وہ زمین بارش، تالاب یا چشموں کے پانی کے ذریعے سیراب ہوتی ہو۔ نیز سورج کی شعاعوں کی حرارت اور ہوا بھی اسکی نشوونما پر اثر انداز ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ

''اور ہم نے بادلوں کو سیراب کرنے والی ہوائیں بھیجیں۔''

اس آیت میں لفظ لواقح استعمال ہوا ہے جس کا معنی مٹی، ہوا اور پانی کے عناصر کا اشتراک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا

''انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے میں غور کرے کہ کس طرح ہم نے اس پر پانی برسایا اور پھر زمین کو خشک کیا۔''

تاہم یہ سب چیزیں نباتات کے لیے کافی نہیں ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت مختلف اقسام کی نباتات کے لیے چار مختلف طرح کے موسم پیدا فرمائے یعنی بیج بوتے وقت موسم سرما کی ہوا کی ٹھنڈک اور تری سے بیج کی سختی ٹوٹ جائے۔ اور زمین بخارات کے اجتماع کے باعث نمو کی صلاحیت حرکت میں آجائے۔ جب نمو کی قوت حرکت میں آجاتی ہے تو اس وقت بہار کے موسم کی ہوا کی گرمی اور تری، بارشوں کی کثرت اور آبی بخارات کے بلند ہونے کے باعث نباتات کے جذب کرنے کی صلاحیت کو معتدل کر دیتی ہے اور پھر نباتات کا جسم نشوونما کے ذریعے پھیلنے لگتا ہے۔ پھر گرمی کے موسم کی گرم ہوا

نباتات کے جسم میں موجود لطیف عناصر کو چپکے ہوئے پھل کی شکل میں تبدیل کر دیتی ہے۔

پھر ان پھلوں میں رنگ، خوشبو اور ذائقہ مکمل ہو جاتے ہیں۔ اب یہ گر کر پانی میں نہیں ڈوب سکتے اور نہ ہی ہوا کی تیزی ان پر اثر انداز ہوتی ہے پھر خزاں کے موسم میں ہوا کی حرارت اور خشکی کے باعث پھلوں اور دانوں میں قائم اور باقی رہنے کی صلاحیت مکمل ہو جاتی ہے اور یہ گلنے سڑنے یا خراب ہونے سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

موسمی اثرات

اس طرح نباتات اور حیوانات کی پیدائش اور نشوونما پر موسم اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسی طرح ستارے بھی ان پر اثر انداز ہوتے ہیں اور یہ مختلف اقسام کی مخلوق کے اجسام کی تدبیر، تحریک، تجمید، تصعید، تقطیر، تالیف، ترکیب، تصویر، تخلیط اور تخریج پر مختلف اعتبار سے اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا اثر دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

ستاروں کے اثرات

سورج کرہ ارض کو گرم رکھتا ہے۔ زحل کے اثرات کے باعث موجودات ساکن رہتے ہیں۔ مشتری کے اثرات کے باعث پانی میں بہاؤ رہتا ہے اور آبی زندگی جاری و ساری رہتی ہے۔ مریخ کے اثرات کے باعث ہوا اشیاء پر اثر انداز ہوتی ہے۔ زہرہ کے اثرات کے باعث آبی بخارات بادلوں میں تبدیل ہو کر بارش کا باعث بنتے ہیں۔ عطارد کے اثرات کے باعث خشک اور تر بخارات ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور حیوانات و نباتات کے اجسام معتدل رہتے ہیں۔ مزاج میں نمی، آگ سے بچاؤ اور نشوونما کی قوت میں مدد دینا چاند کی خصوصیت ہے۔

مختصر یہ کہ تمام اجرام فلکی کا اپنا مخصوص عمل ہے جو زمین پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اسی طرح زمین و آسمان میں موجود فرشتوں میں سے ہر ایک کا مخصوص عمل ہے جو کوئی دوسرا فرشتہ سرانجام نہیں دے سکتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: (فرشتے کہتے ہیں)

وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ

''ہم میں سے ہر ایک کا مخصوص مقام ہے۔''

جب دانے کا موتی آبی وفا کی کان میں پرورش پالے اور اجرام فلکی اپنے مخصوص اثرات اس پر مرتب کردیں تو اب یہ دانہ مکمل ہوکر انسان کی خوراک بننے کے قابل ہو جاتا ہے اور پھر انسان اس میں تصرف کر کے اسے لقمہ بنا کر نگل لیتا ہے اور یہ آخر کار معدے تک پہنچ کر جگر کے راستے سے انسانی جسم کی نشوونما پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کے آگے مزید انداز ہیں جنہیں یہاں تفصیل سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔

تاہم ہم مختلف طور پر یہ ضروری کہیں گے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت یہ ارادہ فرمایا کہ ہر وہ چیز جس میں ظاہری یا باطنی طور پر کوئی بھی کمال حاصل کرنے کی صلاحیت موجود ہے اسے وہ ظاہری و باطنی کمال عطا کردیا جائے لہٰذا انسان کی مکمل غذا میں چار خصوصیات پائی جاتی ہیں نرمی، بو، مزا اور رنگ۔

ادراک اور حس

ان چاروں خصوصیات میں سے ایک کا ادراک ایک حس کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ درحقیقت زمینی فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے۔ اور زمینی فرشتے بھی آسمانی فرشتوں کی مانند مخصوص امور پر مامور ہیں۔ آسمانی فرشتوں کی طرح ان کے لیے بھی قاعدہ یہ ہے کہ کسی ایک کا کام کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین پر موجود فرشتے بھی ملاء اعلیٰ کا عکس ہیں۔

یہاں یہ بات جاننا ضروری ہے کہ نفع ونقصان کا ادراک کرنے والا فرشتوں کا تصرف انسانوں اور حیوانات میں ترتیب کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ہر جاندار میں چھونے کی حس ضرور موجود ہوتی ہے اور یہ حواس کا سب سے پہلا اور سب سے کمتر درجہ ہے اور اس میں بھی سب سے کمتر کیفیت یہ ہے کہ کسی مخلوق میں اس کے سوا اور کوئی حس موجود نہ ہو جیسے کینچوے، یہ حس نباتات اور حیوانات کے درمیان خط امتیاز کھینچ دیتی ہے چونکہ جو چیز نباتات کے مرتبے سے بڑھ کر حیوانات کے درجے میں داخل ہوتی ہے اس میں یہ حس ضرور ظاہر ہوتی ہے اور اس حس کے ذریعے نرمی، سختی، سردی یا گرمی کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔

چکھنے کی حس

اس کے بعد دوسرا مرتبہ چکھنے کی حس کا ہے۔ ادراک کے اعتبار سے اسے چھونے کی حس کے ساتھ ایک خاص مناسبت حاصل ہے۔ اس کے ذریعے مٹھاس نمکینی کڑواہٹ وغیرہ محسوس کئے جاسکتے ہیں۔ اگلہ مرتبہ سونگھنے کی حس کا ہے جس کے ذریعے بو اور بدبو میں فرق کیا جاتا ہے اس کے اور پہلی دو حسوں کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ سابقہ دونوں حسیں چیز کو چھوئے بغیر ادراک حاصل نہیں کرسکتی ہیں جبکہ سونگھنے کے لیے چھونا شرط نہیں ہے۔ تاہم چیز کا نزدیک ہونا ضروری ہے چونکہ ذرا زیادہ فاصلے پر بو کو سونگھنا ممکن نہیں ہے۔

دیکھنے کی حس

اگلی حس کا تعلق آنکھوں کی روشنی کے ساتھ ہے یہ حس صورتوں، شکلوں اور رنگوں کا ادراک کرتی ہے۔ اس کے بغیر انسان حسن و جمال کی لذت سے واقف نہیں ہوسکتا۔ رنگوں اور شکلوں کے ادراک سے بے بہرہ رہتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس حس کی نعمت عطا کی تاکہ وہ رنگوں اور شکلوں میں موجود اسرار کا مشاہدہ کرسکے اور ان کے حسن و جمال سے لطف اندوز ہوسکے۔ تاہم بعض چیزیں انسانی بصارت سے اوجھل ہوتی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل حکمت کے تحت سننے کی حس پیدا کی تاکہ پردے کے پیچھے موجود آواز کو سن کر ادراک کیا جاسکے اور اچھائی اور برائی میں فرق کیا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان حواس کو پیدا کرنے کے بعد انہیں درجہ کمال تک پہنچایا اور بنی نوع انسان کو یہ شرف عطا کیا کہ وہ کلام کی باریکیوں کو سمجھ کر دیگر حیوانات سے ممتاز ہوجاتے ہیں۔

چونکہ پانچ حواس کا دائرہ کار محدود ہے اور ان میں سے کوئی ایک حس دوسری کی جگہ کام نہیں کرسکتی جیسے سننے کی حس کے ذریعے رنگوں کی دنیا کا ادراک نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح دیکھنے کی حس کے ذریعے آوازوں کا فرق محسوس نہیں ہوسکتا۔ سونگھنے کی حس کے ذریعے کسی چیز کا ذائقہ محسوس نہیں کیا جاسکتا اور چکھنے کی حس کے ذریعے کسی چیز کو سونگھا نہیں جاسکتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت حس مشترک کو پیدا فرمایا جس کا مخصوص مقام دماغ ہے اور یہ تمام حسوں کی نگران حس ہے اس کے ذریعے ادراک کے تمام اسرار سے

آ گاہی حاصل ہو جاتی ہے جیسے آنکھ کی مدد سے پانی کا رنگ، کان پانی کی آواز، ناک پانی کی بو، زبان پانی کا ذائقہ اور چھونے کی حس کے ذریعے پانی کی ٹھنڈک کا پتہ چلتا ہے اور حس مشترک ان سب امور سے واقف ہو جاتی ہے۔ تاہم حس مشترک میں کسی چیز کو یاد رکھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی لہٰذا یہ اطلاعات محفوظ نہیں رکھ سکتی ہے۔ اس لئے حکیم مطلق نے اس کے ساتھ خیال کی قوت کو رکھ دیا ہے جو نفع بخش اور نقصان دہ چیزوں کا عکس محفوظ کر لیتی ہے اور بعد میں ضرورت پیش آنے پر اشیا کی اصلیت سے انسان کو آگاہ کر دیتی ہے اگر یہ قوت انسانوں یا حیوانات میں موجود نہ ہوتی تو وہ کسی ایک مفید یا نقصان دہ چیز سے نفع یا نقصان حاصل کرنے کے بعد اسے بھول جاتا اور پھر دوبارہ جب وہ چیز سامنے آتی تو پہچان نہ سکتا اور یوں ہمیشہ اسی الجھن میں مبتلا رہتا کہ کس چیز کا اثر کیا ہے؟ حکیم مطلق نے اپنی خاص حکمت کے تحت حافظہ کی قوت کو دماغ کے وسط میں متعین کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے معانی کا ادراک حاصل ہو مثلاً حس مشترک دوست اور دشمن کو پہچانتی ہے اور حافظہ اس حقیقت کو محفوظ رکھتا ہے یا حس مشترک پسندیدہ ناپسندیدہ غذاؤں کا ادراک کرتی ہے اور حافظے کی قوت ان کی شکلوں کو محفوظ رکھتی ہے۔ یہ صلاحیت انسانوں اور حیوانات میں مشترک ہے۔ اس لئے اگر انسانوں کو صرف یہی خصوصیت حاصل ہوتی تو وہ بھی عام حیوانوں کی مانند ہوتے مثلاً حواس جانوروں میں بھی موجود ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود انسان حیلے اور تدبیر کے ذریعے جانوروں کا شکار کر لیتے ہیں۔ جانوروں میں ان حیلوں کا توڑ کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی انہیں جو چیز اچھی لگتی ہے وہ کھا لیتے ہیں لیکن وہ بعد میں پیش آنے والے نقصان کا ادراک نہیں کر سکتے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل کا نور عطا کیا ہے تاکہ یہ دیگر حیوانات سے ممتاز ہو جائے اور مختلف امور کے آغاز و انجام اور نفع و نقصان سے آگاہ ہو سکے اور یہ عقل کے استعمال کا سب سے کم تر درجہ ہے۔ عقل کا بہترین استعمال یہ ہے انسان اس کی مدد سے اللہ تعالیٰ کے افعال کے اسرار سے آگاہ ہو سکے۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ حواس کے تمام تر ادراکات کے باوجود اگر انسان کو کھانے پینے میں کوئی رغبت نہ ہو تو یہ ادراک اس کے حق میں مفید نہ ہوں گے بلکہ ایک طرح سے بے کار ہو جائیں گے جیسے بیمار

شخص کو یہ تمام ادراکات حاصل ہوتے ہیں لیکن مزاج کی خرابی کے باعث اسے کھانے کی طلب محسوس نہیں ہوتی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ارادے کی صفت انسان کو ودیعت کی جو دراصل زمینی فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو انسان کا نگران ہوتا ہے اور انسان کو بقدر ضرورت کھانا کھانے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اگر یہ فرشتہ اپنا کام ترک کردے تو انسان اتنا کھانا کھا لے جو اس کی ہلاکت کا سبب بن جائے۔ جیسے نباتات سیلاب کے موسم میں اپنے اندر اتنا پانی جذب کر لیتے ہیں کہ انکا وجود تباہ و برباد ہوجاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان پر ایک مخصوص فرشتے کو موکل کیا ہے تا کہ وہ اتنا زیادہ نہ کھالے جو اس کی ہلاکت کا باعث بن جائے۔

مفلوج شخص کی مثال

اس صفت کی تکمیل کے بعد اگر قدرت کی صلاحیت شامل حال نہ ہو تو بھی مقصود حاصل نہیں ہو پاتا جیسے کسی شخص کا جسم مفلوج ہو تو وہ خواہش کے باوجود پاس موجود چیز کو حاصل نہیں کرسکتا یا جسم پر بیٹھنے والی مکھی کو اڑا نہیں سکتا ہے پس حکیم مطلق نے اپنی ازلی حکمت کے تحت ان صفات کی تکمیل کے بعد قدرت کی صفت انسان کو عطا کی تا کہ انسان اپنے ارادے کے تحت پسندیدہ چیزیں حاصل کر سکے اور ناپسندیدہ چیزوں سے نجات حاصل کر سکے۔ ارادے اور قدرت کا تعلق روحانی حقائق کے ساتھ ہے اور احساس کی دنیا میں روحانی حقائق جسمانی اعضا کے ذریعے ظاہر ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسان کے باطن کو ان صفات سے مزین کیا ہے اسی طرح ظاہری طور پر بھی جسم میں وہ تمام اعضاء پیدا کئے ہیں جو انسان کی بنیادی ضروریات کی تکمیل میں مدد و معاون ثابت ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ کسی جگہ کی طرف جانے یا دور ہونے کے لیے پاؤں، نسل کی بقا کے لیے شرم گاہ، غذا کو محفوظ رکھنے کے لیے پیٹ، مافی الضمیر کی وضاحت کے لیے زبان، غذا تناول کرنے کے لیے ہاتھ اور عزت وتکریم کے لیے سر وغیرہ پیدا کئے ہیں۔

ہاتھ کی حکمت

ہاتھ کی تخلیق بھی حکمت کا عظیم نمونہ ہے کیونکہ ہاتھ کو نہایت عمدہ طریقے سے مختلف

جوڑوں سے مرکب کیا گیا اگر انسان چاہے تو اسے لمبا کرے اور چاہے تو اسے سمیٹ لے جس طرح چاہے اسے حرکت دے۔ ہتھیلی کو چوڑا پیدا کیا اور اس پر پانچ انگلیاں بنائی ہیں کہ ہر انگلی میں تین جوڑ پیدا کئے چار انگلیوں کو ایک ترتیب سے بنایا اور ان کے مدمقابل انگوٹھا پیدا کیا جو ہاتھوں کو کھولنے یا بند کرنے میں چاروں انگلیوں کا مددگار ہوتا ہے۔ انگلیوں کو بند بھی کیا جاسکتا ہے اور کھولا بھی جاسکتا ہے۔۔ ان کو سیدھا بھی رکھا جاسکتا ہے اور ذرا ٹیڑھا کر کے اس کا پیالہ سا بھی بنایا جاسکتا ہے۔ ان انگلیوں کو اکٹھا کر کے گھونسے کی شکل میں ہتھیار کا کام بھی لیا جاسکتا ہے۔ انگلیوں کے کناروں پر ناخنوں کو پیدا کیا گیا تاکہ انگلیاں زخم اور تکلیف سے محفوظ رہیں اور ان کی مدد سے باریک چیزوں کو پکڑا جاسکے۔

دیگر اعضاء کی حکمت

ان سب کے باوجود اگر منہ، دانت، تالو، زبان، حلق، آنتیں، معدہ، مثانہ اور دیگر اعضاء نہ ہوتے تو بھی مقصد حاصل نہ ہوتا اور کسی ایک کی موجودگی کے بغیر دیگر تمام اعضاء بے کار رہتے۔ اس لئے منہ کو پیدا فرمایا تاکہ وہ معدہ تک خوراک پہنچانے کا ذریعہ بنے اور منہ میں چکی کے دو پاٹوں کی طرح جبڑے بنائے اور چبانے میں آسانی کے لیے ان میں دانت بنائے۔ اب کھانے کی چیزیں بعض اوقات کاٹی جاتی ہیں بعض کو توڑا جاتا ہے اور بعض کو چبایا جاتا ہے۔ اس لیے دانت بھی تین طرح کے بنائے۔ زبان کو چکی میں دانے ڈالنے والی مشین کی طرح رکھا ہے تاکہ وہ کھانے کے وقت خوراک کو داڑوں کے درمیان حرکت دیتی رہے پھر زبان کے نیچے پانی کے دو چشمے پیدا کئے اور ایک فرشتے کو ان پر موکل کیا تاکہ خوراک کی پسائی کے دوران وہ مطلوبہ پانی ڈالتا رہے اور اس کی مدد سے خوراک کو گوندھا جائے۔ تاکہ کھانے والا آسانی سے اسے نگل سکے پھر جب یہ عمل پورا ہو جائے تو ان چشموں سے لعاب نکلنا بند ہو جاتا ہے۔ تاہم زبان کو مکمل طور پر خشک ہونے سے بچانے کے لیے تھوڑا سا لعاب نکلتا رہتا ہے۔ جتنا لعاب کھانے کے وقت نکلتا ہے اگر اتنا ہی لعاب ہر وقت نکلتا رہتا تو انسان کا منہ ہمیشہ لعاب سے بھرا رہتا اور اسے ہر وقت دوسروں کے سامنے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب حکمت ہے کہ منہ میں موجود یہ چکی لوگوں کی بنائی ہوئی چکی سے مختلف ہے کیونکہ لوگوں کی بنائی ہوئی چکی کا نچلا پارٹ ساکن رہتا ہے اور اوپر والا پارٹ گھومتا ہے جبکہ اس چکی کا اوپر والا پارٹ ساکن رہتا ہے اور نیچے والا پارٹ حرکت کرتا ہے۔ اللہ کی ذات پاک ہے اس کی شان عظیم ہے اس کی برہان جلیل ہے اور اس کا احسان، فضل نہایت وسیع ہے۔

نظام انہضام کی حکمت

جب کھانا منہ میں اچھی طرح پس جائے تو اب نرخرے اور غذا کی نالی کی مدد سے یہ معدہ تک پہنچتا ہے۔ ان دونوں کے طبقات کو مختلف بندوں کی شکل میں پیدا کیا اور ایک روحانی قوت کو اس کا موکل بنا دیا۔ کھانے کو حاصل کرتے وقت وہ قوت کسی ایک بند کا منہ کھول دیتی ہے اور کھانا وصول کرنے کے بعد اس منہ کو دوبارہ سکیڑ دیتی ہے تاکہ غذائی نالی سے وہ خوراک معدے تک پہنچ سکے پھر معدے کو ایک دیگ کی مانند پیدا کیا ہے اور اسے چار اعضا کے درمیان رکھا ہے۔ اس کے دائیں جانب جگر، بائیں جانب تلی، سامنے سینہ اور پچھلی طرف ریڑھ کی ہڈی ہوتی ہے پھر ایک خاص قوت کو یہ حکم دیا کہ جب تک خوراک معدے میں پک نہ جائے اس وقت تک اسے وہیں روکا جائے پھر ان چاروں اعضاء کی گرمی اور قوت ہاضمہ کی مدد سے آب جو کی رنگت جیسا ایک قوام بن جاتا ہے جس کی تہہ میں بیٹھے ہوئے مادے کو آنتوں کی طرف منتقل کردیا جاتا ہے اور اصل جوہر کو جگر کی طرف منتقل کردیا جاتا ہے جگر کا خمیر جمے ہوئے خون سے بنایا گیا ہے اور یہی پورے جسم کو خون کی شکل میں غذا فراہم کرتا ہے۔ جب خوراک کا غذائی جوہر جگر میں پہنچتا ہے تو خون کی شکل میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ غذا کا وہ جوہر اس مقام پر چار مختلف شکلوں میں ڈھل جاتا ہے۔

جو حصہ مکمل طور پر پک جائے وہ صاف خون کی شکل اختیار کر جاتا ہے اور یہ بقیہ تین شکلوں سے بہتر اور افضل ہے اس کی طبیعت اور مزاج گرمتر ہے اس کے معتدل ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کا رنگ سرخ، صاف اور بو سے خالی ہو یہ جسم کے تمام اجزاء کو غذا کی طاقت پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔

جو اجزاء مکمل طور پر نہ پک سکیں وہ بلغم کی شکل اختیار کر جاتے ہیں جس کا مزاج سرد تر ہے۔ اس کے معتدل ہونے کی علامت یہ ہے کہ پتلے اور گاڑھے ہونے کے اعتبار سے یہ خون کے قریب ہو۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ خون کی کمی کی صورت میں یہ دوبارہ خون بن کر اعضاء کو غذا فراہم کرتی ہے اور حرکت کے وقت اعضاء کو تازہ رکھتی ہے تاکہ حرکت کی حرارت کے باعث اعضاء میں خشکی پیدا نہ ہو۔ اس کا نچوڑ دماغ کی غذا بن جاتا ہے اور باقی بچنے والی بلغم کو پھیپھڑے اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں۔

تیسری شکل کو صفراء کہا جاتا ہے۔ اس پر حرارت غالب ہوتی ہے۔ یہ جھاگ کی طرح غذائی جوہر پر آ جاتا ہے۔ اس کا مزاج گرم خشک ہے اس کے معتدل ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کا رنگ روشن اور ہلکا ہوگا اور اس کے تین فائدے ہیں۔

(1) خون کو لطیف کر کے اعضاء میں اس کو حرکت دینا۔

(2) پھیپھڑوں کو غذا فراہم کرنا۔

(3) آنتوں کے فضلات کو دھو کر ان کی بدبو دور کرنا۔

چوتھی شکل غذائی جوہر کی تلچھٹ ہے جو اس کی تہہ میں موجود ہوتی ہے۔ اس کا مزاج سرد خشک ہے۔

(1) اس کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ خون کا قوام بنا کر اسے اعضاء کو غذا فراہم کرنے کے قابل بناتا ہے۔

(2) دوسرا فائدہ ہڈیوں کو غذا فراہم کرنا ہے۔

(3) تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کا ایک جز معدے میں گرتا ہے جس کی بدولت بھوک محسوس ہوتی ہے اور اس کا بقیہ حصہ تلی جذب کر لیتی ہے۔

کیموس کی وضاحت

صاف اور خالص خون کو کیموس کہا جاتا ہے جس کا خلاصہ روح نامیہ بن جاتا ہے جگر سے خون کی رگیں نکل کر تمام جسم میں پھیل جاتی ہیں اور ان رگوں کے ذریعے کیموس تمام اعضاء میں تقسیم کیا جاتا ہے اور ان رگوں کو ''اوردة'' یا ''سواکن'' کہا جاتا ہے۔ یہی خون بعد

میں منی کی شکل اختیار کرتا ہے۔ یہاں ایک عجیب حکمت یہ ہے کہ گردے کا منہ جگر کے منہ کے قریب ہوتا ہے تاکہ تمام خرابیوں سے پاک اور پتلا خون جگر سے اوپر آئے اور پھر جب وہ نالیوں سے گزرے تو گردے اسے اپنی طرف کھینچ لیں اور پھر خون کو صحیح قوام کی شکل میں رگوں میں واپس بھیج دے۔ اگر گردے کا منہ جگر سے ملا ہوا نہ ہوتا تو خون گاڑھا رہتا اور یہ جگر کی باریک نالیوں سے اوپر نہ چڑھتا جس کے نتیجے میں تمام اعضاء غذا کے حصول سے محروم رہتے۔ جگر ورم آلود ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں انسان کی موت واقعہ ہو جاتی ہے۔ پس اس کیموس کا بعض حصہ گردے کی غذا بنتا ہے اور بعض حصہ صاف ہو کر پانی کی شکل میں مثانے کی طرف چلا جاتا ہے۔ لہٰذا گردے کی تکلیف کی صورت میں آبی امراض جیسے شہوت کا ختم ہو جانا، کمر میں درد، کمزوری وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ اگر پتے میں خرابی آ جائے تو اس سے صفراء امراض جیسے یرقان، دق، آبلے وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور اگر تلی میں خرابی آ جائے تو اس سے سوداوی امراض جیسے جذام، برص اور مالیخولیا وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں۔

روح نامیہ مکمل صفائی کے عمل سے گزرنے کے بعد روح حیوانی کی شکل اختیار کر جاتی ہے جسے دل اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ دل کی حرارت اسے اچھی طرح پکاتی ہے اور پھر اس کا مغز روح نفسانی بن جاتا ہے جسے دماغ اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔

دل سے چند رگیں نکل کر دیگر اعضاء کی طرف جاتی ہیں جنہیں ''شراتیں'' کہا جاتا ہے۔ قوت حیات کا تعلق انہی رگوں کے ساتھ ہے، ان رگوں کو ''ضوارب'' بھی کہا جاتا ہے۔

زندگی کی تقسیم

پھر اس روح حیوانی کا بقیہ حصہ دل سے نکل کر تمام اعضاء میں پھیل جاتا ہے یہی روح پورے جسم میں زندگی تقسیم کرتی ہے اور دماغ کا تعلق تمام اعضاء کے ساتھ قائم رکھتی ہے پھر چوتھی مرتبہ دماغ میں روح نفسانی کو پکایا جاتا ہے جو پکنے کے بعد محسوس کرنے اور حرکت کرنے کا مادہ بن جاتی ہے اور اعصاب کی مدد سے محسوس کرنے اور حرکت کرنے کی صلاحیت کو پورے جسم میں جاری کر دیتی ہے۔

روح نفسانی کے جسم میں دو خادم ہیں۔

ایک حرکت دینے والی قوت اور دوسری ادراک کرنے والی قوت۔

حرکت کرنے والی قوت کے بھی دو خادم ہیں۔ ایک وہ حرکت جو بے اختیاری ہو جیسے رعشہ اور تشنج اور دوسری وہ حرکت جو اپنے اختیار اور ارادے کے تحت کی جائے۔

ارادے کے تحت کی جانے والی حرکت کے بھی دو خادم ہیں۔ ایک شہوانی قوت اور غضبی قوت۔

ادراک کرنے والی قوت کی دس قسمیں ہیں یعنی پانچ ظاہری حواس اور پانچ باطنی حواس۔

ان تمام قوتوں میں سے ہر ایک قوت کسی ایک زمینی فرشتے سے متعلق ہوتی ہے۔

ہڈیوں کی تقسیم

حکیم مطلق نے اپنی کامل حکمت کے تحت روح نفسانی کی حفاظت کے لیے عقل کے گھر یعنی سر کے گنبد کو 55 استخوانی ٹکڑوں سے بنایا ہے جبکہ دماغ اس کے نیچے 7 ہڈیوں میں چھپا ہوا ہے۔ دونوں جبڑوں کے درمیان 32 دانت اور داڑھیں بنائی ہیں۔ گردن میں 7 مہرے ہوتے ہیں جبکہ ریڑھ کی ہڈی میں 24 مہرے ہوتے ہیں بقیہ اعضاء میں 280 ہڈیاں 732 رگیں، 360 پٹھے، 529 عضلات موجود ہیں۔ گویا یہ ہڈیاں، رگیں اور پٹھے مجموعی طور پر 1993 ہیں جبکہ ان کے علاوہ چند دیگر اجزاء بھی ہیں اور ان میں سے ہر ایک پر ایک نگران فرشتہ مقرر ہے جو ان اعضاء کی صحت کے اسباب کا خیال رکھتا ہے اور موسم یا غذا کے منفی اثرات سے انہیں محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ جنات اور شیاطین کے حملوں سے بچاؤ کرتا ہے۔ ان تمام ہڈیوں، رگوں، عضلات، خلیوں اور دیگر اجزاء میں بے شمار حکمتیں اور فوائد موجود ہیں۔ ان میں سے بعض گرم کچھ سرد، کچھ تر، کوئی خشک بعض متحرک اور بعض ساکن ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا مربوط نظام ہے کہ اگر کسی گرم چیز کی گرمی کسی دوسرے ٹھنڈے جز کی سردی کو ختم کردے یا کسی تر چیز کی تری کسی خشک جز کی خشکی کو ختم کردے کوئی متحرک چیز ساکن یا ساکن چیز متحرک ہو جائے تو انسان ہلاکت کا شکار ہو جاتا ہے۔

لیکن عام لوگ کبھی ان نکات کی طرف توجہ نہیں دیتے کیونکہ انہیں ان کا علم ہی نہیں ہے۔ان کے نزدیک زندگی یہی ہے کہ جب بھوک لگے تو کھانا کھالیا۔شہوت غالب ہوئی تو صحبت کرلی۔غصہ آیا تو کمزور کو ستالیا یہ لوگ کبھی غور نہیں کرتے کہ بیل یا گدھے ان سے زیادہ کھاتے ہیں۔ان سے زیادہ صحبت کرتے ہیں۔ایسے لوگ اپنے پروردگار کے عطا کردہ ان انعامات کو گناہ کے کاموں میں استعمال کرتے ہیں اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے اپنے پروردگار کی رضا سے منہ موڑ لیتے ہیں اور حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ انہیں ذرا بھی شرم نہیں آتی اور یہ ایک لمحے کے لیے بھی اپنے پروردگار کی عطا کردہ نعمتوں میں غور و فکر نہیں کرتے۔

حضرت ذوالنون مصری کا واقعہ

ایک دن شیخ ذوالنون مصری ایک جگہ پانی کے کنارے وضو کر رہے تھے انہوں نے کیا دیکھا کہ ایک بچھو دوڑتا ہوا آ کر پانی کے کنارے کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں پانی سے ایک مینڈک باہر آیا وہ بچھو اس مینڈک کی پشت پر سوار ہو گیا اور پانی کے دوسرے کنارے تک پہنچ گیا۔شیخ یہ دیکھ کر حیران ہوئے اور اس کے پیچھے چل دیئے۔آگے چل کر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک درخت کے سائے میں ایک نوجوان سو رہا تھا اس کے قریب ایک سانپ اسے ڈسنے کے لیے تیار ہے۔وہ بچھو وہاں پہنچ کر سانپ کے سر پر ڈنگ مارتا ہے اور وہ سانپ فوراً ہلاک ہو جاتا ہے۔بچھو فوراً واپس پانی کی طرف آتا ہے اور مینڈک کی پشت پر سوار ہو کر پانی عبور کر کے اپنے بل میں واپس چلا جاتا ہے۔شیخ یہ سمجھے کہ یہ نوجوان ضرور کوئی بڑا ولی ہوگا۔ جب آپ نوجوان کے قریب پہنچے تو پتہ چلا کہ وہ شراب کے نشے میں دھت پڑا سو رہا ہے اور اس کے منہ سے شراب کی بدبو بھی آ رہی ہے۔شیخ اور زیادہ حیران ہوئے اتنے میں غیب سے آواز آئی: اے ذوالنون! اتنا حیران نہ ہو اگر ہم صرف نیک لوگوں کی حفاظت کریں تو گناہگاروں کا محافظ کون ہوگا؟

اور ان گناہگاروں کو ہمارے سوا کون معاف کرے گا؟ گمراہی کے جنگلوں میں بھٹکنے والے یہ پیاسے ہماری رحمت کے دریا کے بجائے کہاں سے سیراب ہوں گے؟ اگر ہمارے

کرم کے بادل، غفلت کی وادی میں بسنے والوں پر ہدایت کی بارش نہیں کریں گے تو کون ان کا پرسان حال ہوگا؟ اگر ہماری عنایت کی بادِ نسیم نفسانی خواہشات کے سمندر میں غرق ہونے والوں کو توبہ کے ساحل تک نہیں لائے گی تو پھر کون لائے گا؟ شیخ ذوالنون نے یہ آواز سنی تو خوش ہوکر اس نوجوان کے گرد چکر لگانے لگے اور یہ شعر کہے:

اے خفتہ کہ دوست نگہبان جان تست   تو مست و غافل و کرمش پاسبان تست
خوابت چہ گونہ آید تاز شوق آں کریم   کش رحمت و عنایت بیش از گمان تست

اے سوئے ہوئے نوجوان! دوست (یعنی اللہ تعالیٰ) تیری جان کا محافظ ہے تو ست اور غافل ہے مگر اس کا کرم تیری حفاظت کر رہا ہے۔ اس مہربان کی محبت میں تجھے کیسے نیند آسکتی ہے جس کی رحمت وعنایت تیرے گمان سے بھی زیادہ ہے۔

جب وہ نوجوان بیدار ہوا تو شیخ ذوالنون مصری کو دیکھ کر نہایت شرمندہ ہوا اور حیرانگی سے دریافت کیا آپ مجھ تک کیسے پہنچے؟ شیخ نے اسے سارا ماجرہ سنایا۔ یہ سن کر نوجوان نے ایک نعرہ لگایا اور اپنا گریبان چاک کرے روتا ہوا صحرا کی طرف نکل گیا اور پھر بقیہ زندگی اپنے پروردگار کی عبادت وفرمانبرداری میں بسر کی۔

معزز قارئین! یہ بات جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم، انعام واکرام اور احسان و بخشش کی کوئی حد نہیں ہے۔ کائنات کا ایک ایک ذرہ اس کی عطا کردہ نعمت ہے جو اس کے جودوکرم کے مطابق اس کی قدیم رحمت کے دریا سے شہود کے ساحل پر آئی ہے۔ ہر لمحے میں مختلف طرح کی نعمتیں پیدا ہوتی ہیں جن میں سے سب سے ادنیٰ قسم کی نعمتوں کا تعلق محسوسات کے ساتھ ہے اور محسوسات میں سے سب سے ادنیٰ نعمت کھانے پینے کی اشیاء ہیں جن کی وجہ سے شہوت کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ انسانی جسم میں کئی طرح کی نجاستیں پیدا ہوتی ہیں۔ صرف کھانا تو محسوسات میں سب سے ادنیٰ نعمت ہے۔ اس کے حصول کے اسرار اور دیگر لوازمات میں سے جن امور کا تذکرہ سابقہ صفحات میں کیا گیا ہے وہ نہایت مختصر ہیں کیونکہ ان کی ہلکی سے تفصیل بیان کرنے کے لیے بھی کئی جلدیں درکار ہوں گی اور نعمت کی

اس قسم کے اسرار دیگر نعمتوں کے اسرار کے سامنے وہی حیثیت رکھتے ہیں جو حیثیت سمندر کے سامنے قطرے کو حاصل ہوتی ہے۔

یہ سب کچھ انسان کی تخلیق کے اسرار کے سمندر اور روح کے جسم میں ملنے کی کیفیت اور پھر عقل اور جسم کے اجزاء اور جواہر میں روح کے تصرف سے متعلق حقائق ہیں جن کا ادراک عام عقل اور محدود ذہن کی پہنچ سے باہر ہے۔ البتہ ان حقائق میں سے بعض انوار کا مشاہدہ اس نور کے ذریعے کیا جا سکتا ہے۔ جو عنایت الٰہی کے افق سے نبوت وولایت کے جہاں میں طلوع ہوتا ہے اور اس کے عکس کی صفائی، عشق حقیقی کی آگ میں جلنے والوں کے پاکیزہ قلوب اور ستھرے نفوس میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ شراب عرفان سے مخمور ارواح اس کے لطیف ٹھنڈے جھونکوں سے سکون محسوس کرتی ہیں۔ اس بابرکت آگ کی چنگاریاں جہالت کی سردی میں ٹھٹھرے ہوئے لوگوں میں طلب کی حرارت پیدا کرتی ہے اور بارگاہِ رب العزت سے دوری کے جنگل میں بھٹکتے ہوئے اس کے فیض کی پھوار سے قرب الٰہی کی سعادت کے مقام تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

غافلین کی کیفیت

ان غافل، جاہل اور احمق لوگوں پر حیرانی ہوتی ہے جو جسم و جان، نباتات و حیوان، کوہ و بیابان، زمین و آسمان اور جن و انسان کی ظاہری نعمتوں اور علم و ایمان، محبت و عرفان، کشف و اقعان، ذوق و وجدان اور روح و رضوان کی باطنی نعمتوں سے واقف ہو جانے کے باوجود ناشکری کرتے ہیں اور ہمیشہ رہنے والی دولت کے بجائے ہمیشہ رہنے والے خسارے کو پسند کرتے ہیں اور رات دن اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مشغول رہتے ہیں۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکار اند   تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری
ہم از بہر تو سرگشتہ و فرمان بردار!   شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

"بادل، ہوا، چاند، سورج اور آسمان مصروف ہیں تاکہ تو روٹی حاصل کرے اور غفلت سے نہ کھائے، ان سب کو تمہارے لئے مسخر اور فرمانبردار بنایا گیا ہے۔
اب یہ انصاف کے خلاف کہ تو (اپنے پروردگار) کا فرمانبردار نہ ہو۔"

اے عزیز! اگر کوئی حکمران کسی غلام کو دولت خلعت اور گھوڑا دے اور اسے یہ حکم دے کہ تم اس مال کے ذریعے اپنی اور اپنے عزیزوں کی ضروریات پوری کرو یہ خلعت پہن لو، گھوڑے پر سوار ہوکر، تلوار ہاتھ میں لے کر ہمارے دشمنوں سے مقابلہ کرو اور پھر وہ غلام وہ دولت بادشاہ کے دشمنوں کو دے دے اور گھوڑے پر سوار ہوکر بادشاہ کے خلاف لڑنے لگے ہر عقل مند آدمی کے نزدیک اس کا یہ عمل احسان فراموشی کہلائے گا اور وہ غلام قتل کا مستحق قرار پائے گا۔

اب آپ یہ بات سمجھ لیں کہ اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے احسان فراموشی میں مبتلا ہیں اور آخرت کی دائمی نعمتوں کو نفسانی خواہشات کے عوض بیچ رہے ہیں۔

آسمانی اور زمینی فرشتے ان بدنصیبوں کو ہزاروں نعمتیں عطا کرتے ہیں مگر یہ بدنصیب اپنی گمراہی میں مزید پختہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اسی لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ

''اور میرے بندوں میں سے بہت تھوڑے لوگ شکر کرتے ہیں۔''

اس مقام کی عظمت شان کی دلیلوں کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کے سالکوں اور اس منزل کے اسرار کے واقفانِ حال کی تعداد نہایت کم ہے، سنت الٰہی یہی ہے کہ کفر اور گمراہی کے پیشوا ہمیشہ عام اور بدنام ہوتے ہیں جبکہ ارباب کمال گمنام رہتے ہیں۔

غیرت ایزد چنیں کرد اقتضاء　　　　کرزد راو دور باشد ہر گدا

''اللہ تعالیٰ کی غیرت کا تقاضا ہے کہ ایسے گداگر اس کے دروازے سے دور ہی رہیں۔''

چند لوگوں کا نصیب

آپ نے غور نہیں کیا؟ پہاڑ اور جنگل پتھروں اور ڈھیلوں سے بھرے پڑے ہیں مگر ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے جبکہ قدر و قیمت کے حامل لعل و جواہر نہایت کمیاب ہوتے ہیں۔ اس لئے شکر کا بلند ترین مقام چند لوگوں ہی کو نصیب ہوتا ہے۔

قرنہا باید کہ تا صاحب دلے پیدا شود — بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن
عمرہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب — لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن
سالہا باید کہ تا یک کودکے از علم و درس — عالمے گردد نکو، یا شاعرے شیریں سخن
چلہ ہا باید کہ تا یک قطرہ آب اندر شکم — صفدرے گردد بہ میداں یا عروسے راختن
ماہہا باید کہ تا یک پنبہ دانہ ز آب و خاک — شاہدے را حلہ گردد یا شہیدے را کفن
ہفتہ ہا باید تا یک مشت پشم از پشت میش — صوفئے را خرقہ گردد یا حمارے را رسن

”کسی ایک صاحب دل کی پیدائش کے لیے کئی صدیاں درکار ہیں۔ خراسان میں بایزید ہوں یا قرن میں حضرت اویس قرنی ہوں۔

ایک پتھر کو لعل بدخشاں یا عقیق یمنی بننے کے لیے سورج کے سامنے کئی عمریں بسر کرنا پڑیں گی۔

کسی بچے کو اچھا عالم، یا بہترین شاعر بنے کے لیے کئی برس پڑھنا پڑتا ہے۔

کسی کا میدان شہسوار یا دلہن کا شوہر بننے کے لیے کئی چلوں (کا وقت) درکار ہوتا ہے۔

پانی، مٹی اور روئی کی مدد سے محبوب کا جوڑا یا شہید کا کفن بنانے کے لیے کئی مہینے درکار ہوتے ہیں۔

بھیڑ کی اون سے کسی گدھے کی رسی یا صوفی کی گدڑی بنانے کے لیے بھی کئی مہینے درکار ہوتے ہیں۔

اے عزیز! ہدایت کی راہ پر چلنے والے اور عنایت کی بستی میں رہنے والے شکر سے وابستہ ہیں اور ہمیشہ شرک اور کفر کے نشانات مٹانے میں مشغول رہتے ہیں۔ اگرچہ بظاہر ان کی تعداد نہایت کم ہوتی ہے مگر درحقیقت یہ بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ عام دنیادار انہیں کم تر سمجھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انہیں بلند مرتبہ و مقام حاصل ہے۔ قرآن اس حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا

''بے شک ابراہیم اللہ کا فرمانبردار بندہ تھا اور حق کی راہ پر گامزن رہنے والا تھا۔''

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنی کوتاہ نظری کے باعث ابراہیم کی صرف ظاہری صورت کو نہ دیکھو کہ وہ دوسرے عام انسانوں کی مانند ایک عام شخص ہیں بلکہ ان کی ہستی زمین و آسمان کے صدف کا قیمتی گہر ہے۔ اور ان کے طریقے کی پیروی کے نتیجے میں انسان دین و دنیا کی تمام تر کامیابیاں حاصل کر سکتا ہے۔ ظاہری اعتبار سے وہ نوع انسانی کے ایک فرد ہیں لیکن باطنی اسرار کے اعتبار سے ان کی رفعت و جلالت سارے جہان کی حقیقت ہے۔

تجدیدِ دین

اسی طرح ہر عہد میں اللہ ربّ العزت کی جانب سے ابراہیم صفت مصلحین تشریف لاتے رہے ہیں جو عالم حقیقت کے بادشاہ اور عمارت طریقت کے ستون ہیں۔ یہ حضرات وفا کے قدموں کے ذریعے صفا کا راستہ طے کرتے رہے ہیں اور بدنصیب لوگوں کے دل کی زمین سے بدبختی کے کانٹے اپنی نصیحتوں سے نکالتے رہے ہیں۔ ان کے ایمان کی برکت کے باعث لوگ تباہی کے گڑھوں سے گرنے سے بچ جاتے ہیں اور ان کے اسرار کا فیض سالکان طریقت کو مرتبہ کمال تک پہنچا دیتا ہے۔ یہی لوگ دین کی تجدید کرتے ہیں اور ان کا وجود مسعود کون و مکاں کا خلاصہ ہوتا ہے۔

ہر چہ از گردون گرداں می رسد   از طفیل جان مرداں رسد
گر نہ باشد نقش ارباب شہود   خود گردد دور پرکار وجود

''دنیا میں کسی کو جو کچھ بھی ملتا ہے وہ ان کے نیک لوگوں کے وجود کے طفیل ملتا ہے۔ اگر یہ حضرات نہ ہوں تو دنیا کا نظام نہیں چل سکتا۔''

شکر کی دس کیفیات

معزز قارئین! اللہ تعالیٰ کے شکرگزار بندوں کے شکر کی درج ذیل دس کیفیات ہیں۔

1- اس بات کا یقین کر لینا کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم کی بدولت ہمیں بیش بہا نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ ان نعمتوں پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے اور انہیں عطا کرنا اللہ تعالیٰ پر لازم نہیں ہے۔

2- نعمت حاصل ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عمدہ طور پر عاجزی اور انکساری کا اظہار کرنا۔

3- اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور نعمت کے حصول پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے نعمت کے حصول کے ذرائع کا شکریہ ادا کرنا۔

4- حاصل ہونے والی نعمت کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق استعمال کرنا۔

5- اگر نعمت کے حصول میں تاخیر ہو تو شکوہ واعتراض سے گریز کرنا۔

6- اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان کا لحاظ کرتے ہوئے چھوٹی نعمت کو بھی بڑا سمجھنا

7- نعمت کے اصل مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اسے اچھی طرح قبول کرنا۔

8- نعمتوں کی کثرت کو سامنے رکھتے ہوئے بندے پر شرم وحیاء کا غلبہ ہونا۔

9- شکر کے حقوق کی ادائیگی میں اپنی عاجزی کا اعتراف کرنا۔

10- اس حقیقت کا یقین کر لینا کہ نعمت کے حصول کے بعد شکر کی ادائیگی کی توفیق بھی ایک نعمت ہے کیونکہ وہ مزید نعمت کے حصول کی بنیاد بنتی ہے۔

شاکرین کے تین درجات

شکر ادا کرنے والوں کے تین درجات ہیں۔

پہلا درجہ یہ ہے کہ محبوب اور پسندیدہ چیزوں کے حصول پر شکر ادا کیا جائے۔ راہ سلوک کے ابتدائی طلبہ اور مرتبہ شہادت کے نچلے طبقے کے افراد میں یہ کیفیت پائی جاتی ہے۔ شکر کا سب سے کمتر مرتبہ یہ ہے کہ عام اخلاقی اقدار جو دنیا کے تمام مذاہب کے ماننے والوں میں پائی جاتی ہیں ان اقدار کا لحاظ کرتے ہوئے شکر ادا کیا جائے اور یہ اللہ ربّ العزت کا خاص فضل ہے کہ وہ اس معمولی سے نذرانے کو قبول فرمالیتا ہے اور اپنے وعدے کے مطابق نعمت میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ

''اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں ضرور بضرور تمہیں مزید عطا کروں گا۔''

(نیز ارشاد ربانی ہے)

وَسَنَجۡزِی الشّٰکِرِیۡنَ

''اور ہم عنقریب شکر کرنے والوں کو جزاء عطا کریں گے۔''

اس بشارت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر گار بندوں کو آخرت کے خوف سے نجات عطا فرما دی ہے۔

شکر کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان ناپسندیدہ صورتحال اور تکالیف پر شکر کرے اور یہ کیفیت عالم حقیقت کی راہ پر چلنے والے متوسط درجے کے سالکین کی ہے۔ یہ حضرات عزت کے بجائے ذلت، دولت کے بجائے فقر، خوشی کے بجائے غم، راحت کے بجائے رنج اور شہرت کے بجائے گمنامی کو اختیار کرتے ہیں۔ ان کا مقصد لوگوں کے مقصود سے مختلف ہوتا ہے۔ لوگ جن امور کے ظاہری پہلو پر نظر رکھتے ہیں یہ اس کے باطن کو دیکھتے ہیں۔ جب لوگ دنیاوی مال واسباب پر عاشق ہوتے ہیں تو یہ اس کے نقصانات پر غور کر کے اسی سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ جب لوگ اپنی ذاتی دنیا آباد کرنے میں مشغول ہوتے ہیں تو یہ اپنی ذاتی دنیا ویران کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کسی بھی ایسی چیز کا رخ نہیں کرتے جسے آخرکار چھوڑنا پڑے گا اور جس چیز پر فنا کی تحریر کندہ ہو یہ اس سے اپنا دامن کھینچ لیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اہل جنت بھی رشک کریں گے۔

جنت کے احوال

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

ان اهل الجنة بينما هم في زعيمهم اذا سطح لهم نورمن فوقهم اضاء لهم منازلهم كما تضيُ الشمس منازل اهل الدنيا فينظرون الى رجال من فوقهم في اعلى عليين يرونهم كمايرى الكواكب (الدرى) في افق السماء قد فضلوا عليهم بالانوار والجمال والنعيم كما فضل القمر على سائر النجوم فينظرون اليهم يطيرون على تخت تسرح بهم في الهواء يرون ذاالجلال والاكرام فينا دون

هولاء یا اخواننا ماانصفتمونا کنا نصلی کما تصلون ونصو کما تصومون فما هذا الذی فضلتم علینا فاذا جاء النداء من قبل اللّٰه سبحانه و تعالٰی انهم کانوا یجوعون حین تشبعون ویعطشون حین ترون ویعرون حین تکسون ویذکرون حین تسکتون ویبکون حین تضحکون ویقومون حین تنامو فلذٰلک فضلوا علیکم۔

’’جب اہل جنت نعمتوں سے لطف اندوز ہورہے ہوں گے اس وقت ان کے اوپر کی جانب سے ایک نور چمکے گا جو ان کے گھروں کو اسی طرح روشن کردے گا جیسے سورج دنیا کے گھروں کو روشن کردیتا ہے۔ اہل جنت اپنے اوپر اعلیٰ علیین میں چند حضرات کو اس طرح دیکھیں گے جیسے افق پر چمکتے ہوئے ستارے کو دیکھا جاتا ہے۔ وہ حضرات انوار و جمال اور نعمتوں کے اعتبار سے اہل جنت پر اسی طرح فضیلت رکھتے ہوں گے جیسے چاند کو تمام ستاروں پر فضیلت ہے۔ اہل جنت دیکھیں گے کہ یہ حضرات تختوں پر بیٹھ کر ہوا میں پرواز کررہے ہیں اور اپنے پروردگار کے دیدار میں مشغول ہیں۔ اہل جنت ان سے دریافت کریں گے۔ اے ہمارے بھائیو! تم نے ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا ہم بھی تمہارے ساتھ نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ تمہاری ہی طرح روزے رکھا کرتے تھے اور پھر تمہیں یہ فضیلت کس طرح حاصل ہوئی۔ اس وقت اللہ کی جانب سے ایک آواز آئے گی۔

جب تم سیر ہوتے تھے تو یہ بھوکے ہوتے تھے۔ تم مشروبات سے لطف اندوز ہوتے تھے اس وقت یہ پیاسے ہوتے تھے۔ جب تم لباس پہنتے تھے اس وقت ان کے پاس مناسب لباس نہیں ہوتا تھا۔ جب تم خاموش ہوتے تھے اس وقت یہ (زبان سے) ہمارا ذکر کرتے تھے جس وقت تم ہنس رہے ہوتے تھے اس وقت یہ رونے میں مشغول ہوتے تھے اور جب تم سونے میں مشغول ہوتے تھے اس وقت یہ نوافل ادا کررہے ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے آج

انہیں تم پر یہ فضیلت دی گئی ہے۔''

شکر کا تیسرا درجہ

شکر کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ جب متقابل صفات کے احکام جاری ہوں اور متداخل آیات کے آثار ساری ہوں نیز تجلی ذات کے ظہور کے وقت حالت میں کوئی فرق نہ آئے اور اضافات کے سقوط کے وقت بھی یہ کیفیت طاری ہے تو اس بات پر شکر ادا کرنا، یہ کام اکابر صوفیاء کا ہے جو اللہ ربّ العزت کے مقبول محبوب بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو صفائی عطا کی اور ان کے اجسام محبت خداوندی سے لبریز ہیں۔ یہ لوگ راہِ وفا میں فنا کا زہر پی چکے ہیں اور بقا کی مجلس میں بقا کے شربت سے سیراب ہو چکے ہیں۔ ان کی روح اور جسم کے لباس سے گناہوں کے داغ دھل چکے ہیں اور یہ لباس اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت کے تحت صبغۃ اللہ کے رنگ میں رنگا جا چکا ہے۔ انہیں زمانے کے حالات متاثر نہیں کر سکتے اور مخلوق کی داد و ستائش یا تحقیر و تنقید ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ انہیں ظاہری جسمانی بیماریوں سے کوئی الجھن نہیں ہوتی اور باطنی انعام و اکرام کی طرف بھی ان کی توجہ مبذول نہیں ہوتی کیونکہ یہ ہر وقت اپنے پروردگار کے (افعال کے انوار کے) مشاہدے میں گم ہوتے ہیں۔ ان ہی کی برکت سے دنیا والوں کو رزق ملتا ہے۔ اور یہی راہ سلوک کے مربی و رہنما ہیں۔ ان کی رعنائی و دلکشی دنیاداروں کی نگاہ سے اوجھل ہے اور ان کے فضائل و کمالات جہلاء سے پوشیدہ ہیں۔ (ایک حدیث قدسی کے مطابق) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری

میرے دوست میری خاص رحمت میں پوشیدہ ہیں ان سے میرے سوا آگاہ نہیں ہو پاتا۔

غافل لوگوں کی کیفیت

معزز قارئین! شکر کی یہ قسم اکابر اور کامل صوفیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ غفلت اور جہالت کا شکار افراد ان کے اسرار کی بو بھی نہیں سونگھ سکتے اور شکر کی یہ منزل جو درحقیقت سعادت کی اعلیٰ اور بلند ترین منزل ہے۔ ظاہری اور باطنی اور عام و خاص نعمتوں سے عدم

واقفیت کے باعث اکثر لوگ اس منزل تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔

جیسے ہوا کا ناک کے ذریعے پھیپھڑوں تک پہنچنا ایک بہت بڑی نعمت ہے اگر کسی شخص کا منہ اور ناک کچھ دیر کے لیے بند کر دیا جائے یا اسے کسی ایسے کنویں یا کمرے میں بند کر دیا جائے جہاں سے ہوا کا گزر نہ ہو تو کچھ دیر بعد وہ شخص انتقال کر جائے گا۔ اب اگر کسی جاہل شخص کو ایسی صورتحال کا سامنا کرنا پڑے اور پھر اسے سانس لینے کا موقع ملے تو وہ فوراً اس نعمت کی قدر جان لے گا لیکن کچھ دیر بعد پھر غافل ہو جائے گا۔ اسی طرح صحت و تندرستی بھی ایک عظیم نعمت ہے۔ انسان جب تک بیمار نہ ہو اس وقت تک اس کی قدر و قیمت سے واقف نہیں ہوتا۔

ایسے بدنصیب لوگوں کی مثال ایسے غلام کی مانند ہے جس کی نافرمانی کے باعث اسے لگاتار عذاب دیا جائے اور پھر جب چند لمحوں کے لیے عذاب روکا جائے تو وہ اسے غنیمت اور مہربانی شمار کرے لیکن اگر مستقل طور پر عذاب ختم کر دیا جائے تو وہ دوبارہ نافرمانی پر کمربستہ ہو جائے۔

سانس کی نعمت

بیشتر لوگوں کی کیفیت یہ ہے کہ وہ مال کی کثرت کے سوا اور کسی بھی چیز کو نعمت نہیں سمجھتے۔ نیز پیٹ اور شرم گاہ کی لذت کے سوا اور کسی بھی چیز کو لذت نہیں سمجھتے وہ یہ غور نہیں کرتے کہ۔ سانس کا اندر جانا ایک نعمت ہے اور اس کا باہر آنا دوسری نعمت ہے اور یہ دونوں نعمتیں دو فرشتوں کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔

ایک فرشتہ سانس کو باہر نکال کر اندر موجود بخارات اور جراثیم کو باہر نکالتا ہے جبکہ دوسرا فرشتہ تازہ اور فرحت بخش ہوا سانس کی نالیوں تک پہنچاتا ہے۔ اگر یہ دونوں فرشتے لمحے بھر کے لیے اپنے فرض سے غافل ہو جائیں تو انسان دنیا سے رخصت ہو جائے۔

اسی طرح سانس کا نظام منہ، حلق اور سانس کی نالیوں کے ساتھ قائم ہے۔ منہ کا وجود سر کا مرہونِ منت ہے اور سر کے لیے جسم کی موجودگی ضروری ہے۔ جسم کی بقا کے لیے غذا ضروری ہے اور غذا کے حصول کے لیے مٹی، ہوا، پانی، سورج، چاند وغیرہ کی ضرورت ہے

اور ان کیلئے زمین و آسمان کی موجودگی ضروری ہے۔ پھر زمین و آسمان کا نظام چلانے کے لیے اس پر مامور فرشتوں کا وجود ہے جو باہم مل جل کر اس طرح کام کرتے ہیں جیسے ایک جسم کے مختلف اعضاء ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں اور جب کسی ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو پورا جسم بے چین ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی انسان صرف ایک سانس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ کے ارتکاب میں صرف کرتا ہے تو وہ بالواسطہ طور پر ان تمام مخلوقات کی ناشکری کرتا ہے جس کی بدولت تمام تر مخلوقات اس پر لعنت بھیجتی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مناجات

(بعض روایات کے مطابق) حضرت موسیٰ علیہ السلام بارگاہ ربّ العزت میں اس طرح مناجات کیا کرتے تھے:

> ''اے اللہ! میں تیری بے انتہا نعمتوں کا شکر کس طرح ادا کر سکتا ہوں جبکہ میرے جسم کے ہر ایک بال میں تیری کامل حکمت اور تیری قدرت کے تصرف کی بدولت دو نعمتیں پائی جاتی ہیں ایک بال کی جڑ کا صحیح رہنا اور دوسرا بال کے وجود کا موسمی اثرات وغیرہ سے محفوظ رہنا۔''

اس طرح کی سوچ ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو عالم شہادت میں مسلسل غور و فکر کرتے ہیں اور اس کے لیے دنیا سے منہ پھیر کر خلوت نشین ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے توجہ ہٹا لیتے ہیں۔ مجاہدہ کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کی ہمت کا ہما حقائق و معانی کی فضا میں جلال کے پر پھیلا دیتا ہے اور ان کی حقیقت کے سر کی صفائی نے روحانیت کے تختوں پر کمال کے شجر طوبیٰ کے زیر سایہ پرورش پائی ہے۔ انہوں نے سچائی کے گھوڑے شہود کے میدان میں دوڑائے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے اسرار کو وجود کی تختیوں کے اوراق پر پڑھا اور یہ بات مشاہداتی طور پر جان لی کہ دنیا کی ہر نعمت کے ضمن میں سو تکالیف موجود ہیں اور اس کی ہر لذت کے ضمن میں سو مصائب پوشیدہ ہیں۔ دنیا کی تمام فانی لذتیں بارگاہ ربّ العزت سے دوری کا مقابلہ نہیں کر سکتیں اور ان کے حصول سے حاصل ہونے والی خوشی ان کو فنا ہونے سے نہیں روک سکتی۔ یہ حضرات صرف روحانی نعمتوں کو ہی حقیقی نعمت سمجھتے ہیں۔

ان کے نزدیک صرف حقائق کی لذت ہی حقیقی لذت ہے۔اس لئے ہم سب کو چاہئے کہ ہم ان کے طریقہ کار کی پیروی کریں او جو لوگ مصیبت کا شکار ہیں ان کی حالت کا جائزہ لیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا احساس ہو جو ہمیں حاصل ہیں۔مردوں کو دیکھ کر زندگی کی نعمت کی اہمیت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

ایک بزرگ کی عادت

ایک بزرگ کی یہ عادت تھی کہ وہ روزانہ باقاعدگی سے قبرستان، ہسپتال اور جیل جایا کرتے تھے۔کسی نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا میں ہسپتال اس لئے جاتا ہوں تاکہ بیماروں کو دیکھ کر اس بات کا احساس ہو کہ صحت کتنی عظیم نعمت ہے۔جیل اس لئے جاتا ہوں تاکہ مجرموں کو دیکھ کر یہ احساس ہو کہ جرم سے بچ کر رہنا کتنی عظیم نعمت ہے اور قبرستان جا کے یہ غور کرتا ہوں کہ ان مردوں کی سب سے بڑی خواہش یہی ہوگی کہ اے کاش! انہیں ایک ہی دن کے لیے دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ گنہگار لوگ اپنے گناہ کی تلافی کرسکیں اور نیک لوگ مزید نیکیاں کرسکیں۔اسطرح میرا نفس زندگی کی قدر کو پہچانے گا۔

قیامت کے دن لوگوں کی یہی کیفیت ہوگی۔گنہگار اس بات پر اشکبار ہوں گے کہ انہوں نے نیک کام کیوں نہیں کئے اور نیک لوگ اس بات پر افسوس کریں گے کہ انہوں نے ہمت وصلاحیت کے باوجود مزید نیکیاں کیوں نہیں کی تھیں۔

ربیع کا معمول

ربیع بن خثیم جو اکابر تابعین میں سے ایک ہیں شدید ریاضت ومجاہدے کے باوجود آپ نے اپنے گھر میں ایک قبر کھود رکھی تھی۔آپ روزانہ ٹاٹ کا لباس پہن کر، گلے میں لوہے کی زنجیر ڈال کر اس قبر میں لیٹ جاتے اور یہ کہتے:

> ''الٰہی! یہ وہی قبر ہے جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا تھا تو مجھے ایک دن کے لیے دنیا میں دوبارہ بھیج دے تاکہ میں وہاں جا کر کوئی ایسا نیک کام کر کے آؤں جو یہاں قبر میں مجھے فائدہ دے۔''

اس کے بعد آپ قبر سے باہر تشریف لاتے اور یہ فرماتے:

''اے ربیع ! تم نے جو مانگا تھا وہ تمہیں مل گیا ہے۔اب اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنی آخرت کی تیاری کرو۔ اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ وقت آ جائے جب تم یہ مہلت مانگو اور تمہیں یہ مہلت نہ مل سکے۔''

درحقیقت دنیا کی زندگی میں زندگی، صحت اور امن سب سے بڑی نعمتیں ہیں اور جوان کی قدر نہیں پہچانتا وہ عنقریب ان نعمتوں سے محروم ہو جائے گا۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

''اللہ تعالیٰ اس قوم کی حالت تبدیل نہیں کرتا جسے خود اپنی حالت بدلنے کا خیال نہ ہو۔''

(امیر کبیر ہمدانی دعا کرتے ہیں)

جعلنا الله من الشاكرين الفائزين بنيل مزيد فضله واكرامه انه قريب مجيب والحمد لله وحده والسلام على من اتبع الهدىٰ

نواں باب

صبر کا بیان

اس باب میں صبر و شکر کی تفصیل، ان دونوں کی حقیقت و فضیلت اور دونوں مقامات میں سے ایک کی دوسرے پر ترجیح کے بارے میں اہل علم کے اختلاف، صبر سے متعلق امور کا تذکرہ، اس کے مختلف نام، اس کی ضرورت، اس کے حقائق کے حصول کا طریقہ اور اس مقام کی شرائط وغیرہ کا تذکرہ کیا جائے گا۔

آدابِ بندگی

یہ ایک طے شدہ اصول ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے فیض یاب ہوگا آداب بندگی کے حقوق کی ادائیگی اس کے لیے ضروری ہوتی چلی جائے گی اور جو شخص دنیاوی امور میں جتنا زیادہ مبتلا ہوگا اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ مصائب و آلام پر صبر کرنا اتنا ہی زیادہ ضروری ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنی خاص حکمت کے تحت اپنے برگزیدہ بندوں کو ولایت کی خلعت ہمیشہ امتحان اور آزمائش کی شکل میں عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کو دنیاوی مال و اسباب عطا کیا جاتا ہے وہ بھی مختلف طرح کی تکالیف اور پریشانیوں کا سامنا کرتے ہیں۔

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِنَا تَبْدِيْلًا

''اللہ کی سنت اسی طرح جاری ہے اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔''

یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کرام مصیبت پر صبر کرنے کو اللہ تعالیٰ کی عنایت کی نشانی اور

تکلیف برداشت کرنے کو اپنی ولایت کی صحت کی علامت سمجھتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا

''جب انہوں نے صبر کیا تو ہم نے ان کے اندر ایسے امام پیدا کئے جو ہمارے حکم کے تحت رہنمائی کرتے ہیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے معانی کے جواہر کے طلبگاروں اور عرفان کی منازل طے کرنے والوں کو یہ بتایا ہے کہ ہم نے اپنی خاص حکمت کے تحت اپنے بندوں کو ان کے صبر اور استقامت کی بدولت امامت اور پیشوائی کے منصب پر فائز کیا ہے اور انہیں اپنی دوستی کی خلعت عطا کی ہے۔ انہیں لوگوں کے لیے رہنما بنایا ہے اور آخرت میں ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتیں انہیں عطا کی جائیں گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرُهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ

''صبر کرنے والوں کو کسی حساب کے بغیر اجر عطا کیا جائے گا۔''

ایمان اور صبر

وعن جابر رضی اللہ عنہ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن الایمان قال الصبر والسماحة

''حضرت جابر سے منقول ہے نبی کریم ﷺ سے ایمان کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا صبر اور مہربانی ہے۔''

صبر کا نتیجہ

حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا اراداللہ لعبد خیرا او اراد ان یصافیہ، صب علیہ البلاء صبا فاذا دعاہ قالت الملائکة صوت معروف فاذا دعاہ ثانیا فقال یارب قال اللہ تعالٰی لبیك عبدی وسعدیك لاتسئلنی شیئا الا اعطیتك او دفعت عنك ما ھوا اشد اواد خرت لك عندی ما ھو افضل منہ۔

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمالے یا اسے پاک و صاف کرنا چاہے تو اسے لگاتار مصائب کا شکار کر دیتا ہے اور پھر جب وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں یہ آواز جانی پہچانی ہے پھر جب وہ دوبارہ دعا کرتے ہوئے اے رب! کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں حاضر ہوں۔ اے میرے بندے! تجھے مبارک ہو کہ تو جو سوال کرے گا میں عطا کروں گا اور تجھ سے تکالیف دور کردوں گا اور تیرے لئے اپنے پاس وہ اجر و ثواب رکھوں گا جو نہایت بہترین ہے۔

محبوب بندہ

وروی ان رجلا قال یارسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ذھب مالی وسقم جسمی فقال علیہ السلام لا خیر فی عبد لا یذھب مالہ ولایسقم جسمہ ان اللّٰہ تعالیٰ اذا احب عبدا ابتلاہ بلاء ثم صبرہ۔

''ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میرا مال ختم ہوگیا ہے اور جسم بیمار ہے تو آپ نے فرمایا اس بندے میں کوئی بھلائی نہیں ہے جسے مالی نقصان نہ ہوا ہو یا جو بیمار نہ ہوا ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کسی بندے کو محبوب رکھتا ہے تو اسے آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے اور پھر اسے صبر کی توفیق دیتا ہے۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

نابینا کا اجر

قال اللّٰہ تعالٰی من سلبت کریمتاہ فصبر جزاءُ ہ الخلود فی داری والنظر الی وجھی

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس شخص کی بینائی رخصت ہوجائے اور وہ اس پر صبر کرے تو اس کی جزا ہمیشہ جنت میں رہنا اور میرا دیدار ہے۔''

مصیبت کا اجر

وقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآلہٖ وسلم یقول اللّٰه تعالیٰ اذا وبهت الی عبدمن عبیدی مصیبة فی بدنه اوماله او ولده ثم استقبل ذٰلك بصبر جمیل استحییت منه فی یوم القیامة ان انصب له میزانًا او انشد له دیوانا

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں اپنے کسی بندے کو دیکھتا ہوں کہ اسے جسم، مال یا اولاد میں کسی ایک کے بارے میں مصیبت لاحق ہو اور وہ صبر کرے تو قیامت کے دن مجھے حیاء آئے گی کہ میں اس کے لیے میزان نصب کروں یا نامہ اعمال کھولوں۔

جسمانی تکلیف کا اجر

وقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان الرجل لتکون له الدرجة عند اللّٰه لایبلغها بعمل حتّٰی یبتلی ببلاء فی جسمه فیبلغها بذٰلك

''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بعض اوقات کسی بندے کے نصیب میں، اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مخصوص درجہ ہوتا ہے جس تک کسی بھی عمل کے ذریعے رسائی نہیں حاصل کی جاسکتی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو کسی جسمانی تکلیف میں مبتلا کرتا ہے اور وہ شخص وہ درجہ حاصل کر لیتا ہے۔''

تکلیف کی حکمت

وروی انه لما نزل قوله تعالیٰ ومن یعمل سوء یجز به قال ابوبکر رضی اللّٰه عنه کیف الفرح بعد هذه الایة فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآلہٖ وسلم غفراللّٰه لك یاابابکر الست تمرض الست یصیبك الاذٰی الست تحزن فهذنا تجزونَ به.

''جب یہ آیت نازل ہوئی کہ جو برا عمل کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس آیت کے نزول کے بعد کون خوش رہ

سکے گا تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے۔ اے ابوبکر! کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچتی، کیا تمہیں کوئی غم لاحق نہیں ہوتا؟ یہی وہ سزا ہے جو تمہیں دی گئی ہے۔"

پسندیدہ گھونٹ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ماتجرع عبد قط جرعتین احب الی اللّٰه من جرعة غیظ ردها بحلم وجزعة مصیبة یصبر الرجل علیها.

"اللہ تعالیٰ کو بندے کے 2 گھونٹ سب سے زیادہ محبوب ہیں ایک غصے کا گھونٹ بھرنا اور اسے بردباری کے ذریعے ختم کرنا، دوسرا مصیبت کا گھونٹ بھرنا اور اس پر صبر کرنا۔"

صبر کا اجر

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا کان یوم القیامة جیئ باهل الاعمال نوفی اعمالهم بمیزان اهل الصلوة والصیام والصدقة والحج ثم یؤتی باهل البلاء فلاینصب لهم میزان ولاینشر لهم دیوان ویصب علیهم الاجر صبا واهل العافیة فی الدنیا لوانهم کانت تقرض اجسادهم بالمقاریض لما یرون مایذهب به اهل البلاء

"حشر کے دن عمل کرنے والوں کو لایا جائے گا اور نمازیوں، روزے داروں، صدقہ کرنے والوں اور حاجیوں کے اعمال کا وزن کر کے انہیں اس کا اجر دیا جائے گا۔ پھر آزمائش میں مبتلا ہونے والوں کو بلایا جائے گا اور ان کے لیے نہ تو میزان نصب کیا جائے گا اور نہ ہی نامہ اعمال کھولا جائے گا اور ان پر اجر کی بارش کردی جائے گی۔ دنیا میں عافیت کی زندگی بسر کرنے والے یہ خواہش کریں گے کہ کاش ان کے اجسام کو قینچی سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے (انہیں

مصیبت کا شکار بنایا جائے) کیونکہ وہ آزمائش میں مبتلا ہونے والوں کا اجر و ثواب دیکھیں گے۔

سابقہ لوگوں کا صبر

عن خباب بن الارتِ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال اتینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ والہٖ وسلم وھو متوسید بردائہ فی ظل الکعبۃ فشکونا الیہ فقلنا یارسول اللّٰہ الاتدعوا اللّٰہ لیبسط لنا فجلس محمرًّا لونہ ثم قال ان من کان قبلکم یوتی بالرجل فیحزلہ فی الارض حقرۃ ویجاء بامنشار فیوضع علٰی راسہٖ فیجعل فرقتین ما یصرفہ ذٰلك عن دینہ

''حضرت خباب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، ایک مرتبہ ہم بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنی چادر سے ٹیک لگا کر کعبہ کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ ہم نے شکایت کرتے ہوئے عرض کی یارسول اللہ! کیا آپ ہمارے لئے یہ دعا نہیں کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کشادگی عطا کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے ہوکر بیٹھ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سرخ ہوگیا پھر آپ نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلے لوگوں میں کسی ایک شخص کو زمین کھود کر دفن کیا جاتا اور پھر آرے سے اس کا سر چیر کر دو ٹکڑوں میں تقسیم کردیا جاتا تھا اور یہ حالت صرف ان کی دینداری کے باعث ہوتی تھی''۔

آزمائش کی حکمتیں

وعن ابن عباس رضی اللّٰہ عنھما قال شکانبی من الانبیاء علیھم السلام الی اللّٰہ تعالٰی فقال یارب العبد المؤمن یطیعك ویجتنب معاصیك یزوی عنہ الدنیا و تعرض لہ البلاءُ والعبد کافر لایطیعك ویجتری علی معاصیك یزوی عنہ البلاء وتبسط لہ الدنیا فاوحی اللّٰہ تعالٰی الیہ ان العطاء لی والبلاء لی وکل یسع بحمدی فیکون

المؤمن عليه من الذنوب فازوىٰ عنه الدنيا واعرض له البلاء فيكون كفارة لذنوبه حتى يلقانى فاجزيه بحسناته ويكون الكافرله حسنات فابسط له فى الرزق وازوى عنه البلاء فاجزيه بحسناته فى الدنيا حتى يلقانى فاجزيه بسياته۔

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں ایک مرتبہ ایک نبی نے بارگاہ ربّ العزت میں عرض کی اے میرے رب! مومن بندہ تیری فرمانبرداری کرتا ہے اور تیری نافرمانی سے بچتا ہے لیکن تو اس سے دنیا دور کر دیتا ہے اور اسے آزمائش میں مبتلا کرتا ہے جبکہ کافر تیری فرمانبرداری نہیں کرتا اور تیری نافرمانی کرتا ہے مگر تو اس سے آزمائش کو دور کر دیتا ہے اور اس کے لیے دنیا کو فراخ کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی نازل کی ''عطا اور بلا دونوں میری طرف سے ہیں اور ہر چیز میری حمد بیان کرتی ہے۔ مومن بندہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ میں اس سے دنیا کو دور کر کے اسے آزمائش کا شکار کر دیتا ہوں اور یہ بات اس کے گناہ کا کفارہ بن جاتی ہے۔ جب وہ میری بارگاہ میں حاضر ہوگا تو میں اسے صرف اس کی نیکیوں کا بدلہ دوں گا جبکہ کافر شخص دنیا میں کچھ نیکیاں بھی کرتا ہے میں اس کے رزق میں اضافہ کر دیتا ہوں اور آزمائش کو اس سے دور کر دیتا ہوں اس طرح میں اسے دنیا میں اس کی نیکیوں کا بدلہ دے دیتا ہوں اور جب وہ میری بارگاہ میں حاضر ہوگا تو میں اسے اس کے گناہوں کا بدلہ دوں گا''۔

صبر نصف ایمان ہے

عن ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم الصبر نصف الايمان واليقين الايمان كله

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ صبر نصف ایمان ہے اور یقین مکمل ایمان ہے۔''

صبر کس وجہ سے نصف ایمان ہے اس کو سمجھنے سے پہلے ایک تمہید سمجھنا ضروری ہے کبھی ایمان سے مراد حصول دین کی تصدیق ہوتی ہے اور کبھی ایمان سے مراد نیک اعمال ہوتے ہیں جو تصدیق کا نتیجہ ہیں بعض اہل علم لفظ ایمان کے ذریعے تصدیق اور اعمال کا مجموعہ مراد لیتے ہیں۔ ایمان کی حقیقت ان سب کو شامل ہے جس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے:

الایمان بضع وسبعون شعبة

''ایمان کی ستر سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں۔''

صبر کے نصف ایمان سے مراد ایمان کا تیسرا مفہوم ہے یعنی تصدیق اور عمل صالح کا مجموعہ، محدثین عام طور پر ایمان کا یہی معانی مراد لیتے ہیں گویا ایمان کے دو رکن ہوں گے ایک یقین اور دوسرا صبر۔

یقین سے مراد وہ قطعی معارف ہیں جو اللہ کی جانب سے بندے کو حاصل ہوتے ہیں اور صبر سے مراد ان پر عمل کرنا ہے یقینی معارف سے مراد سے مراد انسان کا یہ جان لینا ہے کہ اللہ کی نافرمانی نقصان دہ اور فرمانبرداری فائدہ مند ہے اور پھر گناہوں کو ترک کرنا اور اللہ کے احکام پر عمل کرنا صبر کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

صبر کی کمی

وقال رسول الله صلى الله عليه واٰله وسلم من اقل مااوتيتم اليقين وعزيمة الصبر من اعطى حظه منهما لم يبال مافاته من قيام الليل وصيام النهار

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہیں سب سے کم یقین اور صبر دیا جائے گا جسے ان دونوں میں سے کوئی ایک چیز بھی مل گئی تو پھر نفلی نمازوں یا روزوں کی کمی نقصان دہ نہیں ہوگی۔

جنت کا خزانہ

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الصبر کنزمن کنوزالجنة

صبر جنت کا ایک خزانہ ہے۔

صبر کرنے والا مومن ہے

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم علی الانصار فقال المؤمنون انتم فسکتوا فقال عمر نعم یارسول اللہ قال فما علامۃ ایمانکم فقالوا نشکر علی الدخاء ونصبر علی البلاء ونرضی بالقضاء قال انتم مومنون و ربّ الکعبۃ

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں، ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی مجلس میں تشریف لائے اور دریافت کیا، کیا تم مومن ہو؟ سب حضرات خاموش رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی جی ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے دریافت کیا تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے؟ انہوں نے عرض، ہم فراخی پر شکر کرتے ہیں۔ آزمائش پر صبر کرتے ہیں، تقدیر پر راضی رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: رب کعبہ کی قسم تم مومن ہو۔

صبر کی خوبی

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو کان الصبر من الرجال لکان کریما۔

''اگر صبر مرد ہوتا تو نہایت مہربان ہوتا۔''

تین سو درجات کا حصول

حضرت علی روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من صبر علی المصیبۃ حتی یرد لھا بعدم شکایتہ وبحسن رعایتہ کتب اللہ لہ ثلثماۃ درجۃ ما بین الدرجتین کما بین السماء ولارض

''جو شخص مصیبت پر صبر کرے اور کوئی شکایت کئے بغیر اچھی طرح مصیبت کا

سامنا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں تین سو درجات لکھ دیتا ہے۔ جن میں سے دو درجات کا درمیانی فاصلہ زمین و آسمان کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے۔''

صبر عبادت ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

انتظار الفرج بالصبر عبادة

''صبر کے ذریعے کشادگی کا انتظار کرنا بھی عبادت ہے۔''

پریشانی کے بعد آسانی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

النصر مع الصبر والفرج مع الکرب

''صبر سے مدد ملتی ہے اور پریشانی کے ہمراہ آسانی ملتی ہے۔''

مومن کی دولت

حضرت ابوذر غفاری روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دولة المؤمن فی الصبر ونصرٌ فی کظم الغیظ وعزه فی الاخذ بالفضل ونوره فی الورع عمالهی عنه

''بندہ مومن کی دولت صبر میں، اس کی مدد غصہ پر قابو پانے میں، اس کی عزت نیکی میں، اس کا نور پرہیزگاری میں ہے ان چیزوں سے جن سے منع کیا گیا ہے۔''

حضرت داؤد کی طرف وحی

بعض روایات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف یہ وحی نازل کی۔

''اے داؤد علیہ السلام! میرے جیسے اخلاق اختیار کرو کیونکہ میں صبور ہوں۔''

یہ بات جان لیں کہ عقل سلیم رکھنے والے دین کے مقامات کی معرفت دو طرح سے حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک عقلی دلائل کے ذریعے اور دوسرا نقلی دلائل کے ذریعے۔ صبر کی فضیلت کے لیے جو نقلی دلائل یعنی احادیث ہم نے ذکر کی ہیں وہ اہل فہم کے لیے کافی ہیں کیونکہ اس بارے میں منقول تمام روایات کو نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ صبر کی عظمت شان کے اظہار کے لیے یہی کافی ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ستر سے زائد مقامات پر صبر کا ذکر کیا ہے اور بیشتر بلند درجات کو اس سے متعلق کیا ہے تاہم صبر کے بارے میں عقلی معرفت کے لیے صبر کی حقیقت کو جاننا ضروری ہے کیونکہ کسی بھی چیز کی فضیلت اس کی صفت ہوتی ہے اور کسی بھی صفت کی حقیقت کو اس وقت تک نہیں سمجھا جا سکتا جب تک موصوف کی حقیقت سے آگاہی حاصل نہ ہو جائے۔

صبر دینی مقام ہے

جب یہ اصول ذہن نشین ہو گیا تو اب یہ بات جان لیں کہ صبر ایک دینی مقام ہے اور تمام دینی مقامات علم، عمل اور حال سے مرکب ہیں۔ علم کی مثال بنیاد کی طرح ہے جبکہ حال شاخوں کی مانند ہے اور عمل پھلوں کی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا صبر کے حصول کے لیے اس کی حقیقت سے واقفیت ضروری ہے۔ یعنی نفسانی خواہشات کی پیروی کے نقصان کا علم حاصل کرنا اس عمل کے ذریعے قائم ہونے والا حال صبر کہلائے گا یعنی آئندہ زندگی میں انسان کو نفسانی خواہشات کی پیروی سے نفرت ہو جائے گی۔ عمل حال کا پھل ہے جو عمل اور حال دونوں کی کیفیت کے مطابق حاصل ہوتا ہے۔

ان تمام حقائق سے آگاہی کے لیے زمینی اور آسمانی مخلوقات کی معرفت فرشتوں، حیوانات اور انسانوں کے مراتب کی ترتیب سے واقفیت پر موقوف ہے چونکہ فرشتوں اور حیوانات دونوں سے صبر ثابت نہیں ہو سکتا۔ فرشتوں سے اس لئے صبر ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے اندر نفسانی خواہشات کا مادہ ہی نہیں ہے صرف اللہ تعالیٰ کے قرب کا اشتیاق ان کی غذا ہے۔ ان میں مادی کثافت اور تاریکی نہیں پائی جاتی۔ اس لئے ان کے درمیان جھگڑے یا اختلافات رونما نہیں ہوتے۔ اس لئے انہیں صبر کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی۔ اسی طرح

جانوروں سے صبر اس لئے ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ عقل سے محروم ہیں اور نفسانی خواہشات کی تکمیل ان کی جبلت اور فطرت کا حصہ ہے۔ خواہش کے بغیر وہ حرکت نہیں کرسکتے۔ اسی طرح ساکن نہیں رہ سکتے کیونکہ ان کے اندر عقل موجود نہیں ہے۔ اس لئے شہوانی خواہشات کی تکمیل کے لیے ان کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور یہی رکاوٹ صبر کہلاتی ہے۔

البتہ انسان کا معاملہ ان دونوں سے مختلف ہے کیونکہ ابتدائی زندگی میں انسان کسی چوپائے کی طرح ناقص ہوتا ہے۔ غذا کے حصول کے علاوہ اس میں کوئی خواہش نہیں ہوتی پھر بتدریج اس کی توجہ کھیل کود، زیب وزینت، شہوت، مال کی طلب اور جاہ کی خواہش کی طرف مبذول ہوتی چلی جاتی ہے۔ بچپن میں انسان میں صبر کا مادہ موجود نہیں ہوتا کیونکہ صبر سے مراد ایسی قوت ہے جو کسی کام سے روکنے کے لیے رکاوٹ بن سکتی ہے جبکہ بچپن میں انسان میں غذا کی طلب کے علاوہ اور کوئی خواہش موجود نہیں ہوتی تو وہ نفسانی خواہشات کا مقابلہ کس طرح کرسکتا ہے۔

انسان اور فرشتے

اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت بلوغ کے وقت دو فرشتوں کو انسان کا مفعل بنایا ہے کیونکہ بلوغ کے وقت انسان جسمانی طور پر کامل حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ ان دونوں فرشتوں کے تصرفات کی بدولت انسان حیوانات سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ ایک فرشتے کو ہادی اور دوسرے کو مقوی کہا جاتا ہے۔

ان دونوں فرشتوں کی بدولت انسان میں دو صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ ایک ہدایت اور دوسری قوت۔

انسان ہادی فرشتے کی ہدایت کے باعث اللہ تعالیٰ، اس کے رسول، شرعی احکام نیز ان کے نتائج وانجام کی معرفت حاصل کرتا ہے اور یہی بات اسے حیوانات سے ممتاز کر دیتی ہے کیونکہ جانوروں کو اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ ان کے فعل کا انجام کیا ہوگا بلکہ ان کی توجہ شہوانی خواہشات کی تکمیل کی طرف رہتی ہے جبکہ انسان نور ہدایت کی روشنی میں یہ

دیکھ لیتا ہے کہ کون سی نفسانی خواہش کو پورا کرنے کا انجام کیا ہوگا۔ تاہم جب تک مقوی فرشتے کی طرف سے قوت فراہم نہ کی جائے اس وقت تک انسان شہوانی خواہشات کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص بیمار ہوجائے تو اسے اپنی بیماری کا علم تو ہوجاتا ہے مگر وہ باعث نجات حاصل نہیں کرسکتا جب مقوی فرشتے سے قوت حاصل ہوجائے تو قوت اور ہدایت کے مجموعے کے ہمراہ کوئی بھی طالب عزم و ہمت کے ذریعے شہوات کا منہ بند کرسکتا ہے۔ نیز ان دونوں کی مدد سے نفس امارہ کو زیادتی سے روک سکتا ہے۔ انسان کے وجود میں موجود یہ دونوں فرشتے ملکوت علوی اور نفس اور اس کی خواہشات ملکوت سفلی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا عزم لطیفہ روحانی تطہیر اور ان کا مقصد ہیکل جسمانی کی تعبیر ہے۔ یہ دونوں قوتیں انسانی جسم میں ہمیشہ برسرپیکار رہتی ہیں۔ کبھی علوی فرشتے جو اللہ تعالیٰ کا لشکر ہیں کبھی وہ غالب آجاتے ہیں اور کبھی سفلی فرشتے جو شیطانی وسوسے اور انسانی نفس کے غلبہ کا نتیجہ ہیں۔ یہ غالب آجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا گروہ مغلوب ہوجاتا ہے۔

جنگ کا محاذ

اس جنگ کا محاذ دل ہے روحانی جذبات کو آسمانی فرشتوں سے مدد ملتی ہے جو دین کے مددگار ہیں اور نفسانی خواہشات کو زمینی مردودوں سے مدد ملتی ہے جو شیطان ہیں صبر نفسانی خواہشات کے مقابلے میں روحانی جذبات پر ثابت قدم رہتا ہے۔ اگر یہ جذبہ طاقتور ہوکر نفسانی خواہشات کو مغلوب کرکے دین کے دشمنوں کو تباہ و برباد کردے اور اللہ کے لشکر کی مدد کرنے لگے تو ایسا شخص نیک لوگوں کے گروہ میں شامل ہوجاتا ہے لیکن اگر سستی کے باعث نفسانی خواہشات کا مقابلہ ترک کردے اور اللہ کے دشمنوں کے مقابلے میں ثابت قدمی اختیار نہ کرے تو ایسا شخص شیطان کے گروہ میں شامل ہوجاتا ہے۔

انسان سے ثابت ہونے والے کسی بھی قسم کے فعل یا ترک فعل کے گواہ دو فرشتے ہوتے ہیں جو تمام انسانی اقوال کو اور اعمال کو روحانی صحیفوں میں تحریر کرتے ہیں۔ ان صحیفوں کو دو مرتبہ کھولا جائے گا۔ ایک انسان کی موت کے وقت اور دوسرا قیامت کے دن۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ کِرَامًا کَاتِبِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ؏

''بے شک تم پر نگران مقرر ہیں جو معزز لکھنے والے ہیں اور جو تم کرتے ہو اس سے واقف ہیں۔''

اہل کشف کے نزدیک اس آیت میں مذکورہ بالا فرشتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن میں سے ایک کی ہدایت سے انسان ابدی سعادت حاصل کرتا ہے جبکہ دوسرے کی مدد سے دائمی بدبختی کے اسباب کو ختم کرتا ہے۔

جو امور ابدی سعادت کے حصول میں معاون ثابت ہوں ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اس نعمت کو درست مقام پر استعمال کرنا شکر ہے جبکہ شیطانی وسوسوں اور حملوں سے بچاؤ اور حق پر ثابت قدمی اختیار کرنے کا دوسرا نام صبر ہے۔ محققین صوفیاء کے نزدیک صبر اور شکر ایک ہی مقام کے دو نام ہیں کیونکہ اعتبارات کے اختلاف کے باعث ایک ہی چیز کے نام مختلف ہو جاتے ہیں۔

صبر و شکر کا تقابل

صبر اور شکر میں سے افضل کون ہے اس بارے میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے۔ فضیل بن عیاض، حسن بصری، سفیان ثوری، شیخ جنید بغدادی اور اکابر تابعین کے نزدیک صبر شکر سے افضل ہے جبکہ اہل رائے کے نزدیک شکر افضل ہے۔ شیخ ابن عطاء پہلے شکر کی افضلیت کے قائل تھے پھر آپ نے شیخ جنید بغدادی کے مذہب کی طرف رجوع کر لیا۔ بعض حضرات دونوں کو ایک ہی حقیقت کے دو نام سمجھتے ہیں جبکہ بعض دیگر حضرات کے نزدیک انسان کی شخصی حالت کے اختلاف کے باعث دونوں کا حکم بھی مختلف ہوگا۔ ہر فریق اپنے موقف کی تائید میں دلائل پیش کرتا ہے لیکن یہ سب مکمل طور پر حقیقت کو ظاہر نہیں کر سکتا۔

اس مسئلے کی حقیقت سمجھنے کے لیے دو اصولوں کا سمجھنا ضروری ہے۔

پہلا بنیادی اصول

پہلا اصول یہ ہے کہ اس مقام کو سادگی سے بیان کیا جائے اور اس بارے میں منقول آیات و احادیث کے صرف ظاہری معانی مراد لیے جائیں۔ تحقیق یا باریک بینی کی کوشش نہ

کی جائے۔ وعظ و نصیحت کرنے کے لیے یہی طریقہ بہتر ہے۔ کیونکہ اس صورت میں لوگوں کی سمجھ کے مطابق جو گفتگو کی جاتی ہے اور جو نکات ان کی سمجھ سے باہر ہوں انہیں زیر بحث نہیں لایا جاتا کیونکہ لوگوں کو نصیحت کرنے کا مقصد ان کے حال کی اصلاح ہوتا ہے۔ اس لئے ان کی ذہنی حالت کا خیال رکھنا ضروری ہے جیسے ماں شیر خوار بچے کو مختلف طرح کے عمدہ اور لذیذ کھانوں کے پاس جانے سے روکتی ہے کیونکہ وہ بچہ اپنی طبعی کمزوری کے باعث ان غذاؤں کی قوت برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لئے علماء کے لیے ضروری ہے کہ وہ عوام کو مخاطب کرتے ہوئے ان کی ذہنی صلاحیت کے مطابق گفتگو کریں۔

انبیاء کی سنت

حدیث: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

نحن معاشر الانبیاء امرنا ان نکلم الناس علی قدر عقولهم

''ہم انبیاء کو یہ حکم دیا گیا ہے ہم لوگوں کی عقل کے مطابق ان سے گفتگو کریں۔''

کیونکہ عام لوگوں کے ذہن اس شریعت کے ظاہری احکام کے ظاہری فوائد تک محدود رہتے ہیں۔ اکثر احادیث کے ظاہری مفہوم سے صبر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح شکر کی بہ نسبت صبر کی فضیلت میں منقول احادیث کی تعداد بھی کافی زیادہ ہے بلکہ بعض روایات میں صراحت کے ساتھ ایسے الفاظ موجود ہیں جو صبر کی شکر پر ترجیح پر دلالت کرتے ہیں۔

قیامت کے دن کا اجر

حدیث: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

یوتی یوم القیامة باشکر اهل الارض فیجز به الله تعالیٰ جزاء الشاکرین ویؤتی باصبر اهل البلاء فیقال له نرضی ان نجزیك کما جزینا هذالشاکر فیقول نعم یارب فیقول الله تعالیٰ لانعمت عبید فشکرد ابتلیك فصبرت لاضعفن لك الاجر علیه فیعطی

اضعاف جزاء الشاکرین۔

''قیامت کے دن دنیا کے سب سے زیادہ شکر گزار شخص کو حاضر کیا جائے گا اور اسے شکر کرنے والوں کی مانند اجر عطا کیا جائے گا۔ پھر سب سے زیادہ صبر کرنے والے کو لایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کیا تم اس بات سے راضی ہو کہ تمہیں شکر کرنے والے کی مانند اجر عطا کیا جائے۔ وہ عرض کرے گا جی ہاں اے میرے پروردگار! پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے اس شخص کو نعمت دی اور اس نے شکر کیا تمہیں آزمائش میں مبتلا کیا اور تم نے صبر کیا اب میں تمہیں دوگنا اجر عطا کروں گا پھر اس شخص کو شکر کرنے والے سے دوگنا اجر عطا کیا جائے گا۔''

ہر چہ از تو آید خوش بود　　خواہی شفاء خواہی الم
آرام جانم یادتست　　من فارغ ازشادی و غم

تیری طرف سے جو کچھ بھی ملے عمدہ ہے خواہ بیماری ہو یا تکلیف میرا آرام تمہاری یاد ہے میں خوشی اور غم سے بے نیاز ہوں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ

''صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا کیا جائے گا۔''

جنت میں داخلہ

حدیث: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ابواب الجنة کلها مصراعان الاباب الصبر فانه مصراع واحد اوّل من یدخله اهل البلاء امامهم ایوب علیه السلام

''جنت کے ہر دروازے کے دو پاٹ ہیں۔ صرف صبر کے دروازے کا ایک پاٹ ہے جس میں سے آزمائش کے شکار لوگ داخل ہوں گے اور ان کے پیشوا حضرت ایوب علیہ السلام ہوں گے''۔

اسی فقر کی فضیلت میں منقول روایات بھی صبر کی فضیلت کی دلیل ہے کیونکہ جس طرح شکر غنا سے متعلق ہے اسی طرح صبر فقر سے متعلق ہے۔

تقابل کا دوسرا پہلو

دوسرا اصول یہ ہے کہ کوئی سی دو مبہم چیزوں کے درمیان موازنہ کے لیے ان کے افراد اور اکائیوں کو ایک دوسرے کے سامنے رکھ کر ان کا تقابل کیا جاتا ہے تاکہ کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دی جاسکے۔ تمام دینی مقامات میں تین اکائیاں مشترک ہیں۔ علم، حال اور عمل۔ صبر اور شکر میں بھی یہی تین اکائیاں پائی جاتی ہیں جب صبر اور شکر کی ان اکائیوں کا ایک دوسرے سے موازنہ کیا جاتا ہے تو کبھی یہ ایک دوسرے کے برابر ہوتی ہیں اور کبھی ان کے درمیان فرق پایا جاتا ہے۔ مثلاً علوم کے حقائق کی اکائیوں کے درمیان فرق موجود ہے۔ ان اکائیوں میں سب سے بلند اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے جو انسان کی سعادت اور روحانی نعمتوں کی انتہا ہے۔ باقی تمام علوم اسی علم سے متعلق ہیں بعض کا تعلق صرف ایک واسطے کے ساتھ ہے جیسے تفسیر و حدیث اور بعض علوم اس علم سے کئی واسطوں سے متعلق ہوتے ہیں۔ یہ واسطے جتنے کم ہوں گے وہ علم اتنا ہی فضیلت والا ہوگا۔ احوال اور اعمال کا بھی یہ حکم ہے کیونکہ حال سے مراد ایک ایسی کیفیت ہے جو دل کی توجہ مخلوق سے ہٹا دے اور دل کو اس قابل بنا دے کہ وہ روحانی تجلیات اور واردات کو قبول کر سکے۔ جیسے لوہار آئینہ بنانے کیلئے اسے توڑتا، پگھلاتا، ڈھالتا، گول کرتا، اس کی سطح صاف کرتا اور اسے صیقل کرتا ہے اور اسی طرح کے بعض دیگر امور سرانجام دیتا ہے۔ اسی طرح جو عمل بھی صیقل کرنے کے زیادہ قریب ہوگا وہ دوسرے اعمال سے اتنا ہی زیادہ بہتر ہوگا۔ دل کی حالت بھی اسی طرح ہے جو حالت دل کی صفائی کے زیادہ قریب ہوگی وہ دوسری حالت سے اتنی ہی زیادہ بہتر ہوگی۔

اعمال کے اثرات

اعمال دل پر نہایت شدید اثر کرتے ہیں۔ ان کا اثر دو طرح کا ہوگا۔ ایک یہ کہ کسی عمل کی تاثیر کے باعث انسان کا دل سیاہ ہو جائے اور دنیا کے مال و اسباب کی طرف مائل ہو کر مکاشفات کے انوار کی لذت سے محروم رہ جائے۔ ایسا عمل گناہ کہلائے گا۔ دوسری طرح کا

عمل وہ ہوگا جس کی بدولت دل دنیا سے بے رغبت ہو جائے اور اس قدر صاف ہو جائے کہ مکاشفات کے انوار کو حاصل کر سکے۔ ایسے عمل کو نیکی کہتے ہیں۔ گنا اور نیکی کے یہ اثرات احوال کے اختلاف کے باعث مختلف درجوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔

جب یہ اصول واضح ہوگیا تو اب یہ بات جان لیں کہ جب صابر اور شاکر کی معرفت کا موازنہ کیا جائے گا تو کبھی کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل ہوگی اور کبھی ایک ہی حقیقت کی طرح رجوع کے باعث دونوں کا حکم یکساں ہوگا مثلاً صبر کبھی نیکی کے باعث ہوگا اور کبھی گناہ سے بچنے کی صورت میں ہوگا اور اس مقام پر صبر اور شکر یکساں ہوں گے کیونکہ نیکی کے کام پر صبر کرنا شکر کے مترادف ہے۔ لہٰذا نیکی کی صورت میں صبر اور شکر لازم وملزموم ہوں گے اور دو مختلف اعتبارات کے باعث یہاں ایک ہی چیز کے دو مختلف نام ہوں گے۔ کیونکہ شکر کا مطلب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کا صحیح استعمال ہے اور صبر سے مراد شر کے مقابلے میں خیر پر ثابت قدم رہنا ہے لہٰذا اس مقام پر یہ دونوں ایک ہی حقیقت کے دو مختلف نام ہیں اور کسی چیز کو خود اسی پر فضیلت دینا نہیں ہے لہٰذا یہاں دونوں کا مقام ومرتبہ یکساں ہوگا۔

شکر کی صبر پر فضیلت

بعض اوقات شکر کو صبر پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کسی نابینا کا صبر یہ ہے کہ وہ شکوہ وشکایت نہ کرے اور اللہ کی رضا پر راضی رہے اور نابینا ہونے کے باعث شرعی احکام پر عمل کرنے میں کاہلی وسستی کا مظاہرہ نہ کرے۔ دوسری طرف بینا شخص کا بینائی پر شکر یہ ہے کہ وہ آنکھ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں سے بچائے رکھے اور صرف نیکی کے کاموں میں استعمال کرے۔ یہ دونوں امور صبر کے بغیر ممکن نہیں ہیں۔ اب یہاں صبر شکر کی حقیقت میں داخل ہوگیا ہے اور وہ دونوں مل کر ایک حقیقت بن گئے ہیں۔ اب اگر بینا آدمی مذکورہ بالا دونوں امور کا لحاظ کرتے ہوئے کائنات میں موجود اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں پر غور وفکر کرنا شروع کر دے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ

''ہم عنقریب انہیں آفاق میں اور خود ان کے اندر اپنی آیات دکھائیں گے

یہاں تک کہ ان کے لیے یہ بات واضح ہو جائے کہ (یہ قرآن) واقعی حق ہے۔''

اب وہ بینا اسرار الٰہی سے فیض یاب ہوگا اور اس مشاہدے کے باعث قرب الٰہی کی دولت حاصل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت اسے کھینچ کر دریائے وحدت تک لے جائے گی۔ اس بینا آدمی کا شکر نابینا کے صبر سے کئی درجے بہتر ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت شعیب علیہم السلام کے درجات، حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درجات سے بلند ہوں۔ نیز اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو اصل کمال اس وقت نصیب ہوگا جب اس کے تمام اعضاء چھن جائیں گے اور یہ محال ہے کیونکہ تمام اعضاء آخرت میں سعادت و کامیابی کے حصول کے لیے آلہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بہر حال یوں شکر کو صبر پر فضیلت حاصل ہوگی۔

صبر کی شکر پر ترجیح

صبر کو شکر پر ترجیح دینے کی صورت یہ ہوگی کہ کوئی غنی شاکر اپنے مال کو گناہ کے کام میں استعمال نہ کرے بلکہ جائز آرام اور راحت کے حصول کے لیے صرف کرے۔ اس کے مقابلے میں فاقے کی تکلیف میں صبر کرنے والا فقیر بہتر ہے کیونکہ وہ نہایت تنگدستی کے عالم میں راضی و برضا رہتے ہوئے مصیبت کا سامنا کرتا ہے۔ البتہ دوسری طرف جو غنی اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے لیے استعمال نہیں کرتا وہ بھی ایک طرح سے صبر کرتا ہے لیکن وہ قوت جو صبر کرنے والوں کے صبر کا باعث ہے اس کی بدولت ایمان کے نور میں اضافہ ہوتا ہے اور جو خوبی ایمان کو جتنا زیادہ مضبوط کرتی ہے وہ اتنی ہی زیادہ افضل ہوتی ہے۔

ان تمام حقائق پر غور کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ تمام اہل علم کی آراء جزوی طور پر درست ہیں۔

صبر سے مراد کیا ہے؟

معزز قارئین! صبر و شکر کے درمیان فضیلت کی بحث آپ نے ملاحظہ کرلی اب یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ صبر سے مراد دینی جذبے پر ثابت قدمی کا ظہار ہے۔ نفسانی

خواہشات کی مخالفت اور نیکی پر ثابت قدمی کی یعنی صبر کی قوت وضعف کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ دینی جذبہ نفسانی خواہشات کو اس طرح مغلوب کر دے کہ نفسانی خواہشات اس کے مقابلے میں ٹھہر نہ سکیں۔ یعنی دینی جذبے کو حق کے دشمن یعنی شیطانی گروہ پر فتح حاصل ہو جائے اور جسم کے شہر سے ہوا و ہوس کو بے داخل کر دیا جائے۔ یہ فتح دائمی صبر کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اس لئے بزرگ کہا کرتے ہیں:

مَنْ صَبَرَ ظَفَرَ

''جس نے صبر کیا وہ کامیاب ہوگیا۔''

فتح کی یہ کیفیت معرکہ ولایت کے مجاہدین اور بارگاہ عنایت کے مقربین کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ جو لوگ ساری عمر استقامت کے کوچے میں بسر کر دیتے ہیں ان ہی لوگوں کو کرامت کی خلعت سے سرفراز کیا جاتا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جنہیں آخرت میں خوف اور غم سے نجات کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی کیفیت اور انجام کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ

''بے شک جو لوگ یہ اعتراف کرلیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں ان پر فرشتے نازل ہو کر یہ خوشخبری دیں گے خوف زدہ اور غمگین نہ ہونا اور اس جنت کی خوشخبری قبول کرو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔''

کمیاب لوگ

اس بلند مقام سے تعلق رکھنے والے حضرات نہایت نادر اور کم یاب ہوتے ہیں۔ ہر زمانے میں گنتی کے چند ہی افراد اس مقام تک پہنچتے ہیں لیکن بدنصیب لوگ انہیں بھی پہچان نہیں پاتے بلکہ الٹا ان کی نصیحت اور رہنمائی سے دور بھاگتے ہیں۔ ان کامل لوگوں کے آثار

وفا ناقص لوگوں کو تیغ جفا نظر آتے ہیں اور جب یہ حضرات پوری ثابت قدمی کے ساتھ ظلم برداشت کرتے ہوئے حق کی راہ سے کنارہ کش نہیں ہوتے تو انہیں دیکھ کر راہ سلوک کے طالبان کا یقین مزید پختہ ہو جاتا ہے۔ ان کی غیرت کی آگ کو ارادت سے گزرنے والے غافل سالکین کے تانبے کو ریاضت کی بھٹی میں پگھلا دیتی ہے اور اس تانبے کو اکسیر ہدایت بنا دیتی ہے۔ ان رہنما لوگوں کی ہدایت کے انوار نقصان کے جنگلات میں بھٹکنے والوں کو کمال کے بلند مقام تک پہنچا دیتے ہیں اور ان واصلان حق کی عنایت کے اثرات فراق کے جنگل میں گھومنے والے پیاسوں کو وصال کے آب حیات سے سیراب کرتے ہیں۔

زیں خرابی گر تو می خواہی کہ آبادے شوی　　جہد کن تابندہ فرمان آزادے شوی
دل پرنور مردے جائے گیر دغم مخور　　گر دل پرنور او ناگاہ دل شادے شوی
در وفائے کاملاں چوں کوہ کن ثابت قدم　　ورنہ اندر راہ شان چوں کاہ بربادے شوی

''اگر تم اس ویرانی سے نجات حاصل کر کے آباد ہونا چاہتے ہو تو یہ کوشش کرو کہ کسی آزاد کے فرمان کے تابع بن جاؤ کسی مرد کامل کے پرنور دل میں جگہ حاصل کرلو اور پھر غمگین نہ ہو کیونکہ اس کے پرنور دل کے باعث تمہارا دل بھی خوش ہو جائے گا۔ کامل لوگوں کے ساتھ تعلق قائم رکھنے میں پہاڑ کی مانند ثابت قدم رہو ورنہ تم ان کے راستے میں گھاس کی طرح روند دیئے جاؤ گے۔''

نفسانی خواہشات کا غلبہ

دوسری حالت یہ ہے کہ نفسانی خواہشات اس قدر غالب ہو جائیں کہ دینی جذبہ اس کے مقابل ٹھہرنے کے قابل نہ رہے اور دینی سعادت کے حصول کے تمام اسباب ناکارہ ہو جائیں۔ انسان اپنے نفس کی لگام شیطان کے ہاتھ میں دے دے اور جن کے دشمن یعنی شر کے جذبات جسم کے شہر پر قابض ہو جائیں اور اللہ کا گروہ یعنی دینی جذبات حق کے ان دشمنوں کا مقابلہ کرنے سے مایوس ہو جائیں۔ عام مخلوق کی یہی کیفیت ہے۔ یہ لوگ جہالت کے جنگلوں میں بھٹک رہے ہیں اور غفلت کے صحرا میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ ان کے آلودہ ذہن نفسانی خواہشات کے غلام ہیں اور ان کے نفس دنیا کے مال و دولت کے اسیر ہیں۔

نفسانی خواہشات نے ان کے دین کے گھر کو ڈھا دیا ہے اور جسمانی لذات نے انہیں محرومی کے گڑھے تک پہنچا دیا ہے۔ یہ نفس کے فریب میں آ کر سعادت کے راستے سے دور جا چکے ہیں اور شیطان کے فریب کا شکار ہو کر بدنصیبی کے صحرا میں بھٹک رہے ہیں۔ ان کے آلودہ ذہن دینی حقائق سے ناواقف ہیں اور کوئی شرعی تنبیہہ ان پر اثرانداز نہیں ہوتی۔ ان کی نالائقی کے باعث اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں نصیحت کرنے سے منع کیا ہے۔

فَاَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ

''جو شخص ہمارے ذکر سے منہ پھیر چکا ہو تم بھی اس سے اعراض کرو (کیونکہ وہ) صرف دنیاوی زندگی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ان لوگوں کا مبلغ علم صرف یہی ہے۔''

ایسے بدنصیب لوگوں کی نشانی یہ ہے کہ یہ اپنے ذہنوں کو نفسانی خواہشات کی تکمیل کے حیلے اور بہانوں کی تلاش میں مشغول رکھتے ہیں۔ مگر اس بات کا اعتراف نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے۔ اس نے ہمارا جو نصیب مقرر کیا ہے وہ ہمارے کسی حیلے کے بغیر مل کے رہے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا

زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔

اگر کوئی نصیحت کرنے والا انہیں نیکی کی ترغیب دے تو یہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ بڑا غفور و رحیم ہے۔ درحقیقت ان لوگوں نے دینی جذبے کو شیطانی اثرات کے سپرد کر دیا ہے۔

مثال کے ذریعے وضاحت

اس گروہ کی مثال اس شخص کی مانند ہے جو کسی مسلمان کو کسی کافر کی قید میں ڈال دے بلکہ یہ وہ بدنصیب شخص ہے جس نے ایک عظیم ترین نعمت کو دشمن کے حوالے کر دیا ہے چونکہ

نفسانی خواہشات ساری مخلوق میں اللہ کی سب سے بڑی دشمن ہیں جبکہ عقل روح زمین کی عظیم ترین چیز ہے۔

گر سگ نفس تو بفرمان تست　　پس بہ یقین داں کہ بہشت آن تست
دشمن تست ایں سگ واز سگ بدتر　　عشوہ دشمن توازیں بس فخر
از جرس صبر بر آور عزیو　　بندہ دیں باز نہ مزدور دیں
سرز ہوا تا از سروری است　　ترک ہوا سنت پیغمبری است

''اگر نفس کا کتا تمہارا فرمانبردار ہو تو پھر اس بات کا یقین کرلو کہ بہشت تمہارا مقدر ہے۔ یہ کتا تمہارا دشمن ہے بلکہ یہ کتے سے بھی بدتر ہے۔ اپنے اس دشمن کا کہنا نہ مانو۔ صبر کی گھنٹی کے ذریعے شور کرو اور دینی آدمی بن جاؤ۔ شیطان کی پیروی نہ کرو۔ نفسانی خواہشات سے منہ پھیر لینے میں ہی عظمت ہے اور انہیں ترک کرنا انبیاء کی سنت ہے۔''

متوسط طبقے کے لوگ

راہ سلوک سے تعلق رکھنے والے متوسط طبقے کے لوگ شیطان اور نفسانی خواہشات کے خلاف لگاتار جدوجہد میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ نہ تو مکمل طور پر فتح پاتے ہیں اور نہ ہی جسم کے شہر کو دشمن کے حوالے کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ

''دوسرے لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور نیک اور برے دونوں طرح کے عمل کیے شاید اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے۔''

یعنی یہ لوگ نفسانی خواہشات کے خلاف مسلسل جنگ میں مصروف رہتے ہیں اور برائیوں کے زہر کے توڑ کے لیے عبادات کا تریاک استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں بخشش عطا کر کے اپنی رحمت کے سائے میں ڈھانپ لے گا۔

دینی جذبے کا غلبہ

دینی جذبہ کے غلبہ کی صورت میں قوت وضعف کے اعتبار سے اس کی دو حالتیں ہوں گی۔

پہلی حالت یہ ہے کہ دینی جذبہ مکمل طور پر نفسانی خواہشات کو شکست دے اور انسانی جسم گناہوں کی تمام آلائشوں سے پاک ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ وقتی یا جزوی طور پر غلبہ حاصل ہو یعنی بعض گناہوں سے بچ سکے او بعض گناہوں سے نہ بچ سکے جیسے کوئی شخص زنا ترک کر دے لیکن شراب نوشی ترک نہ کر سکے یا جھوٹ بولنا ترک کر دے لیکن غیبت ترک نہ کر سکے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ صبر کرنے والوں کے افعال پر صبر کے قوی وضعیف ہونے کے اعتبار سے ان کے درمیان درجات کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔

انسانی افعال کی دو قسمیں ہیں۔ نیکی اور گناہ

نیکی کی بھی دو قسمیں ہیں فرض اور نفل۔

گناہ کی بھی دو قسمیں ہیں حرام اور مکروہ۔

فرائض کی تکمیل کے لیے صبر کرنا فرض ہے اسی طرح حرام سے بچنے کے لیے صبر کرنا بھی فرض ہے۔

نوافل کی ادائیگی یا مکروہات سے بچنے کے لیے صبر کرنا مستحب ہے۔

مکروہ کے نتیجے میں پیش آنے والی تکلیف پر صبر کرنا مکروہ ہے اور حرام کے نتیجے میں پیش آنے والی تکلیف پر صبر کرنا حرام ہے۔ صبر کی یہ دونوں قسمیں قابل مذمت ہیں۔

(اصول یہ ہے) عبادت کی طرح معصیت میں بھی صبر کی ضرورت پیش آتی ہے۔

مطیع کی تین حالتیں

مطیع کی تین حالتیں ہیں اور وہ ان تینوں حالتوں میں صبر کا محتاج ہے۔

پہلی حالت کا تعلق عمل سے پہلے وقت کے ساتھ ہے۔ اس وقت صبر کی ضرورت اس طرح پیش آئے گی کہ نیت درست کی جائے۔ اخلاص قائم رکھا جائے۔ ریا کاری سے بچا

جائے اور عزم کو مضبوط رکھا جائے جو صوفیاء و علماء سنت، اخلاص اور ریا کاری سے متعلق باریکیوں سے آگاہ ہوتے ہیں وہ اس کیفیت کے مالک ہوتے ہیں اور یہ صبر کی سب سے مشکل قسم ہے اس لئے نبی کریم ﷺ نے اعمال کی جزا کا مدار نیت کو قرار دیا ہے۔ ارشاد رسول ﷺ ہے:

انما الاعمال بالنیات ولکل امری مانوی

''اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق اجر ملے گا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

''مگر لوگ جنہوں نے صبر کیا اور نیک اعمال کیے۔''

اس آیت کریمہ میں نیک اعمال سے پہلے صبر کا تذکرہ کیا گیا ہے جو ہماری بات کی صحت کی طرف اشارہ ہے۔ دوسری حالت کا تعلق عمل کے ارتکاب کے وقت کے ساتھ ہے یعنی انسانی عمل کرتے وقت تمام شرائط و آداب کے ہمراہ خشو و خضوع کا خیال رکھے اور کاہلی یا عدم توجہی سے گریز کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِیۡنَ الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا

''صبر کرنے والے عاملین کے لیے بہترین اجر ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں عمل کے دوران صبر کرنے والوں کے لیے خوشخبری موجود ہے۔

حدیث: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اتمام المعروف خیر من ابتدائه

''نیکی کے آغاز کی بہ نسبت اس کی تکمیل بہتر ہے۔''

تیسری حالت کا تعلق عمل سے فراغت کے بعد ساتھ ہے یعنی انسان خود پسندی، ریا کاری اور شہرت کا طالب نہ ہو کیونکہ ان اعمال کے ذریعے اجر و ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

ان الله تعالٰی یقول للعباد یوم القیامة الم تکونوا تبد وان

بالسلام الم تکونوا تقضی لکم الحوائج لاجرلکم الیوم فقد استوفیتم اجور کم

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ (ریاکار) عبادت گزاروں سے فرمائے گا کیا تم تعریفوں کے لیے عبادت نہیں کرتے تھے یا اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے ایسا نہیں کرتے تھے۔ تم نے (دنیا میں) اپنا پورا اجر حاصل کرلیا۔ آج تمہیں کوئی اجر نہیں ملے گا۔''

انسان کے افعال کی دوسری قسم گناہ ہے اور اس قسم میں بھی انسان صبر کا محتاج ہے یعنی گناہ کے اسباب اور دعوت گناہ دینے والے امور کی پیروی سے صبر کرنا نفسانی خواہشات کو دبانا یہ کامل پرہیزگار لوگوں کا شیوہ سلوک ہے۔

مہاجر کون ہے

حدیث: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

المهاجر من هجر السوء والمجاهد من جاهد هواه

''مہاجر وہ ہے جو برائی سے دور ہوجائے اور مجاہد وہ ہے جو خواہش نفس سے جہاد کرے۔''

صبر کی مشکل قسم

صبر کی سب سے مشکل قسم یہ ہے کہ کسی گناہ والی مرغوب عادت سے پیچھا چھڑانا، شیطان اس معاملے میں انسان کو بہت جلد بہکا دیتا ہے اور دینی جذبہ انسان کو روک نہیں پاتا اگر گناہ کی اس عادت کے اسباب مہیا ہوں اور اس کے ارتکاب میں بظاہر کسی ضرر کا اندیشہ نہ ہو جیسے جھوٹ، چغلی، غیبت، ریاکاری تو اس طرح کے گناہ کے ارتکاب سے کوئی انتہائی نیک شخص ہی بچ سکتا ہے۔

اس طرح کے گناہوں میں سب سے شدید گناہ غیبت ہے کیونکہ غیبت کے نتیجے میں دو طرح سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کی تحقیر ہوتی ہے اور دوسرا اپنی ذات نمایاں ہوتی ہے اور ان دونوں لذات کے اجتماع کے باعث انسان کے لیے زبان کو حرکت دینا

آسان ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کے غیبت انسان کی عادت بن جاتی ہے اور اس سے صبر کرنا نہایت مشکل ہوجاتا ہے بلکہ اس گناہ کے ارتکاب کی کثرت کے باعث اس سے انس پیدا ہوجاتا ہے اور انسان اسے کوئی گناہ یا برائی نہیں سمجھتا۔ یہاں تک کہ علماء وفقہاء کی مجلس میں ریشمی کپڑا پہننا ناممکن ہوگا مگر ان کی مجالس میں عام طور پر غیبت اور چغلی کا عام رواج ہوتا ہے اور یہ حضرات اس پر گرفت یا اعتراض نہیں کرتے۔

حدیث: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الغیبة اشد من الزنا

''غیبت زنا سے زیادہ شدید (گناہ) ہے۔''

جو آدمی لوگوں سے ملاقات کے درمیان غیبت اور جھوٹ سے نہیں بچ سکتا اس پر اکیلے رہنا واجب ہے کیونکہ لوگوں کے ساتھ ملاقات کے دوران خاموش رہنے کی بہ نسبت تنہائی کی وحشت پر صبر کرنا آسان ہے۔ نیز دوزخ کی آگ کی بہ نسبت تنہائی پر صبر کرنا زیادہ آسان ہے۔ زبان پر صبر کرنے کی بہ نسبت خیال پر صبر کرنا آسان ہے اور یہ آفت خلوت میں زیادہ ہوجاتی ہے۔ اس طرح کے جذبات کو نیک کاموں کی کثرت کے ذریعے ختم کیا جاسکتا ہے یا پھر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اپنے خاص فضل کے باعث کسی شخص کو ان تمام برائیوں سے نجات دلا دیتا ہے۔

صبر کی ممنوع قسم

صبر کی ممنوع قسم یہ ہے کہ کسی گناہ کے باعث پہنچنے والی تکلیف پر صبر کیا جائے جیسے کوئی شخص کسی کی بیوی کو ورغلانے کی کوشش کرے اور اس کا شوہر اس بات پر صبر کرے یا کوئی شخص کسی کو قتل کرنا چاہئے اور وہ دوسرا شخص بچاؤ کی قدرت رکھنے کے باوجود اپنا بچاؤ نہ کرے تو اس ظلم پر صبر کرنا حرام ہے اور ایسا صبر کرنے والا گنہگار ہوگا کیونکہ شرعی احکام کی خلاف ورزی پر صبر نہیں کیا جاسکتا۔

شرعی احکام صبر کے لیے کسوٹی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا صبر ہر حال میں نصف ایمان ہوگا۔

زندگی کی حالت

معزز قارئین! یہ بات جان لیں کہ انسان کی ظاہری زندگی کی دو حالتیں ہیں۔ زندگی میں جو بھی صورتحال درپیش ہو وہ یا تو نفس کو مرغوب ہوگی یا اسے ناپسند ہوگی۔

جو صورتحال نفس کو مرغوب ہو اس میں صحت، سلامتی، مال، عزت وغیرہ شامل ہیں اور انسان ان سب میں صبر کا محتاج ہے کیونکہ یہ بات انسان کی فطرت میں شامل ہے کہ جب نفس کے جانور کو خواہشات کی چراگاہ میں بے لگام چھوڑ دیا جائے تو یہ سرکشی اور نافرمانی پر اتر آتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی

''بے شک جب انسان خود کو غنی دیکھتا ہے تو سرکشی پر اتر آتا ہے۔''

اسی لئے بعض صوفیاء کے نزدیک تکلیف پر ہر مسلمان صبر کرسکتا ہے لیکن نعمت پر صبر کرنا صدیقین کی خصوصیت ہے۔ جب اسلامی سلطنت کی حدود پھیلنے لگی اور عراق، مصر وشام فتح ہوگئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہاں کے معاملات حکومت کی نگرانی شروع کی تو اکثر یہ کہا کرتے تھے:

''جب ہمیں تکلیف وتنگی کی آزمائش میں مبتلا کیا گیا تو ہم نے صبر کیا اور جب ہمیں فراخی کی حالت میں مبتلا کیا گیا تو ہم صبر نہ کرسکے۔''

اس لئے اللہ تعالیٰ نے مال اور اولاد کی آزمائش سے بندوں کو ڈرایا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

''ایسا نہ ہو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے روک دیں۔''

چونکہ اکثر لوگ اس آفت کا شکار ہوجاتے ہیں اس لئے ان کی تنبیہ کے لیے ارشاد ربانی ہے:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ
''کثرت تمہیں غافل نہ کردے یہاں تک کہ تم قبر کی زیارت کرو۔'' (یعنی موت کے قریب پہنچ جاؤ)''۔

فانی دنیا

درحقیقت مردوہ ہے جو فانی دنیا کا کھیل بچوں کی طرح نہ کھیلے اور فراخی ونعمت کو اللہ کی نافرمانی کا وسیلہ نہ بنائے۔ وقتی راحت وشادمانی کے باعث سرکشی کے جنگل میں ہلاکت کا شکار نہ ہو اور شرعی احکام کی پابندی میں صبر سے کام لے۔

دنیا اور اس کی رعنائیوں پر فریفتہ نہ ہو اور فانی لذات میں کھو نہ جائے اور اس بات کا یقین کرلے کہ دنیا میں جو مال واسباب اسے حاصل ہے وہ سب ایک امانت ہے اور وقت عنقریب اس امات میں تصرف سے اسے روک دے گا جس کے بعد وہ یا تو اس سے جدائی کی حسرت کے عذاب کا سامنا کرے گا یا ابدی سعادت حاصل کرلے گا لیکن یہ سعادت اس شخص کو حاصل ہوگی جو اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا اور اپنے جسم کو اللہ کی عبادت میں مشغول رکھے گا۔ خلق خدا کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے پیش آئے گا، سچ بولے گا، نصیحت قبول کرے گا اور حقائق سمجھنے کی کوشش کرے گا۔

مختصر یہ کہ خوشحالی میں نفس کو قدرت کے باوجود اللہ کی نافرمانی سے روکنا فقر وفاقہ کی تکلیف پر صبر کرنے سے زیادہ مشکل ہے جیسے کوئی عمدہ اور لذیذ کھانا سامنے ہونے کی بہ نسبت اس کی عدم موجودگی میں صبر کرنا آسان ہوتا ہے اسی لئے کسی دانا کا قول ہے:

''گناہ سے بچنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تمہیں گناہ کی قدرت ہی حاصل نہ ہو۔''

ناگوار صورتحال

زندگی میں پیش آنے والی دوسری قسم کی صورتحال وہ ہے جو نفس کو ناگوار ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم کا تعلق ان امور کے ساتھ ہے جو بندے کے اختیار سے متعلق ہوں جیسے نیکی

اور گناہ کے مختلف کام۔

دوسری قسم کا تعلق مصائب اور تکالیف کے ساتھ ہے۔اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم میں وہ مصائب شامل ہیں جو انسان کے اختیار سے باہر ہوں لیکن پیش آنے کے بعد ان سے علیحدہ ہوں۔اس میں انتقام لینا شامل ہوگا۔

صبر کی اقسام

مصائب کی دوسری قسم وہ ہے جو کسی بھی اعتبار سے اسان کے اختیار میں نہ ہو جیسے بیماری، مالی پریشانی وغیرہ۔پہلی قسم کی مثال ہم یوں دے سکتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کو جانوی یا مالی تکلیف پہنچائے یا گالی وغیرہ دے اس صورت میں دوسرے شخص کے لیے صبر کرنا کبھی واجب ہوتا ہے اور کبھی فضیلت کا باعث ہوتا ہے۔

ایسی صورت میں صبر اس وقت واجب ہوگا جب نقصان پہنچانے والا اس کا والد، استاد (یا اسی مرتبے کا کوئی شخص) ہو ایسی صورت میں معاف کرنا واجب ہے۔

فضیلت والے صبر کی صورت یوں ہوگی کہ نقصان پہنچانے والا اس کا ہم مرتبہ یا کم تر حیثیت کا مالک ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تعلیم کے لیے اپنے حبیب کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا

''ان کی بکواس پر صبر کرو اور بہتر طریقے سے ان سے جدا ہو جاؤ۔''

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک دیہاتی نے اٹھ کر کہا کہ یہ تقسیم اللہ کی رضا کے خلاف ہے۔یہ سن کر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا لیکن آپ ﷺ نے صرف اتنا کہا کہ:

''اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ پر اپنا فضل کرے انہیں اس سے زیادہ ایذاء پہنچائی گئی مگر انہوں نے صبر کیا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے:

''جو شخص ایذاء پر صبر نہیں کرتا ہم اسے کامل مومن نہیں سمجھتے۔''

ایک مرتبہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے سامنے عمدہ اخلاق پر گفتگو کر رہے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا (تمہارے نزدیک) عمدہ اخلاق کا بنیادی اصول کیا ہے۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے عرض کیا: ''جو آپ سے جدا ہونا چاہے آپ اس سے ملیں جو آپ کو محروم رکھے آپ اسے عطا کریں اور جو آپ کے ساتھ زیادتی کرے آپ اسے معاف کر دیں۔''

مصائب کی دوسری قسم جو انسان کے خیال سے باہر ہے ان میں عزیزوں اور دوستوں کی موت، مالی نقصان، بیماری اور دیگر تکالیف شامل ہیں۔ ان پر صبر کرنا نہایت نیک کام ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں قرآن مجید میں صبر کے تین مراتب بیان کیے گئے ہیں۔

(i) اس کا پہلا مرتبہ فرائض کی ادائیگی میں استقامت ہے اور اس کے تین سو درجات ہیں۔

(ii) دوسرا مرتبہ حرام سے بچنے پر استقامت ہے اور اس کے چھ سو درجات ہیں۔

(iii) تیسرا مرتبہ کسی دکھ یا تکلیف کے پیش آنے پر فوراً صبر کرنا ہے۔ اس کے نو سو درجات ہیں۔

صبر کی یہ تیسری قسم کا تعلق فضیلت کے ساتھ ہے جبکہ پہلی دونوں قسمیں فرض ہیں کیونکہ ہر مسلمان فرائض کی ادائیگی یا حرام سے بچاؤ پر صبر کر سکتا ہے لیکن کسی تکلیف کے پیش آنے پر فوراً صبر کرنا صرف انتہائی پرہیزگار لوگوں کی خصوصیت ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی دُعا

اسی لئے نبی کریم ﷺ نے یہ دعا کی ہے:

اللھم انی اسئلک من الیقین ماتھون بہ علی مصائب الدنیا

''اے اللہ میں تجھ سے اس یقین کا سوال کرتا ہوں جس کے باعث میرے لئے دنیا کے مصائب کا سامنا کرنا آسان ہو جائے۔''

فرمانِ الٰہی

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

يقول الله تعالىٰ اذا ابتليت عبدی ببلاء فصبرو لم يشكنی الی عوادہ ابدلته لحماخيرامن لحمه ودماخيرامن دمه فان ابراته ابراته ولاذنب له وان توفيته فالی رحمتی اوصلته

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں اپنے کسی بندے کو آزمائش میں مبتلا کروں اور وہ صبر کرے اور لوگوں کے سامنے میری شکایت نہ کرے تو میں اس کے گوشت سے بہتر گوشت بنا دیتا ہوں اور اس کے خون سے بہتر خون پیدا کر دیتا ہوں پھر اگر میں اسے گناہوں سے بری کرنا چاہوں تو اس طرح بری کروں گا کہ اس کا کوئی گناہ نہیں ہوگا اور اگر میں اسے موت دے دوں تو اسے اپنی رحمت تک پہنچا دوں گا۔

ایک روایت کے مطابق حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا۔

''اے میرے پروردگار! تیری رضا کی خاطر مصیبت پر صبر کرنے والے غمگین شخص کی جزا کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی جزا یہ ہے کہ میں اسے ایمان کا لباس پہناؤں گا جو اس سے کبھی جدا نہیں ہوگا۔''

مصیبت پر صبر

معزز قارئین! مصیبت پر صبر کرنے کے تین درجے ہیں۔

(i) پہلا درجہ یہ ہے کہ صابر کی طبیعت کو مصیبت ناگوار ہو لیکن گریبان پھاڑنے، رخسار پیٹنے اور شکایت کے اظہار میں مبالغے کی صورت میں اس ناگواری کا اظہار نہ کرے بلکہ مصیبت کے اظہار کے باعث خود کو نمایاں کرنے کی کوشش نہ کرے۔ یہ تمام امور اس کے اختیار میں ہیں اگر وہ اس سے بچ جاتا ہے تو طبیعت کی الجھن جو اس کے اختیار سے باہر ہے اس کے باعث اللہ تعالیٰ اسے صبر کرنے والوں کے درجے سے نہیں گرائے گا۔

رحم کی فضیلت

مستند روایات کے مطابق جب نبی اکرم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا

انتقال ہوا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ ﷺ نے ہمیں اس بات سے منع نہیں فرمایا:

تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان هذه رحمةٌ من الله انما يرحم الله من عباده الرحماء

''یہ اللہ کی عطا کردہ نعمت ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے رحم دل بندوں پر ہی رحم کرتا ہے۔''

(ii) مصیبت پر صبر کرنے کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان صبر کے نتیجے میں حاصل ہونے والی اخروی نعمتوں پر غور کر کے اپنی مصیبت اور اس عظیم نعمت کا تقابل کرے تو مشاہداتی طور پر وہ اس تکلیف کو برداشت کرنے پر راضی ہو جائے گا۔ اس کی مثال اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص ایک سکے کے عوض کوئی قیمتی موتی دینے کا وعدہ کرے تو دوسرے شخص کو اس وعدے پر یقین ہو تو وہ قیمتی موتی کے حصول کی خاطر سکہ دینے پر راضی ہو جائے گا اور اسے کوئی ناگواری محسوس نہیں ہو گی۔

(iii) مصیبت پر صبر کرنے کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت بندے کے شامل حال ہو اور انسان صرف اپنے پروردگار پر راضی رہتے ہوئے اس مصیبت پر صبر کرے۔ یہ کیفیت صدیقین کی خصوصیت ہے۔ پہلی کیفیت طالبان سلوک کی ہے اور دوسری کیفیت کا تعلق زاہد لوگوں کے ساتھ ہے۔ کسی بھی طالب کے لیے سب سے بہتر یہی ہے کہ وہ پورے صبر اور استقامت کے ساتھ شرعی احکام کی پابند کرتا رہے۔

ذہن میں شیطانی خیالات اور وسوسے پیدا ہونے کی مثال یوں دی جا سکتی ہے جیسے برتن میں سے ہوا گزرتی ہے۔ اگر برتن پانی سے بھرا ہوا ہو تو وہاں نہیں ٹھہر سکتی لیکن برتن کا جتنا حصہ خالی ہو گا ہوا کسی رکاوٹ کے بغیر وہاں ٹھہر جائے گی۔ اسی طرح وہ دل جو معارف ربانی سے بھرا ہوا ہو اس میں شیطانی وسوسے داخل نہیں ہو سکتے لیکن دل جتنا زیادہ معارف دین سے غافل ہو گا شیطان اتنا ہی زیادہ اس پر اثر انداز ہو گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ

''جو شخص رحمٰن کے ذکر سے غافل ہوتا ہے ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔''

حدیث: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

ان اللّٰہ یبغض الشاب الفارغ

''بے شک اللہ تعالیٰ نکمے نوجوان کو ناپسند کرتا ہے۔''

کیونکہ دین کی طرف راغب کرنے والے سب کی عدم موجودگی کے باعث اس کا دل شیطان کا گھر بن جاتا ہے۔

شیخ حسین بن منصور حلاج سے کسی نے دریافت کیا تصوف کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ''یہ تمہارا نفس ہے اگر تم اسے مشغول نہیں رکھو گے تو یہ تمہیں (اپنے دھوکے میں) مشغول کر دے گا۔''

لہٰذا صبر کرنے میں صابر کا کمال یہ ہے کہ وہ ہر مذموم حرکت کے ارتکاب سے صبر کرے یعنی باز رہے اور ہر نیک کام کو مستقل مزاجی سے سرانجام دے۔

ظاہری و باطنی صبر

حرکت کی دو قسمیں ہیں ظاہری حرکت اور باطنی حرکت۔ باطنی حرکت پر صبر کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس کی مثال اڑنے والے لشکر کی طرح ہے جبکہ ظاہری حرکت کی مثال چلنے والے لشکر کی طرح ہے اور یہ صبر انسان کی موت تک باقی رہتا ہے۔ کمال کے طلبگار زندگی کی ہر سانس میں اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ تاہم وقت کے ساتھ حالات بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور اسی تبدیلی کے ساتھ صبر کا نام تبدیل ہو جاتا ہے جیسے ظاہری مصیبت پر صبر کو صبر ہی کہا جاتا ہے۔ پیٹ یا شرم گاہ کی شہوت سے صبر کو عفت کہا جاتا ہے۔ کسی کی ایذا رسانی پر صبر کو ضبط نفس کہا جاتا ہے۔ جنگ اور لڑائی کے دوران صبر کو بہادری کہا جاتا ہے جس کی متضاد کیفیت کو بزدلی کہا جاتا ہے۔ غصہ پی جانے کے صبر کو بردباری اور اس کی متضاد کیفیت کو غصہ کہتے ہیں۔ حالات پر صبر کو بلند حوصلہ اور اس کی مخالف کیفیت کو کم حوصلہ کہتے

ہیں۔ راز پوشیدہ رکھنے کے صبر کو رازداری اور اس کی متضاد کیفیت کو راز افشا کرنا، غیر ضروری مال سے صبر کو زہد اور اس کی متضاد کیفیت کو لالچ، آسائشوں سے صبر کو قناعت اور اس کی متضاد کیفیت کو حرص کہتے ہیں۔

ہر معاملے میں صبر

اگر آپ غور کریں تو زندگی کے ہر معاملے میں صبر کا عمل دخل نظر آئے گا۔ اسی لئے جب نبی کریم ﷺ سے ایمان کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا وہ صبر ہے۔ صبر کی حقیقت اکثر اخلاق و صفات میں موجود ہے اور جو لوگ نفسانی خواہشات کے غلبے کے باعث جسمانی لذات میں الجھ کر اس سے مدد حاصل نہیں کرتے وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دور ہو جاتے ہیں اور انہیں پتہ نہیں چل پاتا کہ اس مصیبت سے نجات کا طریقہ کیا ہے۔ صبر سے روکنے کی علتیں مختلف ہیں اور ان ہی کے اختلاف کے باعث اس آفت سے نجات کا علاج مختلف ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر جس شخص پر صحبت کی شہوت غالب ہو اور اس غلبے کے باعث وہ نیکی سے محروم اور گناہ کی طرف مائل رہتا ہو اسے اس شہوت کو کمزور کرنے اور صبر کی طاقت کو بڑھانے کے لیے پانچ چیزوں کی ضرورت ہے جن میں سے تین شہوت کو کمزور کرنے اور دو صبر کو مضبوط کرنے میں معاون ثابت ہوں گی۔

شہوت کو کمزور کرنے والی تین چیزیں درج ذیل ہیں:

(1) شہوت کی بنیاد یعنی طاقتور غذاؤں سے بچنا اس کے لیے لگاتار روزے رکھنا بہتر ہے۔ نیز افطار کے وقت بھی تھوڑی غذا کھا کر شہوت کے مادے کو کمزور کیا جا سکتا ہے۔

(2) شہوت میں ہیجان پیدا کرنے والی چیزوں سے بچنا اس کے لیے خوبصورت شکلوں کو دیکھنے سے گریز کرنا چاہئے کیونکہ پہلے نظر بہکتا ہے پھر دل بہکتا ہے اور آخر میں شرمگاہ بہکتی ہے۔ اس کا بہترین علاج خلوت نشینی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

النظر سهم مسموم من سهام ابليس

''نظر زہر میں بجھا ہوا شیطان کا ایک تیر ہے۔''

اس تیر سے بچنے کے لیے بہترین ڈھال خلوت نشینی ہے۔

(3) نفس جس چیز کا طلبگار ہو اس کی جنس میں سے تھوڑی مقدار میں حلال چیز دے کر اس کی تسلی کی جائے اکثر لوگوں کے حق میں یہ طریقہ بہتر ہے کیونکہ کثرت صوم کی صورت میں بہت سے لوگ کمزوری کے باعث دیگر عبادات میں غفلت کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن شہوت کا جذبہ پھر بھی ختم نہیں ہوتا۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے اس علاج کو دوسروں پر ترجیح دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

علیکم بالباءة فمن لم یستطع فعلیه بالصوم

''تم لازمی طور پر نکاح کرو اگر نکاح نہیں کر سکتے تو روزے رکھو۔''

پہلے علاج کی مثال اس طرح ہے جیسے کسی سرکش جانور کو بھوکا پیاسا رکھ کر اس کی سرکشی ختم کی جائے۔ دوسرے علاج کی مثال یوں ہے جیسے کسی جانور کے سامنے خوراک چھپا کر رکھی جائے تاکہ وہ اسے دیکھ کر بے قرار نہ ہو اور تیسرے علاج کی مثال یوں ہے جیسے جانور کو اتنی خوراک دی جائے جس کی مدد سے حاصل ہونے والی طاقت کے باعث وہ تربیت حاصل کر سکے۔

دینی جذبہ کی تقویت

دینی جذبے کو تقویت دینے کے ۲ طریقے ہیں۔

(i) پہلا طریقہ یہ ہے کہ نفس کو تقویٰ و پرہیزگاری کے دنیاوی اور اخروی فوائد کی طرف متوجہ کرنا اس کے لیے گہری نظر کی ضرورت ہوتی ہے اور بطور خاص ان احادیث میں غور کرنا چاہیے جو صبر اور صبر کرنے والوں کی فضیلت میں منقول ہیں۔ اس کے علاوہ اکابر صلحاء و اتقیاء بالخصوص خلفائے راشدین کی سیرت کا مطالعہ کرنا چاہیے کہ انہوں نے کس طرح عبادات، مشکلات اور آزمائشوں پر صبر کیا اور اس صبر کی بدولت اخروی سعادت و کامیابی سے بہرہ مند ہوئے۔ اس کے علاوہ ان غافل اور گناہگار لوگوں کی زندگی پر بھی غور کرنا چاہیے جو شیطان کے وسوسے اور نفس کے فریب کے باعث گمراہی اور ذلت کے گڑھے میں گر کر دوسروں کے لیے عبرت کا سامان بنے۔ ان

حقائق میں غور کرنے سے انسان کا جذبہ دین یقینی طور پر مضبوط ہوتا ہے۔

(ii) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بتدریج طبیعت کو صبر کا عادی بنائے چونکہ کوئی بھی مشکل لگاتار مشق کے ذریعے آسان ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مزدوروں اور ملاحوں کی جسمانی طاقت فقہاء اور صلحاء سے کئی گناہ زیادہ ہوتی ہے کیونکہ ان کے جسم سخت مشقت کے عادی ہوتے ہیں۔ یہ باتیں ان تمام رکاوٹوں کا علاج ہیں جن کے باعث ہر طرح کا صبر انسان کے ظاہری افعال پر اثر انداز نہیں ہو پاتا۔ انسان کو چاہئے کہ وہ ساتھی کی محرومی یا مستقبل کے خوف کے باعث پریشان رہنے کے باعث اپنے مال کی فکر کرے۔ گزشتہ یا آئندہ زمانے کے بارے میں پریشانی کا شکار ہونا بے وقوفی ہے۔ انسان کے لیے کمال کے حصول کا بنیادی ذریعہ اس کا دل ہے اور اس کی ساری جمع پونجی اس کی عمر ہے۔

دل کی خصوصیت

جوہر دل کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ غور وفکر کے ذریعے زندگی کی ہر سانس میں اللہ تعالیٰ اس کی صفات اور افعال کے اسرار کا علم حاصل کر سکتا ہے۔ جس کی بدولت آخرت میں ابدی سعادت حاصل کر سکتا ہے۔ جب انسان نفسانی خیالات کے غبار اور شہوانی تصورات کے اثرات کے باعث دل کے جوہر کو میلا اور گرد آلود کر دیتا ہے تو وہ اس سعادت کے حصول سے محروم رہ جاتا ہے اور یہ ایک ایسی محرومی ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ جوہر دل کو پاک و صاف رکھنے کے لیے مکمل خلوت، حبس دم، اپنے اعمال کا محاسبہ، لوگوں کے ساتھ میل جول سے گریز کرنا چاہئے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت کرنی چاہئے۔ جب طبیعت ذکر کی عادی ہو جائے تو اب مخلوق میں غور وفکر کی ضرورت پیش آتی ہے۔ انسان اس دوران زمین وآسمان، ان میں موجود مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی شان تخلیق اور اس کی قدرت کے آثار کا مشاہدہ کرتا ہے۔ انسانوں، جنات اور فرشتوں کے درجات اور حیثیت کے درمیان فرق سے آگاہ ہوتا ہے اور جب انسان اس کیفیت تک پہنچ جائے تو نفسانی تخیلات کی رسائی سے دور ہو جاتا ہے اور شیطان کے فریبوں کا لشکر شکست سے دوچار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایات

کی بادنسیم کرم کے میدان میں چلنا شروع ہوجاتی ہے جس کے باعث دل کے باغ میں غیبی انوار کے پھول کھل اٹھتے ہیں اور یقین کا ٹھنڈا آب حیات ہوا و ہوس کی ہنڈیا کے جوش کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ اطمینان قلب کے بادلوں کا سایہ نفس امارہ نفس مطمئنہ بنا دیتا ہے۔ ملکوتی انوار کا نزول نفسانی قوتوں کو روحانی لباس پہنا دیتا ہے۔ تاہم یہ سعادت تقدیر کے فیصلے کے مطابق نصیب ہوتی ہے۔ بعض اوقات ایک شخص زیادہ کوشش کرتا ہے لیکن اسے کم ملتا ہے اور کوئی دوسرا شخص کم محنت کر کے زیادہ پا لیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہی تمام خزانوں کا دروازہ ہے اور اس کی مہربانی اس دروازے کی کنجی ہے۔ تاہم یہ بات انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ اپنی پوری کوشش کر کے اپنے آپ کو اس قابل بنائے کہ وہ ان عنایات کے حصول کے لائق ہو سکے اگرچہ یہ کیفیت کسی بھی وقت طاری ہو سکتی ہے۔ لیکن ان کی کمی و بیشی کے اسباب آسمانی ہیں جن سے کوئی آگاہ نہیں ہو سکتا۔ انسان کے بس میں صرف یہی ہے کہ شرعی احکام کی پابندی کرے اور اپنے ذہن کو اللہ کی طرف متوجہ رکھنے کی کوشش کرے جس طرح برسات کے موسم میں ضرورت مندوں کی دعائیں اور طلب کسی حد تک اثر انداز ہوتی ہے۔ اسی طرح رحمت کی بارش کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر کے مطابق مکاشفات اور لطائف کسی حد تک اثر انداز ہوتے ہیں۔

میان آب حیاتی و آب می جوئی　　فراز گنجی واز فاقہ در تگ و پوئی
تو کوئے دوست ہمی جوئی و نمی دانی　　کہ گر نظر بہ حقیقت کنی تو آں کوئی
گلے ز گلشن وصلی فتادہ اندر خاک　　میاں گلخن حرص و ہوا چہ می جوئی

”آب حیات کے درمیان کھڑے ہو کر تم پانی ڈھونڈ رہے ہو، خزانے کے ڈھیر پر کھڑے ہو کر بھوک کے باعث بے چین ہو رہے ہو۔ دوست کی گلی ڈھونڈ رہے ہو اور یہ نہیں جانتے کہ درحقیقت تم ہی وہ گلی ہو۔ تم وصل کے باغ کا ایک پھول ہو جو مٹی میں مل چکا ہے لہٰذا تم حرص کے کوڑے میں کیا ڈھونڈ رہے ہو۔“

ایک روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی نازل کی۔
”اے داؤد! غفلت کے اندھیرے میں گم اندھے دل والوں سے یہ کہہ دو کشفی علم کے

خزانے کے موتی آسمان میں نہیں ہیں کہ خدا انہیں نیچے اتارے یا زمین میں نہیں ہیں کہ خدا انہیں باہر نکالے بلکہ ہم نے اپنی کامل حکمت کے تحت ان کے قلوب کو ملکوتی حقائق کے جو اسیر کا خزانہ بنایا ہے ہمارے اسرار کی دولت ان کے اندر بطور امانت رکھی ہوئی ہے مگر تم لوگوں نے خواہشات کی مٹی میں اسے چھپا دیا ہے اور غیر اللہ سے وابستگی کی اینٹوں کے ذریعے اس تک پہنچنے کا راستہ بند کر دیا ہے۔ خواہشات کے مردار کو دنیا کے کوڑے کے ڈھیر پر پڑے رہنے دو اور خود کو ہماری بارگاہ کے مقرب بندوں کے آداب سے آراستہ کرو تا کہ ہماری بخشش کے لطائف کی بارش تمہارے سینوں پر نازل ہو کر انہیں گل و گلزار کر دے اور اسرار معرفت کا آب حیات تمہارے قلوب کے چشموں سے تمہاری زبان پر جاری ہو جائے۔

جعلنا اللّٰه من عباده الطاهرين ورزقنا جزاء الصابرين بفضله ورحمة انه قريب مجيب

دسواں باب

تکبر اور تواضع کا بیان

اس بات میں ہم تکبر اور غضب کی مذمت بیان کریں گے کیونکہ یہ حکومت اور امارت کے بنیادی لوازم میں سے ایک ہے۔ اس کے علاوہ تواضع اور عضو کی فضیلت بھی بیان کی جائے گی۔ اس باب میں تکبر کی اقسام اس کی علامات، تکبر کی حقیقت اس کی آفات، تکبر کے ظہور کے اسباب اور اسے زائل کرنے کے طریقہ کار کی وضاحت کی جائے گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سَاَصْرِفُ عَنْ آیَاتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ

''جو لوگ زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں میں ان کی توجہ اپنی آیات سے ہٹا دوں گا۔''

اللہ تعالیٰ تکبر کی ہلاکت گاہ میں پھنس جانے والوں کی تہدید اور جبر کی برائی میں مبتلا منحوس لوگوں کی تنبیہ کے لیے یہ بات ارشاد فرماتا ہے کہ تکبر کے شکار افراد اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کی نشانیوں کے مشاہدے سے محروم رہتے ہیں اور جبر کرنے والے روحانی انوار کی مسعود ہواؤں کے لطیف جھونکوں سے محروم رہتے ہیں۔ ایسے افراد کی گردنیں آہنی شکنجوں میں جکڑ دی جائیں گی۔ اس آیت مبارکہ میں لفظ ناحق کی قید کے ذریعے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مذکور بالا وعید کے مستحق وہ افراد ہوں گے جو تقویٰ و پرہیزگاری کے بغیر خود کو نیک اور بزرگ سمجھتے ہیں۔ امام جعفر صادق سے کسی نے کہا، ایک تکبر کے سوا آپ میں اور کوئی بری خصلت نہیں ہے۔ امام صاحب نے فرمایا: میں تکبر نہیں کرتا۔ البتہ اللہ کی کبریائی مجھ پر اس طرح اثر انداز ہوتی ہے کہ تمہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید میں تکبر میں مبتلا ہو گیا

ہوں۔

فنا اور بقاء

(ہمدانی فرماتے ہیں) جو لوگ مقام فنا میں نفسانی خواہشات کو قربان کر دیتے ہیں اور اپنے جسم کو مذموم صفات سے محفوظ کر لیتے ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے مقبول بندوں کو فنا کے تلخ جام کے بعد بقا کے شربت سے سیراب کر دیتا ہے اور ان میں سے بعض افراد کو حلم اور حیاء کا لباس عطا کیا جاتا ہے جبکہ بعض دیگر افراد کو رعب اور دبدبہ کی خلعت سے سرفراز کیا جاتا ہے اور اسی رعب کو جاہل لوگ تکبر سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ واقفان حال یہ بات جانتے ہیں کہ عزت و بزرگی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ یہ افراد صرف اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کی تجلی گاہ کا مظہر ہیں اور یہ چیز ان حضرات کی ذاتی کوشش یا خواہش کے بغیر ان سے صادر ہوتی ہے۔ مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں:

> ''کسی امیر آدمی کا اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے عاجزی کے طور پر غریبوں کے ساتھ بیٹھنا بہت عمدہ بات ہے اور اس سے بھی اچھی بات یہ ہے کہ غریب آدمی اللہ پر توکل کرتے ہوئے امیروں کے سامنے خود کو بڑا اور بہتر ظاہر کرے۔''

اس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ امراء کا تکبر نفسانی خواہشات کی پیروی کے باعث ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جبکہ فقیر صوفی کا خود کو بڑا ظاہر کرنا صرف اللہ کی رضا کے حصول کے لیے ہوتا ہے اور یہ بات نہایت پسندیدہ ہے کہ کیونکہ یہ اللہ کی ذات پر کامل یقین کی دلیل ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی چیز کسی جاہل و غافل شخص کے لیے نقصان کا باعث بنتی ہے جبکہ وہی چیز کسی عارف کامل کے لیے مفید ثابت ہوتی ہے۔

بزرگ کا قول

مشہور صوفی بزرگ شیخ یحییٰ معاذ رازی فرماتے ہیں:

> ''دنیاوی مال کے باعث تکبر کرنے والے شخص کے ساتھ تکبر سے پیش آنا

درحقیقت تواضع ہے۔''

حدیث: ایک روایت کے مطابق (نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان منقول ہے)

''جب تم غافل متکبرین کو دیکھو تو ان کے ساتھ تکبر سے پیش آؤ کیونکہ تمہارا یہ تکبران کے لیے ذلت اور رسوائی کا باعث ہوگا۔''

(ہمدانی فرماتے ہیں) اگر ایسے موقع پر کسی صوفی بزرگ کا تکبر ممنوع ہوتا تو نبی اکرم ﷺ اس بات کا ہرگز حکم نہ دیتے۔

جہنم کا وبال

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یقول اللہ تعالیٰ الکبریائی ردائی العظمة ازاری فمن نازعنی من واحد منهما القیته فی جهنم

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا پہناوا ہے جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک صفت کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا میں اسے جہنم میں ڈال دوں گا۔''

جنت حرام ہونا

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لایدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من کبر

''جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر موجود ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

متکبرین کا انجام

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یحشر الجبارون والمتکبرون یوم القیامة فی صور الذر یطاهم الناس لهوانهم علی اللہ تعالیٰ

''قیامت کے دن تکبر اور جبر کرنے والوں کو چیونٹیوں کی شکل میں زندہ کیا جائے گا اور لوگ انہیں روندتے ہوئے گزریں گے کیونکہ یہ لوگ دنیا میں مخلوق خدا کو کمتر سمجھا کرتے تھے۔''

متکبرین کا حشر

حدیث: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے دادا کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

يحشر المتكبرون امثال الذر يوم القيامة في صورة الرجال يغشاهم الذِّل من كل مكان يساقون الى سجن في جهنم يسمى بولس تعلوهم نار الانيار يسقون من عصارة اهل النار

''قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کو انسانوں کی شکل میں چیونٹیوں کے حجم کے برابر جسم میں اٹھایا جائے گا اور لوگ انہیں روندتے ہوئے گزریں گے۔ یہاں تک کہ انہیں جہنم کے ایک خاص حصے (بولس) میں ڈالا جائے گا اور ان پر زبردست آگ مسلط کی جائے گی اور انہیں جہنمیوں کی پیپ پلائی جائے گی۔''

مرتے دم کیفیت

حدیث: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من فارق روح جسده وهو برى من ثلثة دخل الجنة الكبر والدين والغلول

''جو شخص ایسی حالت میں انتقال کرے کہ اس میں تین خامیاں موجود نہ ہوں تو ایسا شخص جنت میں داخل ہوگا (وہ خامیاں یہ ہیں) تکبر، قرض اور مال غنیمت میں چوری۔''

نعمت کا اظہار

حدیث: ایک مرتبہ حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت

کیا:

يارسول الله! ان الرجل يحب ان يكون كوبه حسنًا ونعله حسنًا قال ان الله جميل يحب الجمال الكبر بطرالحق وغمط الناس

''یارسول اللہ! ایک شخص یہ خواہش رکھتا ہے کہ اس کا لباس اور جوتے عمدہ ہوں (اس کا کیا حکم ہے؟) آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ تکبر یہ ہے کہ حق کی بے حرمتی کی جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے۔''

جہنم کا ایندھن

حدیث: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''دنیاوی مال و دولت جمع کرنے والے متکبرین ہیں جہنم کا ایندھن بنیں گے۔''

شیر کے ذریعے عذاب

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بخرج من النار عنق له اذنان تسمعان وعينان تبصران ولسان ينطق يقول وكلت بكل جبار عنيد وبكل من دعا مع الله اله آخر و بالمصورين

''(قیامت کے دن) جہنم میں سے ایک شیر نمودار ہوگا جس کے دو کان ہوں گے جو سننے کی صلاحت رکھتے ہوں گے دو آنکھیں ہوں گی جو دیکھنے کی صلاحیت رکھتی ہوں گی اور ایک زبان ہوگی جس کی مدد سے وہ کہے گا مجھے تین طرح کے لوگوں پر مسلط کیا گیا ہے سرکش، متکبر، مشرک اور مصور۔''

جنت میں داخلہ منع ہے

حدیث: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لایدخل الجنة جبار ولابخیل ولاسیّیءُ الملکة

''جابر، کنجوس اور ماتحتوں کے ساتھ برا سلوک کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

غرور کا انجام

حدیث: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بینما رجل یبتخر فی بردته قد اعجبته نفسه خسف اللّٰه به الارض فهو یتجلجل فیها الی یوم القیامة

''ایک مرتبہ ایک شخص اپنے عمدہ لباس پر تکبر کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک خود کو زمین میں دھنستا ہوا محسوس کرتا رہے گا۔''

رحمت سے محرومی

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لاینظر اللّٰه الی من جر ازاره خیلًا

''اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا جو تکبر کے طور پر اپنے دامن کو گھسٹ کر چلے۔''

خود پسندی کی مذمت

حدیث: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لایزال الرجل یذهب بنفسه حتی یکتب فی الجبارین فیصیبه ما اصابهم من العذاب

'کوئی شخص خود پسندی میں مبتلا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کا نام جبارین میں شامل کر لیا جاتا ہے اور اسے جبارین جیسے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔''

ایک شدید وعید

حدیث: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ثلثة لایکلمهم اللّٰه یوم القیامة ولا ینظر الیهم ولهم عذاب الیم
شیخ زان وملك كذاب وعائل متكبر

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین طرح کے لوگوں کے ساتھ کلام نہیں فرمائے گا۔ ان کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا اور انہیں دردناک عذاب دیا جائے گا۔ بوڑھا زانی، جھوٹا حکمران اور غریب متکبر۔''

شدید مذمت

حدیث: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''وہ شخص نہایت برا ہے جو خود تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنے عظیم پروردگار کو بھول جاتا ہے۔ وہ شخص بھی نہایت برا ہے جو جبر و زیادتی کرتے وقت اپنے جبار پروردگار کو بھول جاتا ہے اور وہ شخص بھی نہایت برا ہے جو گناہوں کی غفلت میں قبر کو بھول جاتا ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر شخص پر ایک خاص فرشتے کو مقرر کیا ہے جب کوئی شخص تکبر کرتا ہے تو فرشتہ اسے کہتا ہے تو مردود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ ایسا شخص خود کو بہت بلند مرتبہ سمجھتا ہے جبکہ لوگوں کی نظر میں وہ خنزیر سے زیادہ حقیر ہوتا ہے۔

تکبر کی اقسام

معزز قارئین! یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ نفس امارہ کی بدترین خصلتوں میں سے ایک تکبر بھی ہے۔ تکبر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کا تعلق باطن کے ساتھ ہے اور یہی بنیاد جڑ ہے جبکہ دوسری قسم کا تعلق ظاہری اعضاء و جوارح کے ساتھ ہے اور ان کی حیثیت شاخوں، ٹہنیوں اور پھلوں کی سی ہے۔ ان کی اصل باطنی تکبر ہے۔

حقیقت تکبر:

نبی اکرم ﷺ کی دُعا

تکبر کی بنیاد دو چیزوں پر ہے ایک ''خود کو بہتر سمجھنا'' دوسرا ''خود کو دوسروں سے بہتر سمجھنا'' کیونکہ ہر انسان پہلے خود کو کسی ایک خوبی سے متصف سمجھتا ہے اور پھر اسی کے باعث خود کو دوسرے سے بلند و برتر گمان کرتا ہے جس کے نتیجے میں اس کا نفس پھول جاتا ہے اور اسے دوسرا شخص حقیر نظر آنے لگتا ہے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

''اے اللہ میں تکبر کی غلط فہمی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے خطاب کرنے کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا:

''مجھے یہ اندیشہ ہے کہ تم اس قدر پھول جاؤ گے کہ ثریا تک جا پہنچو گے۔''

تکبر اور خود پسندی دو مختلف چیزیں ہیں کیونکہ تکبر کسی دوسرے شخص کی موجودگی کے بغیر پایا نہیں جاسکتا جبکہ خود پسندی کے لیے کسی دوسرے شخص کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص میں کوئی دنیاوی یا دینی کمال موجود ہو اور وہ شخص اسے اللہ کی عطا سمجھے لیکن اس کے زائل ہونے کے اندیشے سے بے نیاز ہو جائے اور اس کمال کے باعث خود پسندی میں مبتلا ہو جائے تو اسے تکبر نہیں کہا جاسکتا کیونکہ تکبر کے لیے ضروری ہے کہ خود کو کسی دوسرے شخص سے بہتر سمجھا جائے اور اس کا کم از کم مرتبہ یہ ہے کہ کسی شخص کو خود سے حقیر سمجھا جائے جب یہ عادت پختہ ہو جائے تو انسان دوسروں کو اپنا غلام تصور کرتا ہے اور اسکی یہ خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس کی ہر بات پر بلا چون و چرا عمل کریں۔ جب یہ چیز پختہ ہو جائے تو انسان ان ہی لوگوں سے خدمت لینے سے بھی نفرت کرنے لگتا ہے اور انہیں اپنی خدمت کے لائق نہیں سمجھتا۔ یہ تکبر کی انتہا ہے۔

اللہ کی ذات جو انتہائی بے نیاز ہے وہ اپنی کمال عظمت کے باوجود اپنے گنہگار خطا کار

بندوں کو محبت اور پیار سے بلاتا ہے (جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ارشاد ہوتا ہے)

هل من تائبٌ فاتوب علیه هل من مستغفرٌ فاغفر له

''کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ میں اس کی توبہ قبول کروں۔کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں۔''

اس کے برعکس تکبر کرنے والا بدبخت اپنی تمام تر عاجزی و کمزوری کے باوجود اپنے ہی جیسے انسانوں سے خدمت لینے سے عار محسوس کرتا ہے۔

تکبر کی آفت

تکبر کی بدترین آفت یہ ہے کہ شیطان کی پھونک کے ذریعے انسان کا نفس پھول جاتا ہے اور اس میں سیاہ رنگ کا دھواں بھر جاتا ہے جس کی بدولت دل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ بصیرت بے نور ہو جاتی ہے۔

حدیث: اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

لایدخل الجنة من کان فی قلبه ذرة من کبر

''جس شخص کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی تکبر موجود ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

یہ کہنا مناسب ہوگا کہ تمام مذموم صفات یعنی غصہ، کینہ، ریاکاری، حسد، جھوٹ، چغلی، غیبت، بغض، بخل، خود پسندی، طیش اور دشمنی وغیرہ میں سے ہر ایک صفت جہنم کے دروازوں کی کنجی کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ تمام صفات بلاواسطہ طور پر تکبر کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہیں۔

تکبر (انسانی سرشت میں موجود) غضب کے مادے کے ذریعے پیدا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی آگ کی ایک چنگاری ہے اور آگ کی خصوصیت یہ ہے کہ جب اس کا ایک ذرہ متحرک ہو تو وہ بھی بہت سی چیزوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے یہی وجہ ہے کہ تکبر کرنے والے آگ کا ایندھن بنیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِیۡ سَیَدۡخُلُوۡنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیۡنَ

''بے شک میرے بندوں میں سے جو لوگ تکبر کرتے ہیں وہ ذلیل و رسوا ہو کر

جہنم میں داخل ہوں گے۔‘‘

بدترین تکبر

تکبر کی سب سے زیادہ بدتر شکل یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں انسان علم دین سے فائدہ اٹھانے، حق کو قبول کرنے اور احکام الٰہی کی پیروی کرنے سے محروم رہ جائے اور اس کی بدولت ابدی سعادت کے دروازے اس کے لیے بند ہو جائیں۔‘‘

بدبختی کی انتہا

اسی تکبر کے باعث اللہ تعالیٰ کا جبر وقہر نازل ہوتا ہے اور قیامت کے دن ایسے افراد کو فرشتے دردناک عذاب میں مبتلا کریں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ آيَاتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ

’’آج (قیامت کے دن) تمہیں دردناک عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے ناحق کلمات کہا کرتے تھے اور اس کی آیات کے مقابلے میں تکبر کیا کرتے تھے۔‘‘

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ دنیا میں ابتداء ہی سے سرکشی چلی آرہی ہے جس کے نتیجے میں انسان مختلف صورتوں میں اللہ کی نافرمانی کے مرتکب ہوتے ہیں جیسے اللہ کی آیات کے سامنے تکبر کرنا، مخلوق پر جھوٹے الزام عائد کرنا انبیاء پر ایمان نہ لانا وغیرہ جیسے کفار مکہ کیا کرتے تھے۔

لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٌ

’’یہ قرآن ان دو بستیوں (مکہ و طائف) کے کسی مالدار آدمی پر کیوں نازل نہیں ہوا۔‘‘

یعنی وہ لوگ اپنی بدبختی کے باعث ایک یتیم شخص کی رسالت پر ایمان لانے کو باعث عار سمجھتے تھے، ان کے نزدیک راہ حق کے راہبر کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ رئیس و مالدار ہو۔ ان کے نزدیک آخرت میں بھی وہی شخص عزت و شرف کا حق دار قرار پائے گا جو دنیا میں

معزز و محترم ہو، کفار مکہ اپنی کم فہمی کے باعث ولید بن مغیرہ اور ابومسعود ثقفی کو معزز سمجھتے تھے اور زمین و آسمان میں گونجنے والی نبوت محمدی کے نقارے کی آواز ان کے کانوں میں نہیں پڑتی تھی کیونکہ درحقیقت ان کے کانوں بلکہ دلوں پر بھی پردہ پڑا ہوا تھا۔ جیسا کہ قرآن ارشاد فرماتا ہے:

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ

”(یہ لوگ) بہرے، گونگے اور اندھے ہیں (اور یہ حق کی طرف) رجوع نہیں کریں گے۔“

کفار مکہ میں بعض بدبخت مال و متاع کی محبت کے باعث، حضرت عمار، حضرت بلال اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم جیسے اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کے ساتھ بیٹھنا باعث عار سمجھتے تھے بلکہ بعض نے کھلی بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کہہ دیا:

اَهٰؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنْ بَیْنِنَا

”کیا اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ان (غریب و نادار) لوگوں پر اپنا خاص فضل کیا۔“

کفار مکہ چونکہ حقیقت کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے اس لئے ان کے نزدیک کمال کی انتہا یہ تھی کہ انسان اس فانی دنیا کا مال و دولت حاصل کر لے۔ آج بھی اکثر لوگوں کے نزدیک دنیاوی مال و دولت ہی عزت و بزرگی کا معیار ہے۔ دکھاوے اور رعونت کے اسباب کے حصول کو کمال کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ نفسانی خواہشات کی تکمیل عزت و نیک نامی کا علامتی نشان ہے۔ یہ لوگ مکھی کی طرح دنیا کے مردار (کی گندگی) کے بجائے کسی اور چیز پر نہیں بیٹھتے۔ آج اگر آپ کسی کمتر دنیادار کی حالت کا بغور جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہو جائے کہ اس کے تمام افعال و حرکات سے فرعونیت جھلکتی ہے۔

ظاہر و پوشیدہ تکبر

بعض اوقات تکبر پوشیدہ ہوتا ہے اور کبھی ظاہر ہوتا ہے جب تکبر پوشیدہ ہو تو اس کی بنیادی علامات دس ہوں گی اور اگر تکبر ظاہر ہو تو اس کے اظہار کے سات طریقے ہوں گے۔

پوشیدہ تکبر کی سب سے پہلی نشانی یہ ہے کہ بیٹھتے وقت چوکڑی مار کر، یا ایک پاؤں دوسرے پر رکھ کر یا ٹیک لگا کر بیٹھا جائے، اور آداب مجلس و شرکائے مجلس کا خیال نہ رکھا جائے۔

1 - ایک مرتبہ ایک بدو بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو اس نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ دسترخوان پر دوزانو ہو کر تشریف فرما ہیں۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ آپ کس طرح تشریف فرما ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: میں ایک بندہ ہوں اور اسی طرح بیٹھا ہوں جیسے عام بندے بیٹھتے ہیں۔

شیخ ابو حفص حدادؒ فرماتے ہیں مخلوق کے ساتھ ظاہری آداب کی رعایت کرنا باطن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ادب سے پیش آنے کا علامتی نشان ہے۔ جو شخص ظاہری طور پر مخلوق سے متعلق آداب کی رعایت نہیں کرتا وہ باطن میں آداب بندگی سے محروم رہتا ہے۔

2- پوشیدہ تکبر کی دوسری علامت یہ ہے کہ چلتے وقت مختلف طرح سے تکبر کا اظہار ہو جیسے اکڑ کر، کولہے پر ہاتھ رکھ کر، پشت پر ہاتھ باندھ کر، قبا کا دامن تھام کر چلنا یہ سب باطنی تکبر کی ظاہری علامات ہیں۔

مشہور تابعی مطرف بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک گورنر کو دیکھا کہ وہ ریشمی لباس پہن کر اکڑ کر چل رہا تھا تو آپ نے فرمایا: خدا کے بندے! یہ تم کس طرح چل رہے ہو۔ گورنر نے کہا، آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں اچھی طرح پہچان چکا ہوں۔ تمہارا نکتہ آغاز ایک بے حیثیت نطفہ اور تمہارا انجام ایک گلا سڑا بدبودار جسم ہے۔ اس وقت بھی تمہارے جسم کے اندر بہت سی گندگی موجود ہے۔ یہ سن کر گورنر نے معافی مانگی اور توبہ کی۔

3- پوشیدہ تکبر کی تیسری علامت یہ ہے کہ انسان اس بات کا خواہش مند ہو کہ لوگ اسے دیکھ کر احتراماً کھڑے ہو جائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان

حدیث: حضرت علی روایت کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من اراد ان ینظر الی رجل من اھل النار فلینظر الی رجل قاعد

وبین یدیہ قوم قیام

''جو شخص کسی جہنمی کو دیکھنا چاہے اسے چاہئے کہ کسی ایسے شخص کو دیکھ لے جو خود بیٹھا ہوا اور اس کے سامنے دوسرے لوگ کھڑے ہوئے ہوں۔''

نبی اکرم ﷺ کی تواضع

حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لم یکن شخصی احب الیھم من رسول اللّٰہ وکانوا اذاراوہ لم یقومو الہ لما یعلمون من کراھیتہ لذٰلک

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے زیادہ نبی کریم ﷺ سے محبت کرتے تھے۔ لیکن وہ بھی نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ یہ بات جانتے تھے کہ آپ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں''۔

4- پوشیدہ تکبر کی چوتھی علامت یہ ہے کہ انسان اکیلا چلنے کو ناپسند کرے اور اس بات کا خواہش مند ہو کہ اس کے ہمراہ اور پیچھے کوئی چلنے والا ہو۔ (ایک روایت کے مطابق)

''جب انسان (اس بات کا خواہش مند ہو کہ) اس کے پیچھے کوئی چلنے والا ہو تو (چلتے وقت) وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوتا چلا جاتا ہے''۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے چل رہے تھے۔ جب خواجہ صاحب کی ان پر نظر پڑی تو آپ نے انہیں منع کرتے ہوئے فرمایا: ایسی صورت میں انسان کا دل بے قابو ہو جاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی احتیاط

حدیث: حضرت ابوامامہ باھلی فرماتے ہیں:

کنا نمشی خلف رسول اللّٰہ فسمع خفق النعال فوقف ثم قال امشوابین یدی قلنا یارسول اللّٰہ نمشی بین یدیك قال نعم انی سمعت خفق نعالکم خلفی فخفت ان یدخل فی قلبی شیء من الکبر

''ایک دن ہم نبی کریم ﷺ کے پیچھے چل پڑے جب آپ نے ہمارے جوتوں کی

آہٹ سنی تو ٹھہر گئے اور ارشاد فرمایا میرے آگے چلو۔ ہم نے عرض کی (کیا) ہم آپ کے آگے چلیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں! جب میں نے تمہارے قدموں کی آہٹ سنی تو مجھے یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ میرے دل میں تکبر نہ آ جائے۔

5- پوشیدہ تکبر کی پانچویں علامت یہ ہے کہ اکابر دین یعنی علماء وصوفیاء کی زیارت کے لیے جانے کو باعث عار سمجھا جائے اور انسان اپنے نفس کی خامی کے باعث دنیاوی نفع، دینی فائدے اور اخروی ثواب سے محروم رہ جائے اور سلف صالحین کی پیروی نہ کر سکے۔

جب (مشہور محدث) حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ مکہ پہنچے تو حضرت ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ نے انہیں پیغام بھجوایا کہ آپ ہمارے ہاں آ کر درویشوں کے سامنے بعض احادیث بیان کریں۔ حضرت سفیان ان کے ہاں تشریف لے گئے اور درس حدیث دیا۔ اس طرح بلائے جانے پر انہیں کچھ بھی محسوس نہیں ہوا۔ لوگوں نے حضرت ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ سے کہا آپ نے اتنے بڑے جلیل القدر بزرگ کو اس طرح کیوں بلوایا تو حضرت براہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ان کی تواضع کو آزمانا چاہتا تھا۔

6- پوشیدہ تکبر کی چھٹی علامت یہ ہے کہ کسی مسلمان بھائی کے ساتھ یا نزدیک بیٹھنے سے شرمندگی محسوس ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کار یہ تھا کہ آپ کے لیے کوئی جگہ مخصوص نہیں تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو جگہ خالی ہوتی آپ وہاں ہی تشریف فرما ہو جاتے۔ اسی طرح خلفاء راشدین کا طریقہ کار بھی یہ تھا کہ ان کی نشست عام لوگوں سے ممتاز نہیں ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ دیہاتوں سے آنے والے اجنبی بھی اندازہ نہیں کر پاتے تھے کہ حاضرین میں سے خلیفہ وقت کون ہے۔

اخلاقِ کریمانہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

کان رسول اللہ تاخذالولیدۃ من ولائد المدینۃ بیدہ فلاینزع یدہ حتّٰی تذھب بہ حیث شاء ت

''مدینہ منورہ کی کوئی بھی بچی نبی کریم ﷺ کا دست اقدس تھام کر آپ کو کہیں بھی سے لے جا سکتی تھی اور آپ خود اس سے ہاتھ نہیں چھڑاتے تھے''۔

7- پوشیدہ تکبر کی ساتویں علامت یہ ہے کہ بیماروں کے ساتھ بیٹھنے اور کھانے پینے سے گریز کیا جائے۔ ایک روایت کے مطابق ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا جس کے پورے جسم پر آبلے بنے ہوئے تھے۔ لوگ اس کی بیماری کے باعث اس کے پاس بیٹھنے سے گریز کر رہے تھے لیکن نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف اسے اپنے پاس بٹھایا بلکہ اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی تناول فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ آپ جزام یا برص کے مریض کے ہمراہ بیٹھ کر کھانا کھا لیا کرتے تھے۔

8- پوشیدہ تکبر کی آٹھویں علامت یہ ہے کہ گھر کے عام ضروری کاموں کی انجام دہی سے شرمندگی محسوس ہو اور خود کو صاف ستھرا رکھنے کے لیے بال بچوں کو قریب نہ آنے دیا جائے۔ بلاشبہ یہ تکبر کی بدولت ہوتا ہے اور جہالت وحماقت کی واضح نشانی ہے۔

خود کام کرنا سنت ہے

حضرت ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں:

كان رسول الله يعلف الناضح ويقل البعير ويقم البيت ويحلب الشاة ويخصف النعل ويرقع الشرب ويطحن مع خادمه اذا اعيني ويا كل معه

''نبی کریم ﷺ اونٹ کو چارا ڈال دیا کرتے تھے۔ اسے خود باندھتے تھے۔ گھر میں جھاڑو دیتے تھے۔ بکری کا دودھ دوہ لیا کرتے تھے۔ جوتے مرمت کر لیتے تھے، کپڑے کو سی لیتے تھے اور اگر خادم تھک جاتا تو چکی بھی پیس لیا کرتے تھے بلکہ خادم کے ہمراہ بیٹھ کر کھانا بھی کھا لیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے ہاں کوئی ایک مہمان آ گیا۔ رات کے وقت آپ کچھ لکھ رہے تھے کہ چراغ بجھ گیا مہمان اسے جلانے کے لیے اٹھنے لگا تو آپ نے

اسے منع کرتے ہوئے فرمایا یہ آداب کے خلاف ہے۔ مہمان نے عرض کی آپ خادم کو آواز دیں۔ آپ نے فرمایا وہ سو چکا ہوگا پھر آپ نے خود اٹھ کر چراغ روشن کیا۔ مہمان نے اس پر حیرانگی کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا: اس عمل سے میری شان میں کوئی کمی نہیں آئی۔

8- پوشیدہ تکبر کی نویں علامت یہ ہے کہ گھریلو ضرورت کی اشیاء کو بازار سے اٹھا کر لانے میں شرمندگی محسوس ہو جیسے گوشت، چینی، سبزی وغیرہ۔ یہ بات نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رضی اللہ عنہم اور بزرگان دین کے طریقہ کار کے خلاف ہے۔ روایات کے مطابق نبی کریم ﷺ اپنے گھر کا سودا سلف خود اٹھا کر لایا کرتے تھے اور اگر صحابہ پکڑنے کی کوشش کرتے تو آپ اس کی اجازت نہ دیتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تواضع

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں:

لاینقص الرجل من کماله ماحمل من شیء الی عیاله

''گھر والوں کے لیے کوئی چیز اٹھا کر لانے سے انسان کی شان میں کوئی کمی نہیں آتی۔''

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ جب شام کے گورنر تھے تو اپنی ضرورت کا سامان خود اٹھایا کرتے تھے۔

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ دورِ گورنری میں لکڑیوں کا بنڈل اپنی پشت پر ڈال کر بازار سے گزر رہے تھے۔ میرے پاس پہنچے تو فرمایا راستہ تو دے دو بھائی!

ایک صحابی فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں گوشت خرید کر اپنی پگڑی میں لپیٹ لیا۔ میں نے عرض کی لائیں مجھے دیں۔ تو آپ نے فرمایا بال بچوں والے شخص کو یہ کام کرنا پڑتا ہے (اور مجھے نہیں دیا)

10- پوشیدہ تکبر کی دسویں علامت یہ ہے کہ انسان رنگ برنگے خوبصورت خوشنما لباسوں کو پہننے کا دلدادہ ہو اور میلے یا پرانے کپڑے پہننا باعث عار سمجھے۔ کم قیمت لباس کو ناپسند

کرے۔

سادہ لباس پہننے کی فضیلت

حدیث: نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا:

البذاذة من الایمان

''کم قیمت لباس پہننا ایمان کا حصہ ہے۔''

ایک مرتبہ حضرت علی اپنے دور خلافت میں پیوند لگے ہوئے لباس کو پہن کر خطبہ دے رہے تھے۔ کسی نے اعتراض کیا تو فرمایا اس لباس میں تین خوبیاں ہیں۔ جسم کی پردہ پوشی ہوتی ہے۔ انسان تکبر سے بچا رہتا ہے اور عام مسلمان اس کی پیروی کرتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان منقول ہے:

''عمدہ لباس تکبر پیدا کرتا ہے۔''

شیخ طاؤس یمانی فرماتے ہیں:

''جب میں لباس دھوتا ہوں تو دل کی کیفیت تبدیل ہوجاتی ہے اور جب وہ لباس میلہ ہوجائے تو کیفیت مختلف ہوتی ہے۔''

سعید بن سوید کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو دیکھا کہ جب جامع مسجد میں نماز کی امامت کے بعد آپ نے لوگوں کی طرف رخ کیا تو آپ کے کرتے پر دو پیوند لگے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کی آپ حاکم وقت ہیں۔ اگر آپ نیا لباس پہنیں تو اس میں کیا حرج ہے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ارشادفرمایا:

''بہترین صبر وہ ہے جو مصیبت کے وقت کیا جائے اور بہترین معافی وہ ہے جو بدلے کی صلاحت حاصل ہونے کے باوجود دی جائے۔''

عمدہ لباس ترک کرنے کی فضیلت

حدیث: نبی اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا:

من ترک زینته اللّٰه ووضع ثیاباحسنة تواضعا للّٰه وابتغاء وجهه

لمرضاته كان حقا على الله ان يدخله عبقري الجنة

''جو شخص اللہ کی رضا کے لیے زینت کو ترک کر دے اور اللہ کے حضور عاجزی کے لیے عمدہ لباس کو ترک کر دے تا کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کر سکے تو اللہ کے لیے لازم ہے کہ اس شخص کو جنت کے عمدہ لباس عطا کرے''۔

(شیخ ہمدانی فرماتے ہیں) مندرجہ بالا تمام امور تکبر کی بنیاد اور اس کی شاخوں کی اصل ہیں جو انسان کی جبلت میں موجود ہیں۔

تکبر کا اظہار

تکبر کے اظہار کے دو بنیادی سبب ہیں۔ ایک خود پسندی اور دوسرا خود کو دوسروں سے بہتر سمجھنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اسی وقت تکبر کا اظہار کرے گا جب وہ سمجھے کہ اس کے اندر کوئی خوبی موجود ہے اور وہ اس خوبی کے اعتبار سے دوسروں سے بہتر ہے۔

تکبر کے اظہار کے سات اسباب ہیں جن میں سے پانچ کا تعلق دنیا کے ساتھ ہے یعنی نسب، جمال، طاقت، مال اور مرتبہ جبکہ دو اسباب کا تعلق دین کے ساتھ ہے یعنی علم اور عمل۔

اب ہم تفصیل کے ساتھ ان اسباب کی وضاحت اور ان سے بچنے کے طریقے کار کی نشاندہی کریں گے۔

نسب پر فخر

تکبر کے اظہار کا پہلا سبب نسب پر فخر کرنا ہے چونکہ بلند نسب کا مالک ان لوگوں کو حقیر سمجھتا ہے جو نسب میں اس کے ہمسر نہ ہوں۔ اگر چہ وہ علم و عمل کے اعتبار سے کتنے ہی بہتر کیوں نہ ہوں۔ اس بیماری کے شکار لوگ دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ میل جول رکھنے میں شرمندگی محسوس کرتے ہیں بلکہ ان کی خودسری اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ دوسروں کو مخاطب کرتے وقت بھی طرز تخاطب تحقیر آمیز ہوتا ہے۔

فخر کا علاج

اس سے نجات دو طرح سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

ایک یہ کہ انسان اس بات پر غور کرے کہ نسب پر فخر کرنا نری حماقت ہے کیونکہ کسی دوسرے کے کمال سے عزت حاصل کرنا جہالت کی علامت ہے۔ کسی ادیب شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

لِانْ فخرت بآباء ذوی شرف لقد صدقت ولکن بئس ماولدوا

''اگر تم اپنے باپ دادا کی عزت و بزرگی پر فخر کرتے ہو تو یہ ٹھیک ہے لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ ان کی اولاد (یعنی تم) کتنے برے ہو۔''

اگر کوئی شخص اپنے باپ دادا کی عزت کے باعث تکبر میں مبتلا ہو جائے اور اس کا اپنا نفس منفی صفات کا حامل ہو تو اس کے اجداد کی تمام تر بزرگی بھی ان خامیوں کا مداوا نہیں کر سکتی۔ صاحبان کمال کی خصوصیات برے لوگوں کی خامیوں سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی ہیں بلکہ کسی کمینے بیٹے کی اپنے معزز اجداد سے نسبت کی مثال بالکل اسی طرح ہے جیسے انسان کے پیشاب یا پاخانے سے پیدا ہونے والا کوئی کیڑا کسی گدھے یا بیل کے گوبر سے پیدا ہونے والے کیڑے پر فخر کرے حالانکہ بے حیثیت ہونے کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

غرور نسب کا دوسرا علاج یہ ہے کہ انسان اپنی پیدائش کی اصل پر غور کرے اور اپنی حقیقت کو پہچاننے کی کوشش کرے کہ اس کا باپ ایک مردار نطفہ ہے اور اس کا دادا گل سڑ کر مٹی میں مل چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی حقیقت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَبَدَءَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ

''جو شخص یہ بات سمجھ لے گا کہ اس کی اصل حقیقت اس کی وہ مٹی ہے جو لوگوں اور جانوروں کے پیروں تلے پامال ہوتی رہتی ہے وہ کبھی بھی خود کو بڑا سمجھنے کی غلطی نہیں کرے گا اور اس کے لیے یہ یقین کرنا آسان ہو جائے گا کہ متقی و پرہیزگار لوگ ہی عزت اور بڑھائی کے حقیقی مستحق ہیں''۔

جہنمی آباؤ اجداد

حدیث: ایک روایت کے مطابق دو شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ ان میں

سے ایک نے دوسرے سے کہا میں فلاں کا بیٹا ہوں تم کون ہو؟ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

افتخر رجلان عند موسیٰ علیه السلام فقال احدهما انا فلان بن فلان حتی عد تسعة وقال فمن انت فاوحی الله تعالیٰ الیٰ موسیٰ علیه السلام قل للذی افتخر بآبائهم ان کل تسعة فی النار وانت عاشرهم

''دو آدمی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اپنے اجداد پر فخر کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے اپنے نو اجداد کا ذکر کرتے ہوئے کہا میں ان کا بیٹا ہوں تم کون ہو؟ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل کی۔ اس سے کہو تمہارے وہ نو اجداد جہنمی ہیں اور دسویں تم بھی ان سے جا ملو گے۔''

اجداد پر فخر کی وعید

حدیث: اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لید عن قوم الفخر بابا ئهم وقد صاروا فحمًا فی جهنم او لیکونن اهون علی الله من الجعلان التی تذوق بانافها

''لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے آباؤاجداد پر فخر کرنا چھوڑ دیں کیونکہ وہ جہنم کا ایندھن بن چکے ہیں یا وہ لوگ اللہ کے نزدیک اس کیڑے سے بدتر ہیں جو گندگی کی بو سونگتا پھرتا ہے''۔

حسن پر تکبر

تکبر کا دوسرا بنیادی سبب حسن و جمال ہے۔ یہ خامی عام طور پر خواتین میں پائی جاتی ہے۔ اشاروں کنایوں میں کسی کی بدصورتی پر طنز کرنے کے ذریعے اس کا اظہار ہوتا ہے جس میں حسد اور غیبت کی برائی بھی شامل ہو جاتی ہے۔ اس آفت میں مبتلا شخص عام طور پر دوسروں کی غیبت جوئی میں مشغول رہتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اشیاء و شخصیات کی ظاہری خوبصورتی پر فریفتہ ہونے سے بچا جائے اور چشم بصیرت کو اپنے باطن کی طرف متوجہ کیا

جائے کہ کس طرح انسان کے اپنے اندر حیوانی و شیطانی صفات پائی جاتی ہیں جو دل کے آئینے کو تاریک کر دیتی ہیں جن کی بدولت دل ملکوتی انوار کی سیرابی سے محروم رہ جاتا ہے۔ انسان کو غور کرنا چاہئے کہ درحقیقت اس کا جسم مختلف فضلات کا مجموعہ ہے۔ جیسے انسان کی انتڑیوں میں فضلہ موجود رہتا ہے مثانے میں پیشاب موجود رہتا ہے ناک اور دماغ میں بلغم، منہ میں تھوک، کانوں میں میل، رگوں میں خون اور جسم میں پسینہ موجود رہتا ہے۔ اگر انسان لگاتار دو دن صفائی نہ کرے تو اس کے جسم سے بدبو آنے لگے اور وہ خود بھی اس بدبو سے بیزار ہو جائے۔ انسان جب یہ حقیقت سمجھ لے گا کہ اس کی تمام تر حسن و خوبصورتی کی بنیاد ایک بے مقدار نطفہ ہے اور اس کا انجام گلی سڑی ہوئی لاش ہے تو اسے اندازہ ہو جائے گا کہ اس کے جمال کی مثال اس سبزے کی مانند ہے جو کوڑے کے ڈھیر پر اگا ہوا ہو۔ بیماری کی ہوا کا ایک ہی جھونکا یا چیچک، برص یا جزام اس کی تمام تر خوبصورتی کو بدصورتی میں تبدیل کر سکتے ہیں۔

طاقت کا تکبر

تکبر کا تیسرا بنیادی سبب طاقت ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ انسان مختلف قسم کی بیماریوں، دردوں اور تکالیف پر غور کرے کہ یہ کس طرح انسان کو رنج والم میں مبتلا کر کے بے قرار کر دیتی ہیں۔ اس وقت انسان محض اپنی ذاتی قوت کے باعث ان سے نجات حاصل نہیں کر سکتا بلکہ بعض بیماریوں میں انسان اس قدر نڈھال ہو جاتا ہے کہ اپنے جسم پر بیٹھی ہوئی ایک مکھی یا رینگتی ہوئی ایک چیونٹی کو بھی نہیں ہٹا سکتا۔ ایک دن کا بخار انسان کی تمام تر توانائی کو نچوڑ کر اسے کمزور و نڈھال کر دیتا ہے اور وہ ہلکا سا بوجھ اٹھانے کے قابل بھی نہیں رہتا۔

جب انسان ان امور پر غور کرے گا تو اسے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ قوت و طاقت کے اعتبار سے بہت سے جانور اس سے بہتر ہیں۔ اس لئے اس خوبی پر تکبر کرنا فضول ہے۔ نیز یہ خوبی کسی بھی وقت شدید کمزوری میں تبدیل ہو سکتی ہے کہ انسان ایک مچھر کو ہٹانے کے قابل نہیں رہتا۔ اس لئے اس پر تکبر کرنا غایت درجے کی حماقت، جہالت اور بے شرمی ہے۔

مال کی وجہ سے تکبر

تکبر کا چوتھا بنیادی سبب مال ہے۔ عام طور پر حکمران اپنے خزانوں، گھوڑوں اور لشکر پر تکبر کرتے ہیں جبکہ زمیندار اپنی زمین کی وسعت کے باعث تکبر میں مبتلا ہوتے ہیں اور تاجر حضرات اپنے ساز وسامان اور نقدی کے باعث تکبر کرتے ہیں۔ ان میں سے جس کے پاس مال و دولت زیادہ ہوگا وہ کم مالدار شخص کے سامنے تکبر کرے گا اور بعض اوقات تحقیر کے طور پر یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ تمہاری میرے سامنے کیا حیثیت ہے؟ اگر میں چاہوں تو تم جیسے کئی افراد کو خرید سکتا ہوں یہ تمہاری تمام تر دولت میرے مال کی زکوٰۃ کے برابر بھی نہیں ہے۔

اس خامی کا بنیادی سبب یہ ہے کہ انسان مال کی مصیبت اور فقر کی فضیلت سے لاعلم ہو اور دنیا کے وبال سے انجان ہو۔ یہ تکبر کی سب سے کم تر قسم ہے چونکہ دنیاوی مال واسباب کسی بھی وقت کسی بھی حادثے کے باعث چھن سکتا ہے اور جب مال چھن جائے گا تو ایسے شخص میں کوئی خوبی یا کمال باقی نہیں رہے گا اور وہ ایک عام شخص کی مانند ہو جائے گا۔ انسان کو غور کرنا چاہئے کہ کتنے ہی غیر مسلم اس سے زیادہ مالدار ہیں۔ لہٰذا ایک ایسی خوبی جو کسی چور کی کامیابی کی صورت میں زائل ہو جائے یا آگ لگنے سے ختم ہو جائے یا کسی یہودی میں وہ خوبی زیادہ موجود ہو اور مزید برآں انسان کو آخرت میں اس کا زبردست حساب بھی دینا پڑے بلکہ اسی کے باعث عذاب میں مبتلا ہونے کا بھی اندیشہ ہو تو کوئی بھی عقل مند ایسی خوبی کو عزت یا شرف کا باعث نہیں سمجھے گا۔

کثرت کی بدولت تکبر

تکبر کا پانچواں بنیادی سبب اولاد، ماتحت، ملازمین، رشتے داروں اور قبیلے والوں کی کثرت ہو۔ یہ خامی عام طور پر حکمرانوں اور سرداروں میں پائی جاتی ہے۔ ان امور پر تکبر کرنے والے شخص کی مثال یوں بیان کی جاسکتی ہے جیسے کوئی شخص یہ خواب دیکھے کہ وہ کسی ملک کا حکمران بن چکا ہے۔ اس کے پاس ڈھیر سارے خزانے ہیں۔ زبردست شان و شوکت اور جاہ وجلال حاصل ہے اور وہ ان سب کو دیکھ کر پھولے نہیں سماتا اور پھر اچانک اس

کی آنکھ کھل جائے اور وہ اپنے آپ کو کسی ویران گھریا بے آب و گیاہ میدان میں تنہا موجود پائے۔ اس کے اردگرد آدم خور درندے اسے چیرنے پھاڑنے کو تیار ہوں۔ سانپ اور بچھو اس کی طرف بڑھ رہے ہوں۔ مزید برآں یہ کہ اس کا اپنا جسم زنجیروں اور بیڑیوں میں قید ہو۔ درندوں کی ذراسی حرکت سے اس کا دل اچھل کر حلق تک آجائے۔ سانپ اور بچھوؤں کو دیکھ کر اس کی وحشت سوا ہوتی جائے اور ان سب مسائل سے چھٹکارا پانے کی کوئی صورت نظر نہ آئے۔

کوئی بھی عقل مند انسان جب نگاہ بصیرت کی مدد سے دنیاوی شان وشوکت اور دولت و ثروت پر غور کرے گا تو اسے یہ معلوم ہو جائے گا کہ ان سب کی حقیقت ایک خواب وخیال کی مانند ہے کیونکہ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے۔

الناس نیام فاذا ماتوا انتبھوا

''لوگ نیند میں ہیں جب موت آئے گی تو بیدا ہوں گے۔''

زندگی میں پیش آنے والا ہر حادثہ اور واقعہ ایک درندے کی مانند ہے جو انسان کی زندگی چھین لینے کے درپے ہوتا ہے۔ بیماریوں اور تکالیف کی مثال سانپ اور بچھوؤں کی مانند ہے لہٰذا ایسا شخص نہ تو دنیا کی کسی نعمت سے حقیقی معنی میں لطف اندوز ہو سکتا ہے اور نہ ہی زندگی میں پیش آنے والی پریشانیوں سے چھٹکارا پا سکتا ہے۔ جب انسان اس حقیقت کا شعور حاصل کرلے گا تو تمام تر تکبر خود بخود ختم ہو جائے گا۔

علم کی وجہ سے تکبر

تکبر کا چھٹا بنیادی سبب علم ہے تکبر کے جملہ اسباب میں یہ سب سے بڑا سبب ہے اور اکثر اوقات علماء اس میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں علم کے بہت سے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ نیز حقیقی خدا ترس علماء کے فضائل ان رسمی علماء کی زبانوں پر جاری ہوتے ہیں اس لئے یہ رسمی علماء خود کو بھی انہی کے مرتبے میں شامل کرلیتے ہیں۔ یہ رسمی علماء عام انسانوں کو جانوروں سے زیادہ حقیر سمجھتے ہیں اور ان سے خدمت لینا اپنا بنیادی حق سمجھتے ہیں بلکہ خدمت لینے کے دوران انہیں مارنے پیٹنے سے بھی گریز نہیں کرتے خود اپنے فرائض

کی ادائیگی میں ہمیشہ کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں جبکہ دوسروں کی کوتاہی ان کے نزدیک ناقابل معافی ہوتی ہے۔ یہ خود کو اللہ تعالیٰ کی معزز اور برگزیدہ مخلوق سمجھتے ہیں۔

تکبر علم کے اسباب

تکبر علم کے دو بنیادی سبب ہیں:

1- علم کے باعث تکبر کا پہلا سبب یہ ہے کہ رسمی علماء آغاز میں رسمی علوم سیکھتے ہیں جیسے صرف، نحو، لغت، شعر، حساب، طب، مناظرہ وغیرہ اور یہ تمام علوم انسان میں تکبر پیدا کرتے ہیں۔ یہ رسمی علماء جس قدر محنت سے ان علوم کو حاصل کرتے ہیں اسی قدر مذموم صفات میں پختہ ہوتے چلے جاتے ہیں اور ان کے مزاج کا برتن تکبر اور نفاق سے بھرتا چلا جاتا ہے۔

(یہ بات ذہن نشین کرلیں) حقیقی علم وہ ہے جس کی مدد سے انسان اپنے نفس کی خامیوں اور ان کی آفات کی حقیقت و ماہیت سے آگاہ ہو اور اپنے نفس کی معرفت کے ذریعے اپنے پروردگار کی معرفت حاصل کرے۔ اس کی رضا کے حصول کا طالب ہو اس کے قرب کے طریقوں کو پہچانے جبکہ حجاب اور محرومی کے اسباب سے آگاہ ہو کر ان سے بچے۔ دنیا اور اس کے لوازمات کے حقیر ہونے کا یقین کرے اور خاتمہ کے خوف سے بے نیاز نہ ہو۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے علماء کے خوف وخشیت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا

''بیشک اللہ کے بندوں میں سے، علماء سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتے ہیں۔''

ایسا علم انسان کے دل کو تکبر اور خود پسندی کے زنگ سے پاک کر دیتا ہے اور اس میں اللہ کا خوف اور خشیت پیدا کر دیتا ہے۔

2- علم کے باعث تکبر کا دوسرا بنیادی سبب یہ ہے کہ کوئی انسان اصل فطرت کے اعتبار سے نیچ اور کمینہ ہو۔ علم کے حصول سے پہلے اس میں ریاضت اور مجاہدے کے ذریعے تزکیۂ نفس نہ کیا ہو اور اپنے نفس کی گندگی سمیت علم حاصل کرنے میں مشغول ہو گیا ہو۔ اب جو علم اس کے حفظ اور فہم کے برتن میں داخل ہوگا وہ اس کے نفس کی غلاظت سے

ضرور متاثر ہوگا۔ جیسے بارش کا پانی درحقیقت صاف و شفاف ہوتا ہے لیکن جب وہ مختلف درختوں اور پودوں کی شاخوں اور اجزاء میں پھیلتا ہے تو اگر درخت کے جوہر کا مزاج کڑوا ہوگا تو وہ کڑواہٹ اس پانی پر بھی اثر انداز ہوگی اور اگر درخت کے جوہر کا پانی میٹھا ہوگا تو میٹھاس اس پانی پر بھی اثر انداز ہوگی۔ علم کی مثال بارش کی مانند ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا

''(اللہ نے) آسمان سے (بارش کا) پانی نازل کیا اور ندی نالے اپنی وسعت کے مطابق بہنے لگ گئے۔''

علم معنوی اعتبار سے آب حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ جب یہ انسانی ذہن کے برتن میں داخل ہوتا ہے تو اس برتن کی مخصوص کیفیت کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ گندے، لالچی اور متکبر برتن میں حرص، بخل، خود پسندی اور تکبر کا اضافہ کر دیتا ہے جبکہ پاک وصاف برتن میں قناعت، حیاء اور تواضع کا اضافہ کر دیتا ہے۔

قاری کا تکبر کرنا

حدیث: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سیکون قوم یقرء ون القراٰن لایجاوز حناجز ھم یقولون قد قرانا فمن اقراء منا وعلمنا فمن اعلم منا اولئك ھم وقود النار

''عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن وہ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ یہ کہیں گے کہ ہم بڑے زبردست قاری ہیں۔ ہم سے زیادہ اچھی قرأت کون کرسکتا ہے۔ ہم عالم ہیں ہم سے بہتر عالم کون ہے۔''

تکبر علم کا علاج یہ ہے کہ انسان یہ بات ذہن نشین کرلے کہ جہالت کی بہ نسبت علم کے خطرات زیادہ ہیں اور جاہلوں کی بہ نسبت علماء کے لیے اللہ کی حجت زیادہ سخت ہے جس

طرح حاکم وقت جہلاء، دیہاتیوں اور گواروں کی غلطیوں سے درگزر کر لیتا ہے لیکن اپنے مقربین خاص کی کوتاہی معاف نہیں کرتا کیونکہ ناواقف کی بہ نسبت واقف حال اور صاحب شعور کی غلطی زیادہ قابل گرفت ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے وقت کے مشہور مقتداء پیشوا بلعم باعور کو نفسانی خواہشات کی پیروی اور حق کی مخالفت کے باعث کتے سے تشبیہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ

''اس کی مثال کتے کی مانند ہے اگر تم اسے مارو گے تو وہ زبان نکالے گا اور اگر چھوڑ دو گے تو بھی وہ زبان لٹکائے گا۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حق کی مخالفت کے باعث علماء یہود کو گدھے سے تشبیہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا

''انہوں نے اس کا بار نہیں اٹھایا ان کی مثال گدھے کی طرح ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔''

(یہ طے شدہ فطری حقیقت ہے کہ عام انسان کی طرح) عالم دین بھی علم کی فضیلت سے راحت محسوس کرتا ہے لیکن اگر وہ خدا کے سامنے عاجزی و انکساری اختیار کرے، فضول، لایعنی فلسفیانہ مباحث سے گریز کرے اور اپنی پوری توجہ علم دین کے اسرار کو سمجھنے میں صرف کرے نیز علم کی ذمہ داری سے غافل نہ ہو تو تکبر اس کے باطن میں جگہ نہیں پا سکے گا اور اگر اس کا ہلکا سا شائبہ بھی اس کے باطن میں موجود ہوا تو وہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ صفت میں تبدیل ہو جائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ

''انہی لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔''

عبادت پر تکبر

تکبر کا ساتواں سبب عبادت ہے جو شخص عبادت میں مشغول ہونے سے پہلے علم دین

حاصل نہ کرے اور بندگی کے آداب اور اس کے اسرار سے واقف نہ ہو کامل شیخ کی صحبت میں اپنے نفس کی اصلاح نہ کی ہو اور مرشد کے ہتھوڑے کی مدد سے اپنے اندر موجود مذموم صفات کے سانپوں اور بچھوؤں کے سر نہ کچلے ہوں اس کی بشری صفات کی حرارت نے یقین کے سرد پانی سے تسکین حاصل نہ کی ہو ایسا شخص بدنی عبادت میں مشغول ہوتا ہے حالانکہ اس کا باطن عبادت کے اسرار سے محروم ہوتا ہے جس کی بدولت اس کے باطن پر مذموم صفات کی سیاہی کا غلبہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ریاکاری، خود پسندی، تکبر اور غرور کے ناپاک درختوں کی جڑیں اس کی طبیعت کی زمین میں مضبوط ہوتی چلی جاتی ہیں۔ ایسا شخص مسلسل لاحاصل عبادت سے عزت حاصل کرنے کی ناکام کوشش میں مشغول رہتا ہے۔ اس کی عبادت بذات خود غفلت کا شکار ہوتی ہے جس کی بدولت وہ غافل لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش میں مشغول رہتا ہے۔ یہ عام مسلمانوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور دوسروں سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ اس کی خدمت کریں اسے اپنی محافل میں نمایاں جگہ دیں۔ ممتاز مقام دیں ایسے شخص کا باطن جب مہلک اخلاق سے تباہ ہو جائے اور اس کی عقل ماؤف ہو جائے تو اس کے افعال و احوال سے تکبر، خود پسندی اور غرور کا اظہار ہوتا ہے جبکہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی شان جباری کا خوف اس کے باطن یعنی قلب سے رخصت ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ کی گرفت اور پکڑ سے بے نیاز ہو کر خود کو جنتی اور دوسروں کو جہنمی سمجھتا ہے اور یہ کیفیت اس کی مستقل تباہی کی ضمانت ہے۔

حدیث: نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اذا سمعتم الرجل یقول هلك الناس فهوا هلكهم

''اگر تم کسی شخص کو یہ کہتے سنو کہ لوگ ہلاکت کا شکار ہو گئے ہیں (تو سمجھ جاؤ) وہ خود سب سے زیادہ ہلاکت کا شکار ہوا ہے۔''

کیونکہ اس طرح کی باتیں غرور اور تکبر کے باعث کی جاتی ہیں۔ ایسا شخص بعض اوقات اپنی جہالت اور حماقت کے باعث امور کو اپنی طرف منسوب کرنے لگتا ہے اور یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ فلاں نے میرے ساتھ یہ زیادتی کی جس کے نتیجے میں وہ فلاں مصیبت

میں گرفتار ہو گیا یعنی وہ کسی کی مصیبت کو اپنی کرامت تصور کرے۔ اس بیوقوف نے یہ غور کرنے کی زحمت نہیں کی کہ ہزاروں ملحد اور بے دین لوگ خدا اور اس کے رسول کو برا بھلا کہتے ہیں۔ کتنے ہی بدبختوں نے انبیاءِ کرام کو طرح طرح سے ایذا پہنچائی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا نہیں دی بلکہ انہیں مہلت دی اور پھر ان میں سے بعض افراد کو ایمان لانے کی توفیق ملی اور انہیں ساری زندگی دین و دنیا کی کسی تکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑا جبکہ یہ جاہل احمق بالواسطہ طور پر خود کو انبیاء سے افضل قرار دیتے ہوئے قضائے الٰہی کے نفاذ کو اپنی کرامت تصور کرتا ہے حالانکہ اس کی حماقت پر شیطان بھی اظہار افسوس کرتا ہوگا۔ اور یہود و نصاریٰ کے راہب بھی اس کی مذمت کریں گے۔

اگر کوئی شخص حضرت نوح علیہ السلام کی عمر کے برابر عبادت میں مشغول رہے اور اس تمام عرصے کے دوران ایک لمحے کے لیے بھی سستی کا شکار نہ ہو اور پھر کسی ایک لمحے کے لیے بھی وہ اپنی عبادت پر مسرور ہو کر خود کو کسی عام انسان سے بہتر محسوس کرے تو ایسا شخص درحقیقت اپنے دین کی بنیاد کو جہالت کے پھاوڑے سے کھود رہا ہے اور خود پسندی کے قدموں سے اپنے اعمال کو روند رہا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ○

”یہ لوگ جب اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو ان کے دل لرز رہے ہوتے ہیں کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہونا ہے۔“

(ہمدانی فرماتے ہیں) بعض مفسرین نے یہاں ”یؤتون“ (خرچ کرنے) سے ”یعملون“ (عمل کرنا) مراد لیا ہے۔

حدیث: سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان لوگوں کے بارے میں دریافت کیا:

هم الذين يسرقون ويشربون ويزنون

”(کیا) وہ لوگ جو چوری کرتے ہیں، شراب پیتے ہیں، زنا کرتے ہیں؟“

تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یا بنت الصدیق ! ھم الذین یصلون ویصومون ویتصدقون ویخافون ان لایقبل منھم

''نہیں اے بنت صدیق! یہ وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، صدقہ وخیرات کرتے ہیں اور پھر اس بات سے خوف زدہ رہتے ہیں کہ شاید ان کے یہ اعمال قبول نہ ہوں۔''

معزز قارئین! اللہ کی ذات بے نیاز ہے۔ اس کی بارگاہ میں معصوم فرشتوں کی تمام تر عبادت بھی درحقیقت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اُس کی ذات کے سامنے ساری کائنات کے جملہ علوم اور اعمال معدوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کی علمت شان کے سامنے کسی کے علم یا عمل کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے۔ اس لئے انسان کو چاہیے کہ وہ کبھی بھی اپنے اعمال کے باعث خود پسندی کا شکار نہ ہو۔ اپنے ہر عمل اور کوتاہی کو خوف اور ندامت کی آگ میں جلا کر راکھ کردے اور اپنے دل اور روح کو محبت اور عرفان سے روشن کردے نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہمیشہ پیش نظر رکھے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ

''اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے۔''

عقلمندی کیا ہے؟

شیخ وہب بن منبہ فرماتے ہیں عقل مندی یہی ہے کہ انسان جملہ مخلوقات کو خود سے بہتر سمجھے تاہم اگر کوئی شخص زیادہ عبادت گزار نظر آئے تو اللہ کے فضل سے یہ امید رکھے کہ وہ اسے بھی اس کی توفیق عطا فرمائے گا اور جب اپنے سے ادنیٰ مرتبے کے شخص کو دیکھے تو یہ تصور کرے کہ شاید اس کے باطن میں کوئی ایک ایسی خوبی ضرور موجود ہوگی جس کے باعث اس کی بخشش ہوجائے گی جبکہ مجھے اپنے بارے میں معلوم نہیں ہے کہ میرا کیا انجام ہوگا۔

اس طرح کی سوچ رکھنے سے تکبر کی برائی انسان کے باطن سے زائل ہوجاتی ہے اور عاجزی وانکساری اس کی طبیعت کا حصہ بن جاتی ہے اور تکبر کے ذریعے انسان جس برائی

کے حصوت میں ناکام رہتا ہے بلکہ الٹا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ناپسندیدہ ہوکر نقصان کا شکار ہوتا ہے عاجزی اور انکساری کی بدولت وہی بڑائی بغیر کسی طلب کے انسان کو نصیب ہوجاتی ہے۔

تواضع کی فضیلت

حدیث: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ماتواضع احدللّٰہ الارفعہ اللّٰہ

''جو اللہ کی رضا کے لیے تواضع کرے اللہ تعالیٰ اسے بلند مرتبہ عطا کرتا ہے۔''

فرشتوں کی دُعا

حدیث: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مامن احد الا ومعہ ملکان فان وھو رفع نفسہ جبذاہ ثم قالا اللھم ضعہ وان وضع نفسہ قالا اللھم ارفعہ

''ہر شخص کے ہمراہ دو فرشتے ہوتے ہیں جب کوئی شخص اپنی بڑائی کا اظہار کرتا ہے تو فرشتے یہ دعا کرتے ہیں، اے اللہ! اسے پست کردے اور اگر کوئی شخص عاجزی کا اظہار کرے تو وہ دعا کرتے ہیں، اے اللہ! اس کو مزید بلند مرتبہ عطا فرما!''

مقصد کا حصول

حدیث: نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ ومن تکبر وصعہ اللّٰہ ومن اقتصداغناہ اللّٰہ ومن بذر افقرہُ اللّٰہ ومن اکثر ذکر اللّٰہ احبہ اللّٰہ

''جو شخص اللہ کے لیے عاجزی اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بلند مرتبہ عطا کرے گا جو شخص تکبر کرے گا اللہ تعالیٰ اسے رسوا کرے گا جو شخص (خرچ میں) میانہ روی اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اسے غنی کردے گا جو فضول خرچی کرے گا

اللہ تعالیٰ اسے محتاج کر دے گا، جو شخص کثرت سے اللہ کا ذکر کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اپنا محبوب بنا لے گا''۔

ایک روایت کے مطابق اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی نازل کی:

''بے شک میں اس شخص کی نماز کو قبول کرتا ہوں جو میری عظمت کے سامنے عاجزی اختیار کرے۔ خود کو میری مخلوق سے برتر نہ سمجھے۔ ہمیشہ اپنے دل میں میرا خوف رکھے اور ہر وقت میرے ذکر میں مشغول رہے اور میری خاطر نفسانی خواہشات کی پیروی سے باز رہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد

ایک روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

''دنیا میں عاجزی اختیار کرنے والوں کے لیے یہ خوشخبری ہے کہ وہ قیامت کے دن منبروں پر بیٹھیں گے۔ دنیا میں لوگوں کے درمیان صلح کروانے والوں کے لیے یہ خوشخبری ہے کہ وہ قیامت کے دن جنت الفردوس میں داخل ہوں گے۔ دنیا میں اپنے دل کو پاک وصاف کرنے والوں کے لیے یہ خوشخبری ہے کہ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔''

ابن سماک کا فرمان

ایک مرتبہ مشہور صوفی بزرگ ابن سماک خلیفہ ہارون الرشید سے ملنے آئے اور اسے یہ کہا اے خلیفہ! خلافت اور حکومت کے باوجود تمہاری عاجزی تمہاری اس حکومت سے بہتر ہے۔ ہارون نے عرض کیا، آپ درست فرماتے ہیں۔ کچھ مزید ارشاد فرمائیے تو ابن سماک نے کہا:

''اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو دولت، حسن اور بڑائی عطا کرے اور پھر وہ شخص دولت کے ذریعے مخلوق خدا کے ساتھ بھلائی کرے، حسن کے باوجود پارسائی اختیار کرے اور بڑائی کے باوجود تواضع اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے مقرب بندوں میں شامل کر لیتا ہے۔''

ہارون کے حکم پر اس جملے کو آب زر سے تحریر کیا گیا۔

تواضع کے آداب

معزز قارئین! تواضع ایک اہم دینی حکم اور ارباب تصوف کا خاص شیوہ سلوک ہے جتنا کہ حسن اخلاق کے باب میں ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں کہ ہر صفت کے دو مذموم پہلو ہوتے ہیں یعنی افراط و تفریط اور ایک قابل تعریف پہلو ہوتا ہے یعنی میانہ روی۔ اسی طرح تواضع میں افراط تکبر کہلائے گا اور تفریط کمینگی کہلائے گی جبکہ میانہ روی حقیقی تواضع ہے۔
سابقہ سطور میں جو کچھ بھی بیان کیا گیا اس کا تعلق تواضع میں افراط کے ساتھ تھا۔ افراط کی طرح تواضع میں تفریط بھی ممنوع ہے۔ اس کی مثال ہم یوں بیان کر سکتے ہیں جیسے کوئی بھنگی کسی عالم دین سے ملنے آئے اور وہ عالم کھڑے ہو کر اس کا استقبال کرے۔ خود اس کا جوتا اٹھا کر ایک طرف رکھے اور اسے اپنی خاص مسند پر بٹھا کر خود اس کے سامنے کھڑا ہو جائے۔ یہ تمام حرکات قابل مذمت ہوں گی کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

لیس لمؤمنٍ ان یذل نفسه

''مومن کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کوئی ایسی حرکت کرے جس سے اس کی بے عزتی کا اظہار ہو۔''

لہٰذا تواضع میں بھی میانہ روی کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اپنے ہم مرتبہ لوگوں کے ساتھ مذکورہ بالا افعال سرانجام دینا یقیناً قابل تعریف ہے لیکن نچلے طبقے کے لوگوں کے ساتھ ایسا کرنا حماقت اور کمینگی ہے۔ میانہ روی یہی ہے کہ ہر شخص کے ساتھ اس کے مرتبہ و مقام کے مطابق سلوک کیا جائے۔ کسی بھنگی اور چمار کے عالم کا حسن سلوک یہی ہے کہ خندہ پیشانی سے ملتے ہوئے پوری توجہ سے اس کی بات سے نرم لہجے میں گفتگو کرے اور اس کی حاجت روائی میں پوری کوشش کرے۔ البتہ دل میں خود کو اس سے بہتر نہ سمجھے اگر یہ امور بغیر کسی تکلف کے صادر ہو جائیں تو یہی حقیقی میانہ روی ہے۔

غضب کا بیان

اب ہم غضب کی مذمت، اس کے نقصانات، اس کے اسباب اور اس کے ازالے کی

مختلف تدابیر کی وضاحت کریں گے۔حلم و بردباری کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔اس لئے ہم مختصر طور پر اس کی بھی وضاحت کریں گے۔

غصے پر قابو پانے کی فضیلت

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

سالت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه والٰه وسلم ماذا یبعدنی من غضب اللّٰه قال ان لاتغضب

''میں نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا میں اللہ کے غضب سے کس طرح بچ سکتا ہوں تو آپ نے فرمایا تم غضب نہ کرو۔''

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه والٰه وسلم ماتعدون الصرعة فیکم ؟ قلنا الذی لایصرعه الرجال، قال لیس ذٰلك ولکن الذی یملك نفسه عندالغضب.

''نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا، تمہارے نزدیک مردانگی کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی یہی کے کوئی شخص اسے پچھاڑ نہ سکے۔

آپ ﷺ نے فرمایا، ایسانہیں ہے (مردانگی یہ ہے کہ) غضب کے وقت انسان اپنے آپ پر قابو رکھے۔''

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

ان رجلا قال یارسول اللّٰه ذلنی علی عمل قلیل قال لاتغضب ثم اعاذ علیه قال لاتغضب

''ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! مجھے کسی مختصر سے عمل کے بارے میں بتائیں تو آپ نے فرمایا تم غضب نہ کرو۔ اس نے اپنا سوال دہرایا تو آپ نے فرمایا تم غضب نہ کرو۔''

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من كف غضبه ستر الله عورته

''جو شخص اپنے غضب پر قابو رکھے اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرتا ہے۔''

حدیث: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قلت یارسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم دلنی علی عمل یدخلنی الجنة قال لاتغضب

''ایک دن میں نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا۔ مجھے کسی ایسے عمل کے بارے میں بتائیں جس کی بدولت میں جنت میں داخل ہوجاؤں تو آپ نے فرمایا تم غضب نہ کرو۔''

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ماغضب احدالااشفی علی جهنم

''جو شخص غضب ناک ہوتا ہے وہ جہنم کے کنارے تک پہنچ جاتا ہے۔''

سال رجل یارسول اللہ ای شیء یوم القیامة الشد قال غضب اللہ قال فما یبعدنی من غضب اللہ قال ان لاتغضب

''ایک شخص نے دریافت کیا، یارسول اللہ! قیامت کے دن سب سے زیادہ شدید چیز کیا ہوگی؟ آپ نے فرمایا، اللہ کا غضب۔ اس نے دریافت کیا، اللہ کے غضب سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا (کسی پر ناحق) غضب ناک نہ ہونا۔''

حدیث: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الغضب جمرة من النار من اطفاء ها کان معی فی الجنة

''غصہ جہنم کا ایک انگارہ ہے جو اسے بجھا دے گا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔''

غضب کا اظہار

معزز قارئین! یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ غصہ ایک آتشی قوت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے

اپنی خاص حکمت کے تحت انسان کے خمیر میں رکھا ہے تا کہ انسان نقصان پہنچانے والی چیزوں سے بچ سکے۔ غصے کی آگ انسانی طبیعت میں اسی طرح موجود ہے جیسے راکھ میں آگ موجود ہوتی ہے۔اس آگ کی غذا یہ ہے کہ انسان اپنے مخالف سے انتقام لے۔ جیسے ہی انسان کو کوئی نقصان پہنچاتا ہے یہ آگ فوراً بھڑک اٹھتی ہے جس کے نتیجے میں رگوں میں گردش کرتے ہوئے لہو کی رفتار تیز ہوجاتی ہے اور اس کا اثر چہرے کی سرخی کے طور پر ظاہر ہوتا ہے۔

غصے کے اظہار کی تین صورتیں ہیں۔

1- پہلی قسم یہ ہے کہ انسان جس شخص پر غصہ کرے وہ کمزور ہو اور اس سے انتقام لینا ممکن ہو۔ایسی صورت میں جب انسان کو غصہ آتا ہے تو اس کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہوجاتی ہے۔

2- دوسری قسم یہ ہے کہ انسان کو جس شخص پر غصہ آئے وہ طاقت ور ہو۔ایسی صورت میں انتقام لینے کی مایوسی غصے میں شامل ہوجاتی ہے اور اس صورت میں خون کا دباؤ چہرے کے بجائے دل کی طرف ہوجاتا ہے جس کے نتیجے میں چہرے کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔اس غصے کی ابتدائی حالت کو قہر اور باہر والی حالت کو خوف کہتے ہیں۔

3- تیسری قسم یہ ہے کہ انسان کو اپنے ہم مرتبہ شخص پر غصہ آئے۔ایسی صورت میں انسان انتقام لینے کے معاملہ میں متردد ہوجاتا ہے جس کے نتیجہ میں خون کی گردش متاثر ہوتی ہے اور انسان کا چہرہ کبھی سرخ اور کبھی زرد ہوتا ہے جو طبیعت کے اضطراب کی علامت ہے۔

دیگر تمام صفات کی طرح غضب کے بھی تین مراتب ہیں یعنی افراط و تفریط اور اعتدال۔

غصے میں افراط وتفریط

غضب میں افراط یہ ہے کہ شدت غضب کے باعث انسان کا ذہن ماؤف ہوجائے، بصیرت پر پردہ پڑ جائے، سوچ ختم ہوجائے۔ ایسی صورت یا طبعی ہوتی ہے یا عادی ہوتی

ہے۔ طبعی صورت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص فطری طور پر گرم مزاج کا مالک ہو جس کی بدولت وہ ایک غصہ دار شخص کے طور پر مشہور ہو۔ ایسے شخص کے لیے مناسب ہے کہ طیش کی حالت میں کوئی ایسا کام کرے جس سے اس کا دماغ ٹھنڈا ہو۔ عادی غصے سے مراد یہ ہے کہ انسان ایسے فراد میں نشست و برخاست رکھتا ہو جن کے نزدیک غصے کا اظہار بڑائی اور فخر کی علامت ہو یعنی وہ لوگ اپنی عام گفتگو میں فخریہ طور پر اپنے غصے کے واقعات سناتے ہیں اور عام جہلاء لاعلمی اور حماقت کے باعث اسے کمال تصور کریں اور یہ سوچیں کہ ہم بھی اپنے اندر اس صفت کو پختہ کریں گے۔

انسانی دماغ سوچ اور فکر کا مرکز ہے۔ بعض لوگوں کو جب طیش آتا ہے تو ایک تاریک دھواں ان کے دماغ کی طرف چڑھتا ہے جس کے نتیجے میں وہ عقل وشعور سے بیگانہ ہو جاتے ہیں اور اس اشتعال کے باعث ان کی آنکھیں حقائق کو سمجھنے اور کان نصیحت سننے سے عاری ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی نصیحت کی بات سن کر ان کے اشتعال میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے بلکہ بعض لوگ غصے کی شدت کے باعث (دماغ کی شریان پھٹنے سے) ہلاک بھی ہو جاتے ہیں۔

غصے میں تفریط عام طور پر اس وقت پائی جاتی ہے جب کوئی ایسی صورتحال موجود نہ ہو جس سے غصے میں اضافہ ہو سکے یا پھر یہ اُس وقت سامنے آتی ہے جب انسان کمزور ہو۔ بعض اوقات غصے کا عدم اظہار بے غیرتی شمار ہوتا ہے اور جس شخص میں غیرت نہ ہو وہ ناقص ہے۔

حدیث: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان سعدالغیور وانا اغیر من سعد واللّٰہ اغیر منی

''سعد بہت غیور ہیں اور میں سعد سے زیادہ غیرت والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیرت والا ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

''اے نبی! کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔''

سختی، غیرت وحمیت کا علامتی نشان ہے اور اس کی عدم موجودگی بزدلی ہے۔ بزدلی کی علامت یہ ہے کہ انسان منکرات کو دیکھ کر بھی خاموش رہے جیسے کوئی شخص اس کی ماں، بہن یا بیوی کو چھیڑ دے اور یہ خاموش کھڑا رہے۔ اسی طرح نچلے اور کمتر لوگوں سے بے عزتی کروانا بھی بزدلی کی علامت ہے۔ اگر کوئی شخص بزدلی کا شکار ہو اسے اس سے نجات کی ترکیب بنانا چاہئے۔ بزدلی کی مذمت کے لیے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان قابل غور ہے:

حدیث: خیار امتی احداء ھا الذین اذا غضوا رجعوا

''میری امت میں سب سے بہترین وہ لوگ ہیں جو تیز مزاج کے مالک ہوں مگر جب انہیں غصہ آئے تو وہ فوراً اس پر قابو بھی پالیں۔''

غضب کا جوہر

جس شخص کے اندر غضب کا جوہر موجود نہ ہو وہ نفس کی ریاضت اور اخروی سعادت کے راستے پر نہیں چل سکتا کیونکہ کوئی بھی صاحب بصیرت سالک غضب کے جوہر کے ذریعے نفس کو لگام دیتا ہے اور کبھی شہوانی قوت کی مدد سے غضبی قوت کو اعتدال پر رکھتا ہے۔ لہٰذا یہ دونوں قوتیں طالبان حق کے لیے پروں کی حیثیت رکھتی ہیں جن کی مدد سے یہ حضرات بارگاہ ربّ العزت تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور معرفت کے بلند مراتب پر فائز ہوتے ہیں۔

مختصر یہ کہ غضب میں افراط وتفریط دونوں ممنوع ہیں اور اعتدال یہ ہے کہ غضب شریعت اور عقل دونوں کے تابع ہو کسی بھی موقع پر جب شریعت اور عقل اس کو ابھاریں تو یہ ابھر آئے اور اگر کسی مقام پر حلم اور عفو کی ضرورت ہو تو اس کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے۔ جو شخص بزدلی کا شکار ہو اس پر واجب ہے کہ وہ علاج معالجے کے ذریعے اپنے اندر غضب کی قوت کو مضبوط کرے اور جو شخص غضب میں حد سے بڑھ کر شرعی حدود کی خلاف ورزی پر اتر آئے اسے بھی چاہئے کہ وہ علاج معالجے کے ذریعے اس پر قابو پانے کی کوشش کرے۔

غصے سے نجات کا طریقہ

غضب کے جوش کو اعتدال میں لانے کے چار طریقے ہیں۔

رضائے الٰہی پر نظر رکھنا، حکمت الٰہی پر نظر رکھنا، غلبہ توحید، علم وعمل کے ذریعے علاج۔

پہلی صورت یعنی رضائے الٰہی پر نظر رکھنے کا مفہوم یہ ہے کہ انسان یہ بات سمجھ لے کہ اللہ کی رضا اسی بات میں ہے کہ اس کے بندوں پر ناحق غصہ نہ کیا جائے لہٰذا رضائے الٰہی کے حصول کی طلب انسان کی آتش غضب کو بجھا دے گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ انسان یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر حکمت سے خالی نہیں ہوگی لہٰذا حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ جو چیز بندے کے حق میں بہتر ہو اللہ تعالیٰ اسی کام کا حکم دے اگرچہ ظاہری طور پر اس میں جسمانی ہلاکت کا اندیشہ ہو کیونکہ آخرت میں وہی عمل اس کے لیے ابدی سعادت کے حصول کا سبب بن جائے گا۔

تیسری صورت غلبہ توحید کی ہے یعنی کائنات میں جو کچھ موجود ہے، صلاح وفساد، عزت وذلت، نعمت وتکلیف، خوشی وغمی، سود وضیاع، کمی وبیشی، یہ سب یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ انسان اس بات کا یقین کرے اور تمام افراد کے بارے میں یہ گمان کرے کہ دست قدرت کے سامنے ان کی مثال بالکل اسی طرح ہے کہ جیسے کسی کاتب کے ہاتھ میں قلم موجود ہوتا ہے (یعنی اس قلم کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی)

یہ غلبہ توحید انسان کی آتش غضب کو بجھا دے گا لیکن ایمان کی یہ کیفیت بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے اور جس کو یہ نصیب ہو جائے اسے بھی لمحے بھر کے لیے ملتی ہے اور جب یہ کیفیت گزر جائے تو نفس اصل حالت کی طرف واپس آجاتا ہے اور انسان کی توجہ اسباب و وسائل کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ اگر یہ کیفیت مستقل طور پر کسی کو نصیب ہوئی تو نبی اکرم ﷺ اس کے سب سے زیادہ حقدار تھے۔

(ایک روایت کے الفاظ یوں نقل کیے گئے ہیں)

حدیث: كان رسول الله لايغضب للدنيا فاذا غضبه الحق لم يعرفه احد ولم يقم لغضبه شيء حتى ينتصر له

''نبی کریم ﷺ کبھی بھی کسی دنیاوی معاملے میں غصہ نہیں فرماتے تھے۔ البتہ حق کی خاطر آپ غضبناک ہو جاتے تھے اور اس وقت کوئی آپ کو پہچان نہیں

سکتا تھا اور آپ کا غضب اس وقت ختم ہوتا جب باطل ختم ہو جاتا۔"

غصے کا علاج

چوتھی صورت یہ ہے کہ غصے کی تیزی کو ختم کرنے کے لیے علاج معالجے کو اختیار کیا جائے۔ اس کے لیے پانچ چیزیں مفید ہیں۔

(i) پہلی چیز یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور سزا سے ڈرائے اور یہ بات پیش نظر رکھ لے کہ اس شخص سے انتقام لینے کی جو قدرت مجھے حاصل ہے اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو مجھ پر قدرت حاصل ہے اور تیرے غصے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ مجھ سے بڑا ہے۔ اگر میں نے اس شخص سے انتقام لیا تو ایسا نہ ہو کہ میں خود اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہو جاؤں۔ ایک حدیث قدسی کے مطابق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يا ابن آدم اذكرني حين تغضب اذكرك حين اغضب فلا امحقك فيما امحق

"اے آدم کے بیٹے! غصے کی حالت میں مجھے یاد رکھنا میں غصے کی حالت میں تجھے یاد رکھوں گا اور میں تمہیں دوسرے لوگوں کی طرح ہلاک نہیں کروں گا۔"

(ii) دوسری چیز یہ ہے کہ انسان غصے کے انجام کو پیش نظر رکھے کہ دشمنی، ظلم، بے عزتی وغیرہ سے انسان محفوظ رہے گا اگرچہ یہ امور براہ راست آخرت سے متعلق نہیں ہیں۔ تاہم اگر انسان یہ نیت کر لے کہ ان کے باعث اس کے معمولات حیات متاثر نہیں ہوں گے اور وہ مستقل مزاجی سے عبادت میں مشغول رہے گا تو امید ہے کہ وہ اجر و ثواب کا مستحق قرار پائے گا۔

(iii) تیسری چیز یہ ہے کہ انسان سبق پر غور کرے جس کے باعث حلم رخصت ہو جاتا ہے اور انسان کی آتش غضب بھڑک اٹھتی ہے۔ بلاشبہ یہ نفس کے وسوسے اور شیطان کے فریب ہوتے ہیں کہ اگر تم نے انتقام نہ لیا تو لوگ تمہیں کمزور سمجھیں گے اور اس طرح تمہاری بے عزتی ہوگی۔ لوگ تمہیں حقارت سے دیکھیں گے انسان کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ دنیاوی ذلت کی بہ نسبت آخرت کی ذلت زیادہ مشکل ہے اور لوگوں کے سامنے

بے عزتی، اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور انبیاء کے سامنے بے عزتی سے زیادہ آسان ہے کیونکہ عام طور پر لوگوں کے تعریف کرنے یا برا بھلا کہنے سے دنیا و آخرت میں انسان کو کوئی دینی نفع یا نقصان نہیں ہوتا لیکن کوئی بھی دینی نقصان ایک بدنصیبی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

(iv) چوتھی چیز یہ ہے کہ انسان یہ حقیقت پیش نظر رکھے کہ کیا اس کا غصہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہے یا اس کی مرضی کے خلاف ہے۔ اگر اس کا غصہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اپنے نفس کی مرضی کو اللہ کی مرضی سے بہتر سمجھا ہے لہٰذا ایسا شخص یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ہوجاتا ہے۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل و کرم کی بدولت (اسے توبہ کی توفیق عنایت فرما دے)

(v) پانچویں چیز یہ ہے کہ ان تمام احادیث کو پیش نظر رکھا جائے جن میں غصے پر قابو پانے، معاف کرنے، بردباری اختیار کرنے، دوسروں کی زیادتی برداشت کرنے وغیرہ کے فضائل موجود ہوں لہٰذا نفس کو ثواب کی ترغیب دیتے ہوئے اس کی آتش غضب کو ٹھنڈا کیا جائے۔

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الرجل المسلم ليدرك بالحلم درجة الصائم القائم وانه ليكتب جبارا ومايملك الااهل بيته

''بے شک مسلمان اپنے حلم کے ذریعے روزے دار اور (رات کے وقت) عبادت گزار شخص کا سا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ اور بے شک (غصہ دار لوگوں کا نام) ''جباروں'' کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ اگر وہ صرف اہل خانہ پر ہی حکم چلا سکتے ہوں۔''

حدیث: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

من كف غضبه كف الله عنه عذابه

''جوشخص اپنے غضب پر قابو پالیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔''

حدیث: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

من کظم غیضا ولو شاء ان یمضیه امضاه ملاء الله قلبه یوم القیامة امنا و ایمانا

''جوشخص اپنے غصے پر قابو پالے اس وقت جب کہ وہ غصے کے اظہار کی قدرت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے دل کو امن اور ایمان سے بھر دے گا۔''

اس حدیث کا بلواسطہ مفہوم یہ ہے کہ جوشخص اپنے ماتحتوں کے ساتھ زیادتی کرے گا وہ آخرت میں ابدی سعادت کے حصول سے خود کو محروم کر لے گا اور قیامت کے دن ظلم کے اندھیروں میں گم ہو جائے گا۔

اے کہ شدی دررہ غفلت سوار
آخر ازاں روز یکے شرم دار

''اے غفلت کے راستے پر چلنے والے! آخر اس ایک (قیامت کے) دن تو شرمندہ ہوگا''

چند غبار ستم انگیختن
آب خود و خون کساں ریختن

تو کتنا ظلم وستم کرے گا؟ اپنا پسینہ اور دوسروں کا خون کہاں تک بہائے گا

ظلم شد امروز تماشائے تو
وائے برسوائی فردائے تو

آج تم نے ظلم کو کھیل بنالیا ہے کل تمہیں جس رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا یہ اس پر افسوس میں کیا جاسکتا ہے۔

مال کساں چند ستانی بزور
غافلی از مردن فردا و گور

کسی کا مال زبردستی کہاں تک چھینو گے تم کل آنے والی موت اور قبر سے غافل ہو

نام خود از ظلم چرا بدکنی
ظلم کنی وائے کہ برخود کنی

ظلم کے باعث اپنا نام کیوں بدنام کررہے ہو' تم ظلم ضرور کررہے مگر افسوس! خود اپنے اوپر ظلم کررہے

بہتر ازیں در دلت آزرم باد
ہم زخود وہم زخدا شرم باد

اس سے تو بہتر یہ ہے کہ تمہارے دل میں اپنے آپ اور باری تعالیٰ سے شرم موجود ہو

راحت مردم طلب آزار چیست؟
جز خجلی حاصل ایں کار چیست؟

لوگوں کو خوشی دو، ستانا کیا؟ اس کام سے رسوائی کے علاوہ اور کیا حاصل ہوگا

چند غرورا ے دغل خاکداں
چند منی اے دوسہ من استخواں

اے مٹی میں مل جانے والے! تمہارا غرور کب تک رہے گا' اے دو، تین من ہڈیوں والے، یہ ''میں'' کب تک رہے گی

ملک ضعیفاں بکف آوردہ گیر
مال یتیماں بہ ستم خوردہ گیر

کمزور لوگوں پر حکمرانی کو مضبوط کرتے ہو' اور یتیم بچوں کا مال ہتھیاتے جاؤ

روز قیامت کہ بود داوری
عذر بیاور کہ چہ عذر آوری

قیامت کے دن جب انصاف ہوگا' بتاؤ! تم وہاں ون سا عذر پیش کرو گے

معزز قارئین! ظلم وستم، زیادتی، غصہ اور تمام مذموم صفات انسان کو تباہی کے راستے پر

لے جاتے ہیں اور یہ سب تکبر اور خود پسندی کا نتیجہ ہے۔ اس لئے ہم پر فرض ہے کہ ہم اس سے نجات پانے کی کوشش کریں۔

تکبر ختم کرنے کا طریقہ

نفس امارہ کی بنیاد سے تکبر اور خود پسندی ی جڑ اکھاڑنے کی بنیاد دو اصولوں پر قائم ہے۔

پہلا اصول اپنی ذات کی معرفت ہے یعنی انسان اپنے نفس کے عیوب، اپنی کمزوری اور عاجزی کو پیش نظر رکھے۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی عظمت و کبریائی' اس کے غلبہ وجلال اور قدرت کو پیش نظر رکھے۔

جو شخص ان دونوں اصولوں کے اسرار اور حقائق سے آگاہ ہو جاتا ہے بلاشبہ اس کے اندر عاجزی و انکساری کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور اللہ کا خوف اس پر غالب آ جاتا ہے جس کے نتیجے میں اس کی طبیعت میں تحمل و بردباری، رحمت وشفقت کے احساسات پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ ہر شخص یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ وہ عالم جبروت وملکوت تک پرواز کر سکے اور اللہ تعالیٰ کے افعال و صفات کے اسرار کا مشاہدہ کر سکے۔ اس لئے بنیادی ضرورت یہ ہے کہ انسان اپنے آپ سے آگاہ ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نفس کے آغاز، انجام اور اس سے متعلق دیگر معلومات کو قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے۔

جیسا کہ ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرَهٗ ○ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ○ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ○ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ○ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ○ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ○

''انسان پر لعنت ہو، یہ کیسا حق کا منکر ہے (یہ نہیں سوچتا) اسے کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ ایک نطفے سے اسے پیدا کیا گیا اور پھر اس (کی شکل و صورت) بنائی گئی پھر (زندگی کی) راہ اس کے لیے آسان کی گئی پھر اسے موت دی گئی اور قبر میں دفن کیا، پھر جب (اللہ تعالیٰ) چاہئے گا اسے (دوبارہ) زندہ کردے گا''۔

یہ آیت نفس کے آغاز اور انجام کے بارے میں ایک واضح بیان ہے لہٰذا ہر عقل مند کو چاہئے کہ وہ ان آیات کے اسرار کی باریکیوں میں اپنے نور بصیرت کی مدد سے غور وفکر کرے اور اپنی اصل حقیقت سے آگاہ ہوجائے۔

انسان کی حیثیت

انسان کی ابتدائی حالت یہ ہے کہ کئی ہزار برس اس کی موجودگی کے بغیر گزر چکے ہیں اور اس تمام عرصے کے دوران وہ ایک معدوم چیز تھا۔ صفحہ ہستی پر اس کا کوئی نام ونشان موجود نہ تھا۔ ایسی چیز کی کیا حیثیت ہوگی جس کے وجود سے پہلے عدم تھا اور عدم سے زیادہ باریک اساس اور کیا ہوسکتی ہے پس اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت اسے وجود عطا کیا اور اس کا خمیر مٹی سے بنایا گیا جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور وہ مٹی بھی پہلے نطفے کی شکل میں موجود ہوتی ہے جس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ ہو اور پھر یہ نطفہ گوشت اور ہڈیوں کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ یعنی انسان کا آغاز یہ ہے کہ اسے کم تر اشیاء کی شکل میں پیدا کیا تاکہ وہ یہ بات جان لے کہ اصل فطرت کے اعتبار سے وہ ایک جامد چیز تھی جس میں زندگی کی کوئی حرارت موجود نہیں تھی۔ دیکھتے ہونے، حرکت کرنے، بولنے، علم، قدرت کوئی خصوصیت موجود نہیں تھی پس اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت انسان کو مختلف اوصاف عطا کئے تاہم ان تمام اوصاف سے پہلے ان کی نقیض موجود تھی، جیسے علم سے پہلے جہالت، قدرت سے پہلے عاجزی، قوت سے پہلے ضعف، بینائی سے پہلے نابینائی، سماعت سے پہلے بہرا پن، گویائی سے پہلے گونگا پن، غنا سے پہلے فقر اور ہدایت سے پہلے گمراہی۔

قرآن اسی لئے غافلوں کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ

''اسے کس چیز سے پیدا کیا، ایک نطفے سے اور پھر اسے شکل وصورت عطا کی گئی۔''

اس کا مقصد یہی ہے کہ انسان اپنی اصل حقیقت کی بے مائیگی سے آگاہ ہوکر شرح صدر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے قابل ہوسکے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اتنی بے شمار

نعمتیں اس قدر وافر مقدار میں عطا فرمائی ہیں۔

انسان کی درمیانی حالت

انسان کی درمیانی حالت یہ ہے کہ (قرآن کہتا ہے)

ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ

''پھر (اللہ تعالیٰ نے) اس کے لیے (زندگی کا) راستہ آسان کر دیا۔''

تاکہ انسان یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کہ وہ ایک بے جان اور بے نشان معدوم چیز تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زندگی عطا فرمائی، وہ بہرہ تھا اسے سماعت عطا کی، وہ اندھا تھا، اسے بینائی عطا کی، وہ گونگا تھا اسے گویائی عطا کی، وہ کمزور تھا اسے طاقت عطا کی، وہ جاہل تھا اسے علم عطا کیا، وہ فقیر تھا اسے غنی کیا، وہ بھوکا تھا اسے سیر کیا، وہ بے لباس تھا اسے لباس عطا کیا، وہ گمراہ تھا اسے ہدایت کی تاکہ وہ پورے یقین کے ساتھ اپنے خالق و مالک کی نعمتوں سے واقف ہو سکے اور تمام تر آداب کے ہمراہ حقوق بندگی ادا کر سکے۔ خود پسندی اور تکبر سے بچا رہے۔ لوگوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کر کے اللہ کی نافرمانی کا اظہار نہ کرے اور یہ جان لے کہ بڑھائی اور عزت صرف اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ انسان ایک کمزور مخلوق ہے۔ اس کا اپنے اوپر فخر کرنا اور اترانا نہایت قبیح جرم ہے۔ اگر اس کو اپنی زندگی ہی پر کوئی اختیار ہوتا تو بھی کہا جا سکتا تھا کہ اب یہ تکبر کر سکتا ہے مگر خالق کائنات نے زندگی کا معاملہ اپنے دست قدرت میں رکھا ہے بلکہ انسان کو دنیا میں مختلف طرح کی آزمائشوں کا شکار کیا جاتا ہے۔ ہولناک امراض، آسمانی و دنیاوی آفات اور متضاد مزاج اس پر مسلط کیے ہیں۔ جو اس کی مرضی کے بغیر ہی شکست و ریخت کے عمل سے گزرتے رہتے ہیں جیسے صفراویت غالب ہونے کی صورت میں دق، یرقان، بخار ہو جاتا ہے۔ بلغم کے غلبے کے وقت لقوہ، فالج یا برص پیدا ہو جاتا ہے۔ خون کی شدت میں مرداوی امراض یعنی جنون، سرسام، مالخولیہ غالب آ جاتے ہیں، تری کے غلبے کے وقت نزلہ، زکام، کھانسی کی شکایت ہو جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ دنیا کا کوئی بھی کام مکمل طور پر انسان کے قبضہ و قدرت میں نہیں ہے۔ انسان بذات خود کوئی نفع یا بھلائی حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح کسی نقصان یا شر سے محفوظ

نہیں رہ سکتا۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب انسان سیر ہونے کا خواہش مند ہو تو بھوکا پیاسا رہ جائے۔ کسی چیز کے بارے میں جاننا چاہتا ہو اور نہ جان پائے۔ کوئی چیز حاصل کرنا چاہتا ہو اور حاصل نہ کر پائے۔ کوئی چیز یاد رکھنا چاہتا ہو اور بھول جائے۔ کچھ بھولنا چاہتا ہو اور وہ یاد رہے۔ کوئی کھانا مرغوب ہو لیکن وہ مزاج کے موافق نہ ہو۔ غم اور پریشانی کے باعث اس کے خیالات منتشر ہو جائیں اور وہ کسی ایسی چیز کے حصول کا خواہاں ہو جو اس کے لیے نقصان دہ ہو یا کسی ایسی چیز سے دور بھاگے جو اس کے لیے مفید ہو۔ ہر لمحے اس بات کا امکان موجود ہو کہ اس کی کوئی قوت ضائع نہ ہو جائے۔ کوئی عضو مفلوج نہ ہو جائے روح جسم سے رخصت نہ ہو جائے، انسان تندرستی میں نفسانی خواہشات کا اسیر ہو کر رہ جاتا ہے اور بیماری میں غموں کا اسیر ہو جاتا ہے۔ نیند کی حالت میں غافل ہو جاتا اور بیداری میں پریشانیاں گھیرے رکھتی ہیں۔ دولت مل جائے تو سرکش ہو جاتا ہے اور تنگدستی میں ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ بذات خود ایک مکھی یا چیونٹی کو بھی نہیں ہٹا سکتا۔ اس سے زیادہ کمزور مخلوق اور کون سی ہوگی۔

آخری حالت

انسان کی آخری حالت کا تذکرہ قرآن نے ان الفاظ میں کیا ہے:

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۝

''پھر اسے موت دے کر قبر تک پہنچا دیا اور پھر جب وہ چاہے گا اسے زندہ کر دے گا۔

یعنی انسان کے جسم کا انجام یہ ہے کہ نفس، روح، عقل، سماعت، بصارت، علم، قدرت، حرکت تمام جسمانی لوازمات جو بطور امانت دیئے گئے تھے وہ سب واپس لئے جائیں گے اور اس کا بے جان وجود پہلے کی طرح جمادات کی مانند ہو جائے گا جسے آخر کار مٹی میں دفن کر دیا جائے گا۔ وہ جسم جو مختلف طرح کی نعمتوں سے لطیف اندوز ہوتا تھا اب سانپوں اور کیڑوں مکوڑوں کی خوراک بنے گا اور پھر کسی ہزار برس تک وہ یونہی مٹی میں بے نام و نشان پڑا رہے گا۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی کمہار اس مٹی کا پیالہ بنائے اور پھر اسے توڑ کر کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دے۔ اے کاش انسان ہمیشہ معدوم رہتا اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے حساب نہ لیتا۔ اس پر فرشتوں کو مسلط نہ کیا جاتا، اس کا نامہ اعمال نہ کھولا جاتا، دوزخ نے فرشتوں کا

خطاب نہ سنتا، زنجیروں کا بوجھ نہ اٹھانا پڑتا، دوزخیوں کی پیپ پینے کو نہ ملتی۔

مگر ایسا نہیں ہوگا۔ اس کے منتشر و متفرق اجزاء کو اکٹھا کر کے جسم کی شکل میں برہنہ اٹھایا جائے گے۔ خوف و ہیبت کی بجلیاں چمک رہی ہوں گی اور سر محشر اس کے اعمال کی رسوائی اسے سنائی جائے گی۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سمندروں کے کسی ایک قطرے کو اس کا مددگار نہ بنائے تو وہ ابدی عذاب کا شکار رہے گا اور پھر کسی کی سفارش اسے عذاب سے چھٹکارا نہیں دلا سکے گی بلکہ عذاب کی شدت میں لمحے بھر کی تخفیف بھی نہیں کروا سکے گی۔ عذاب کی شدت کے باعث اس کی کیفیت یہ ہوگی کہ وہ کتے اور خنزیر کو اپنے آپ سے ہزار گنا بہتر تصور کرے گا کیونکہ وہ معدوم ہوں گے اور انہیں کسی حساب و کتاب کا کوئی خوف نہیں ہوگا۔

بعض روایات میں یہ بات منقول ہے کہ اگر کسی گنہگار کی اس شکل کو دنیا کے سامنے ظاہر کر دیا جائے تو سب لوگ اسے دیکھ کر دہشت زدہ ہو جائیں گے اور اگر کسی ایک دوزخی کی بدبو دنیا پر ظاہر کر دی جائے تو سب لوگ فوت ہو جائیں گے اور جہنم میں اہل جہنم کو جو پیپ پلائی جائے گی اس کا ایک قطرہ دنیا پر انڈیل دیا جائے تو روئے زمین کے تمام دریاؤں کا پانی کڑوا اور بدبودار ہو جائے گا۔

مقبولانِ بارگاہ اور خوف الٰہی

انسان کے آغاز و انجام کا حال آپ نے سن لیا جس شخص کو آخرت میں ایسا عظیم خطرہ درپیش ہو وہ بھلا دنیا میں کس چیز سے لطف اندوز ہو سکتا ہے؟ یا اپنے آپ کو دوسروں سے کس طرح بہتر سمجھ سکتا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام اور اولیائے عظام دنیاوی لذات و نعمتوں سے کنارہ کش رہتے تھے۔

حدیث: نبی اکرم ﷺ سے کمال نبوت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

یالیت ربّ محمد لم یخلق محمدا

''اے کاش! محمد ﷺ کے پروردگار نے محمد ﷺ کو پیدا نہ کیا ہوتا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے ہیں:

''اے کاش! میں ایک تنکا ہوتا اور مجھے قبر کی وحشت اور قیامت کی ہیبت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔''

حضرت ابوعبید بن الجراح رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''کاش میں ایک بھیڑ ہوتا لوگ مجھے ذبح کر کے کھا لیتے مگر مجھے قیامت کے دن حاضر نہ ہونا پڑتا۔''

روایات میں آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام گریہ وزاری کے ہمراہ یہ کہا کرتے تھے۔

''الٰہی میرا نفس کمزور ہے اور یہ تیری رحمت کے سورج کی گرمی کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو بھلا یہ تیرے غضب کی آگ کو کس طرح برداشت کرسکتا ہے؟''

میدان نبوت کے شاہسواروں اور صفوت ولایت کے سواروں کی تو یہ کیفیت ہے۔ ہم جیسے خطا کار، گنہگار، اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم پر خوف الٰہی زیادہ سے زیادہ طاری رہے لیکن (یہ بات یاد رکھیں) غلبہ خوف صفائی قلب اور زیادتی معرفت کی بدولت ہوتا ہے۔ شدت غفلت یا کثرت ذنوب کے باعث نہیں ہوتا۔

ہمارے دل کی نگاہوں کے سامنے غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی آگ نے ہمارے یقین اور بصیرت کو جلا دیا ہے۔ شیطان ہمیں بے وقوف بنا چکا ہے، نفسانی خواہشات ہمیں تباہی و بربادی کے راستے پر لے جا چکی ہیں اور گناہوں کی کثرت نے ہمیں بے آبرو کر دیا ہے۔

معاف کرنے والے، بخشنے والے، مہربان، اللہ سے ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ اپنی شان کے مطابق ہمارے ساتھ معاملہ فرمائے اور ہمارے برے اعمال کی پردہ پوشی فرمائے جیسا کہ اس کے فضل و کرم کا تقاضا ہے۔ بے شک وہ قریب ہے اور دعاؤں کو سننے والا ہے۔

تمام تر تعریفوں کی مستحق صرف اللہ کی ذات ہے۔
اور ہدایت قبول کرنے والا ہر شخص سلامت رہے۔

حرفِ اختتام

اللہ تعالیٰ کا بے حد و شمار احسان ہے کہ اُس نے ہمیں اس کتاب کے ترجمے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی سعادت عطا کی۔

اُس کی بارگاہ میں دُعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح طور پر اسلامی تعلیمات کا علم حاصل کرنے، ان پر عمل کرنے اور ان کی تبلیغ کرنے کی توفیق عطا کرے۔

محمد محی الدین

اللہ تعالیٰ اُس کے گناہوں اور کوتاہیوں سے
درگزر کرے

المتجر الرابح

الابریز

حضرۃ عبد العزیز دباغ

ذخیرۃ الملوک

سید علی ہمدانی

معارف جہانگیری

محمد محی الدین